

# عمران سپریز

جلد نمبر  
26

## علامہ دہشت ناک

- 89 - علامہ دہشت ناک
- 90 - فرشتے کادشمن
- 91 - بیچارہ شہزادور
- 92 - کالی گھنٹاں

ابن صفحی

## پیشہ رس

علامہ دہشت ناک سے ملنے اور دیکھنے کے انتقامی جذبہ کیا گل  
کھلاتا ہے...! یہ آگ کتوں کو جلاتی ہے اور کسی طرح بجھنے کا نام ہی  
نہیں لیتی۔!

کہانی کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا کیونکہ ابھی آپ علامہ  
کی شخصیت کا صرف ایک ہی پہلو دیکھیں گے۔ اس بارا ایک ایسا خط ملا  
ہے جس نے مجھے چکرا کر رکھ دیا ہے۔ کچھ میں نہیں آتا کہ کیا  
لکھوں۔ ایک صاحب کراچی سے لکھتے ہیں۔

”صفی صاحب! بڑی پریشانی میں پڑ گیا ہوں۔ خدارا بتائیے کیا  
کروں.... اپنے مکان میں سفیدی کرائی تھی۔ صح اٹھ کر دیکھا تو باہر  
دیوار پر بہت بڑے حروف میں لکھا تھا۔ ”فضل محمد خاں کو رہا کرو۔“  
میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ فضل محمد خاں کو جانتا تک نہیں۔  
کہاں سے رہا کروں۔ کیسے رہا کروں۔ کوئی میں نے کپڑا کر بند کر رکھا  
ہے! آخر میری دیوار پر کیوں لکھ گئے ہیں۔“

بھائی اس میں نہ امانے کی کوئی بات نہیں۔ دس سال پہلے قوم  
میرے پیچھے پڑ گئی تھی کہ اسلامی دستور بنوادول۔ یار لوگ پوری  
دیوار پر لکھ گئے تھے۔ ”هم اسلامی دستور چاہتے ہیں۔“ لہذا مجھے اسلامی  
دستور بنوانا پڑا۔ اس کے بعد سے دیوار صاف پڑی تھی کہ اچانک  
حال ہی میں نئی پتتا پڑ گئی۔ کوئی صاحب میری دیوار پر ”طلبا کسان اور  
مزدوروں“ کو متعدد ہو جانے کی دعوت دے گئے ہیں۔ کچھ میں نہیں  
آتا کہ انہیں کہاں جلاش کروں! طلباء تو خیر بس اشاؤ پر ڈھیروں

## علامہ دہشت ناک

(پہلا حصہ)

گیارہ افراد ایک قطار میں دوڑے جا رہے تھے۔ اس طرح کہ ایک کے پیچے ایک تھا۔ اور یہ بھی کی قطار کیس سے بھی نیز ہمی دکھائی نہیں دیتی تھی۔ اس قطار میں عورتیں بھی تھیں اور مرد بھی۔ سورج ابھی طلوع نہیں ہوا تھا۔ اولیٰ جنوری کی رخ بستہ ہوا ہڈیوں میں گھستی محسوس ہو رہی تھی!

سب سے آگے ایک قد آور جسم آدمی تھا۔ عمر چالیس اور پیچاس کے درمیان رہی ہوئی اور چہرہ ڈاڑھی سو نچھوں سے بے نیاز۔ البتہ سر پر گھنے اور لبے لبے بال لہرا رہے تھے۔ آنکھوں میں بے پناہ تو نائی ظاہر ہوتی تھی۔

سرک سے وہ بائیں جانب والے میدان میں اتر گئے۔ اور پھر انہوں نے دائیے کی شکل میں دوڑنا شروع کر دیا تھا۔... دائیے میں بھی تنظیم اس حد تک برقرار رہی تھی کہ وہ کہیں سے بھی غیر متوازن نہیں معلوم ہوتا تھا۔

”ہالت!“ قد آور آدمی نے زور سے کہا۔

اور وہ سب زک گئے۔ لیکن دائیہ بد ستور برقرار رہا۔

”ڈیں پر لیں!“ قد آور آدمی کی آواز پھر بلند ہوئی اور وہ سب تتر بترا ہو کر گھاس میں بیٹھ گئے۔ بھی گھرے گھرے سانس لے رہے تھے۔ قد آور آدمی جہاں تھا وہیں کھڑا رہا اس کی ظاہری حالت سے کوئی تبدیلی نہیں دکھائی دیتی تھی۔ سب کچھ معمول کے مطابق تھا نہیں پر تھکن کے آثار تھے اور نہ سینہ دھوکنی کی طرح چل رہا تھا۔ قطعی نہیں معلوم تھا کہ اس نے بھی دوسروں کی طرح یہ مسافت دوڑتے ہی ہوئے طے کی ہے....!

مل جاتے ہیں لیکن مزدور اپنے دھندوں سے لگے ہوئے ہیں..... رہے کسان تو شہر میں ان سے ملاقات نہیں ہو سکتی۔ ایک دن ایک مزدور کے آگے ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہو گیا تھا کہ بھائی محمد ہو جاؤ۔ بولے متحد کیا ہوتا ہے.... میں نے کہا کہ میل جوں..... حرمت سے فرمایا۔... بائی آم نے کس کا گردن کاٹا ہے کہ میل جوں کرے... اپنا سامنہ لے کر رہ گیا.... طلباء سے کچھ کہنے کی ہمت نہیں پڑتی کہ تالیاں پہیت دیں گے۔ بہر حال ایک ایک سے پوچھتا پھر رہا ہوں کہ ان کا اتحاد کس طرح کراؤں کہ میری دیوار پھر صاف نظر آنے لگے... ہاں تو بھائی صاحب آپ کو مشورہ دوں۔ اگر آپ میرے ہی ہم عمر ہیں تو آپ کو یاد ہو گا، اب سے میں باکیس سال پہلے ”بے ضرر ختنہ کرنے والے“ اور ”بار جنڑ نکاح خوان“ تیری میری دیوار پر اپنے نام اور پتے لکھ جایا کرتے تھے.... جس طرح آپ نے انہیں برداشت کیا تھا اسی طرح انہیں بھی بخش دیجئے!.... یا پھر جائیے اور پتالگائیے کہ فضل محمد خاں کو کس نے پکڑ رکھا ہے.... اس کے ہاتھ پر جید جوڑیے کہ رہا کر دے ورنہ پورا شہر چھاپے خانہ بن کر رہ جائے گا۔ ویسے ایک بات ہے.... اب سے دو ہزار سال بعد جب اس ”مسخرن جوڑو“ کی کھدائی ہوگی تو اس وقت کے لوگ عش عش کریں گے کہ یہاں کتنی پڑھی لکھی قوم آباد تھی۔ بس کا ڈھانچہ نکلا تو اس پر اشعار لکھے ہوئے ہیں۔ ٹیکسی کے ڈھانچے پر اشعار۔ رکشے کے ڈھانچے پر اشعار۔ رکشے کے ڈھانچے پر دل خوش کن تحریریں... اور یہ دیواریں..... کیا پوچھنا؟...

ابن صفحہ

۱۹۷۶ء فروری ۱۸

کے مقابلے میں جھوٹی گواہیاں کام نہ آسکیں۔ اور حولی والے ملزم کے خلاف بخوبی ثابت ہو گیا۔  
چنانی کی سزا نادی گئی!

قد آور آدمی خاموش ہو کر پھر کچھ سوچنے لگا اور سننے والوں کے چہرے اضطراب کی آماجگاہ  
بن گئے۔

تھوڑی دیر بعد وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ”اب یہاں سے اُس دیندار آدمی کی کہانی  
شروع ہوتی ہے جو حولی والوں کا مزارع بھی تھا۔ جانتے ہو اس پر حولی والوں کا عتاب کس شکل  
میں ہاں ہوا۔؟ ایک رات جب کچھ مکان کے لوگ بے خبر سور ہے تھے.... کچھ مکان میں آگ  
لگادی گئی۔ اور اس بات کا خاص خیال رکھا گیا کہ کوئی باہر نہ نکلنے پائے۔ چھوٹے ہوئے آٹھ افراد  
جل کر جسم ہو گئے تھے۔ جس نے باہر نکلنے کی کوشش کی اسے گولی مار دی گئی۔ اس کنبے کا صرف  
ایک پچھہ زندہ نجات کا تھا۔ وہ بھی اسلئے کہ واردات کے وقت وہ اس کچھ مکان میں موجود نہیں تھا۔  
دوسرے گاؤں میں اس کی ناہماں تھی۔ کچھ دنوں پہلے اس کا ماموں اسے گھر سے لے گیا  
تھا۔ اور وہ دیہن مقیم تھا۔۔۔ بہر حال حولی والوں کا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ تھیلوں کے منہ  
کھل گئے تھے۔ پھر قانون کے مخالفوں کے منہ پرتا لے کیوں نہ پڑ جاتے، آگ حادثاتی طور پر گئی  
تھی اور آٹھ افراد اپنی بد بختی کی بھینٹ چڑھ گئے تھے۔ اُس دین دار آدمی نے ایک درندگی کے  
خلاف شہادت دی تھی لیکن اس کے ساتھ جو درندگی ہوئی اس کا کوئی عینی شاہد قانون کے  
مخالفوں کو نہ مل سکا!۔۔۔ ظاہر ہے جس بات کا علم ہر ایک کو تھا سے کیوں نہ ہوتا۔ کون نہیں  
جانتا تھا کہ کامکان کیسے جسم ہوا تھا۔۔۔ کون اس سے تاواقف تھا کہ آٹھ بے بس افراد کس طرح  
جل مرے۔۔۔ لیکن کس میں بہت تھی کہ اب حولی کی طرف آٹھ اٹھا کر بھی دیکھ سکتا۔ وہ ایک  
شخص کی جرأت کا ناجام دیکھ چکے تھے! اب تم مجھے بتاؤ کہ اس بچے کی کہانی کیا ہوئی چاہئے۔!

کوئی کچھ نہ بولا۔ وہ خاموشی سے ان کے چہروں کا جائزہ لیتا رہا۔ فتحاً ایک لڑکی مٹھیاں بھیج  
کر چینی۔ ”انتقام“

قد آور آدمی کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

”تمہارا خیال درست ہے!“ اس نے کہا۔ ”لیکن لجہ مناسب نہیں ہے... اس لجہ میں اٹھنے  
اور جھپٹ پڑنے کا ساندھاڑ ہے۔“ اس بچے نے انتقامی جذبے کی تہذیب کی طرف توجہ دی تھی۔

آدھے منٹ سے زیادہ وقت نہیں گذر اتھا کہ اس نے ”فال ان“ کی ہاٹ لگائی اور وہ سب  
اٹھ کھڑے ہوئے اور تیزی سے قطار بنالی۔!

”ایٹ ایٹ“ کہہ کر اس نے ان پر اچھتی سی نظر ڈالی اور بولا۔  
”دوسٹو... طاقت کا سرچشمہ۔“

”ذہانت!“ سب بیک آواز بولے۔  
”کیڑے کوڑے...!“ وہ پھر دہاز۔

”غیر ذہین دوپائے!“ انہوں نے ہم آواز ہو کر کہا۔

”اور یہ کیڑے کوڑے!“ وہ ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”ذہین آدمیوں کے آله کار سے زیادہ حیثیت  
نہیں رکھتے.... انہیں استعمال کرو اور صرف اتنا ہی تسلی انہیں دو کہ متھر کر رہ سکتی..... اگر ان  
میں سے کوئی ناکارہ ہو جائے تو اسے کوڑے کے ذہیر پر پھیلک دو۔ اور اس کی جگہ دوسرا بید زہ فٹ  
کر دو۔ انہیں قابو میں رکھنے کا طریقہ یہ ہے کہ حقارات سے دیکھا جائے.... اگر تم نے انہیں آدمی  
سمجا تو یہ خود کو اہمیت دینے لگیں گے.... اور پھر تم انہیں اپنے قابو میں نہ رکھ سکو گے۔!  
وہ خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا تھا! سامنے دس افراد سر جھکائے کھڑے تھے۔ یہ سب  
جو ان العر تھے اور ان میں سے چار لڑکیاں تھیں۔

”بیٹھ جاؤ...!“ قد آور آدمی نے ہاتھ بلکر کہا۔  
انہوں نے اسی طرح تعیل کی تھی جیسے وہ پوری طرح ان پر حادی ہو! ان کی آنکھوں میں اس  
کے لئے بے اندازہ احترام پیا جاتا تھا۔

”آج میں تمہیں ایک کہانی سناؤں گا۔“ اس نے کہا اور وہ سب دم بخود بیٹھے رہے۔!  
”یہ کہانی ایک گاؤں سے شروع ہوتی ہے.... ایک بچے کی کہانی ہے.... لیکن بچے سے اس  
کی ابتداء نہیں ہوگی.... اس گاؤں میں صرف ایک اوپھی اور پکی حولی تھی بقیہ مکانات کچے  
تھے.... تم سمجھ گئے ہو گے کہ حولی میں کون رہتا تھا اور کچھ مکانوں میں کیسے لوگ آباد تھے۔  
بہر حال ایک بار ایسا ہوا کہ حولی کا ایک فرد قتل کے ایک وتوعے میں ماخوذ ہو گیا.... اور کچے  
مکان کے ایک بائی نے اس کے خلاف عدالت میں شہادت دے دی۔ کچھ مکان کا داہی بائی ایک  
دیندار آدمی تھا۔ اس نے جو کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا عدالت میں بیان کر دیا۔ اس کی شہادت

خبر سنجھاں کر ٹوٹ نہیں پڑا تھا دشمنوں پر.... وہ کیزوں مکوڑوں میں سے نہیں تھا۔ ذہین تھا۔ اس نے پوری حوصلی ویران کر دی لیکن قانون کا ہاتھ اس تک نہیں پہنچ سکا تھا۔ ایک نوجوان نے اپنا ہاتھ اٹھایا۔

”ہاں کہو....! کیا کہنا چاہتے ہو۔“ قد آور آدمی نے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

”حوصلی والوں تک بھی تو قانون کا ہاتھ نہیں پہنچ سکا تھا!“ نوجوان بولا۔

”قانون کے مخالفوں کی چشم پوشی اس کی وجہ تھی۔ اگر جلی ہوئی لاشوں کا پوسٹ مارٹم کیا جاتا تو ایک آدھ کے جسم سے گولیاں ضرور برآمد ہوتیں۔ لیکن اس بچے کے انتقام نے کوئی ایسا نشان نہیں چھوڑا تھا جس سے اس کا سراغ قانون کے مخالفوں کو مل سکتا۔ اس کے مقابلے میں حوصلی والے بھی کیڑے مکوڑے تھے!.... تو کبھی کاملاً مطلب یہ کہ ذہانت ہی برتری کی علامت ہے۔ کوئی اور سوال۔؟“

فوری طور پر کسی نے کچھ نہیں پوچھا تھا۔ پھر ایک لڑکی نے ہاتھ اٹھایا۔

”ہاں.... پوچھو!“

”کیا باب اس حوصلی کا کوئی فرد زندہ نہیں....؟“

”صرف ایک فردا... جس کی موت سے پوزے ملک میں تہلکہ بچ جائے گا۔ تم دیکھ ہی لو کے۔“

”اور اس کا سراغ بھی کوئی نہ پاسکے گا!“

”سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔“

”کیا وہ کوئی اہم شخصیت ہے۔؟“

”بہت زیادہ اہم بھی نہیں ہے۔ حکمران جماعت کی بساط سیاست کا ایک مہرہ بچھ او۔!“

”تب تو اکا مکان ہے کہ انہیں سراغ مل جائے۔ اس سے وہ چشم پوشی نہیں کر سکیں گے۔!“

”اس بچے کی طرف کسی کا دھیان نہیں گیا۔ اب بھی یہی ہو گا!“

”میں نہیں سمجھ سکی جتاب!“

”ان کی توجہ صرف اپوزیشن کی طرف مبذول ہو گی۔!“

”ہاں یہ تو ہے۔!“ کسی نے کہا۔

قد آور آدمی نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔! اس بچے کو کوئی نہیں جانتا کیونکہ وہ بہت چھوٹی عمر میں

تازہ تھا۔ بڑی دشواریوں سے اُس نے اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔ لیکن طبیعت کا یہ عالم تھا کہ شاعری شروع کی تو ”دہشت“ تخلص کیا۔۔۔ اور اب بھی یونیورسٹی میں علامہ دہشت کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اور اس کی غیبت میں بعض طالب علم اُسے علامہ دہشت ناک بھی کہتے ہیں....! ہاں.... لڑکی تم کیا کہنا چاہتی ہو؟“

”آپ نے یہ کہاں کیوں سنائی ہے؟“

”جن پر اعتماد ہو جاتا ہے انہیں یہ کہانی ضرور سناتا ہوں.... تم جیسے بے شمار شاگرد پورے ملک میں پھیلے ہوئے ہیں اور جہاں بھی یہی ذہانت کو بروئے کار لا کر بڑی بڑی پوزیشنیں حاصل کر رکھے ہیں.... کیا تم دسوں میرے اعتماد کو خیس پہنچا سکتے ہو؟“

”ہرگز نہیں!“ سب بیک زبان بولے! ”آپ ہماری زندگی ہیں۔“

”اس سال پانچ ہزار میں سے تم دس منتخب کئے گئے ہو.... دس جو دس لاکھ پر بھی بھاری رہو گے....! اچھا.... عہد۔!“ وہ ہاتھ اٹھا کر بولا۔

”دسوں پھر قطار میں کھڑے ہو گئے۔ اور بیک آواز کہنے لگے۔!“ ہماری ذہانت کا سرچشمہ آپ ہیں.... ہم بھی آپ سے خداری نہیں کریں گے۔!

”لیکن مجھے اپنے سوال کا جواب نہیں ملا جاتا!“ لڑکی پھر ہاتھ اٹھا کر بولی۔

”کس سوال کا جواب۔!“

”ہمیں یہ کہانی کیوں سنائی گئی ہے۔!“

”یہ بتانے کے لئے کہ جرم کی پردو پوشی دو ہی طریقوں سے ممکن ہے۔ یا تجویں کے دہانے کھول دیا ذہانت کو بروئے کار لاؤ۔....“ دولت کے بل بوتے پر کیے جانے والے اقدام کا اثر دیر پا نہیں ہوتا۔ اس لئے اسے کیڑوں مکوڑوں کے لئے چھوڑو۔.... حوصلی والوں نے دولت کے بل بوتے پر صرف اپنا تحفظ کیا تھا۔ لیکن دوسرے ذہنوں سے اپنے جرام کے نقوش نہیں منا سکے تھے۔ بے شک وہ عدالت تک نہ پہنچ سکے لیکن گاؤں کا پچھے بچ جانتا تھا کہ کچا مکان کس طرح تباہ ہوا۔ اب ذہانت کا کارنامہ دیکھو! کوئی نہیں جانتا کہ حوصلی کیسے تباہ ہوئی اور حوصلی والوں کی اموات میں کس کا ہاتھ تھا....“

”میں سمجھ گئی جتاب!“ لڑکی نے طویل سانس لے کر کہا۔

کی ذہانت ان کے اس بنیادی جرم کو صدیوں سے خدا کا قانون قرار دیتی چلی آرہی ہے۔“  
”میں سمجھ گئی جناب....!“

”لیکن مطمئن نہیں ہو سیں۔ میں تمہاری آنکھوں میں اب بھی شہادت کی جھلکیاں دیکھ رہا  
ہوں۔“ لڑکی کچھ سے بولی۔ علامہ اسے گھورتا رہا۔

”میں دراصل.... یہ کہنا چاہتی تھی جناب کے نہ ہب!“

”بس....!“ علامہ اس کی بات کاٹ کر بولا۔ ”تم پر میری محنت خائی ہوئی ہے۔“

”لڑکی سخت سے ہوتی بھیجن کر رہ گئی۔ اور وہ کہتا رہا۔ ”تمہاری ذہانت مشتبہ ہے....!“

”شش شاید.... مم.... میں۔“

”بات آگئے نہ بڑھاؤ۔ اس مسئلے پر کئی بار روشنی ڈال چکا ہوں اور تم سب بھی سن لو کہ حوالی  
والے بڑے بڑے نہ ہی لوگ تھے.... اور کچھ مکان کا وہ فرد بھی بڑا نہ ہی تھا جو اپنے متعلقین  
سمیت حل کر جسم ہو گیا تھا۔“

کوئی کچھ نہ بولا۔ وہ لڑکی بھی خاموش ہو گئی تھی۔ علامہ نے اس طرح ہوت سکوڑ کئے تھے  
جیسے کوئی کڑوی کیلی چیز طبق سے اتار گیا ہو۔“

”واپسی....!“ دفعتاں نے کہا اور وہ ایک بار پھر قطار میں دوڑتے نظر آئے لیکن ترتیب  
پہلی کی سی نہیں تھی۔ علامہ سب سے بچھے تھا.... اور پھر وہ ایک نوجوان سمیت دوسروں سے  
بہت دور رہ گیا۔ اس نے اپنے آگے والے نوجوان کو پہلے ہی ہدایت کر دی تھی کہ وہ اپنی رفتار  
معمول سے کمر کھے۔ اب وہ دونوں برابر سے دوڑ رہے تھے اور دوسروں سے بہت بچھے تھے۔

”پیٹر!“ علامہ نے نوجوان کا نام لے کر مخاطب کیا۔

”لیں سر!“ پیٹر بولا اور دوڑ رہا جاری رہی۔

”یا سکیں کے خیالات نئے تم نے!“

”لیں سر!“

”تمہارا کیا خیال ہے!“

”وہ راستے سے ہٹ سکتی ہے.... اس نے نہ ہب کا نام لیا تھا!“

”مجھے تم پر فخر ہے پیٹر.... تم بہت ذہین ہو!“

”دوسری بات۔ اکچامکان تباہ ہو گیا۔ حوالی فنا ہو گئی۔ لیکن وہ بیشہ زندہ رہیں گے جنہوں نے  
حوالی والوں کو عدالت میں پیش ہونے سے بچا لیا تھا۔ لہذا اس ذہین بچے کو بھی بیشہ زندہ رہنا چاہئے۔“  
”علامہ دہشت!“ ایک پر جوش جوان نے ہاٹک لگائی۔

”زندہ باد“ مقتقہ نعرہ تھا۔

علامہ دہشت نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ ”جرائم کی پرده پوشی کرنے والے قانون کے محافظ اس  
وقت سے موجود ہیں جب قانون نے جنم لیا تھا اور جب تک قانون موجود ہے وہ بھی زندہ رہیں گے۔  
لہذا نہیں بھی زندہ رہنے کا حق حاصل ہونا چاہئے۔ جس دن یہ بھی ختم ہوئے تم بھی ختم ہو جاؤ  
گے۔ جرائم کا اصل سبب یہی ہے کہ لوگ قانون کے محافظوں کی طرف سے مطمئن نہیں ہیں۔“  
وہ خاموش ہو کر ان کی شکلیں دیکھنے لگا تھا۔

دفعتاً ایک لڑکی کی طرف انگلی اٹھا کر بولا۔ ”کیا تمہیں اس میں شہید ہے!“

”نن.... نہیں جناب.... لیکن....؟“

”میں نے یہ ”لیکن“ تمہارے چہرے پر پڑھ لیا تھا!“

”میری دانست میں جرائم کی صرف یہی ایک وجہ نہیں ہے۔“

”میں سمجھ گیا تم کیا کہنا چاہتی ہو۔“ علامہ دہشت نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ ”وہی گھسی پی بات کہ  
کسی قسم کی اقصادی بدحالی جرائم کو جنم دیتی ہے!“

”جج.... جی ہاں....!“

”غلط ہے! یہ صرف جذبہ انتقام کی کار فرمائی ہے۔ اگر کوئی ایک روٹی چڑاتا ہے تو یہ معاشرے  
کی اس مصلحت کو شی کے خلاف انتقامی کارروائی ہے جس نے اسے بھوکارنے پر مجبور کر دیا۔“

”معاشرے کی مصلحت کو شی سمجھ میں نہیں آئی جناب!“

”یہ مصلحت کو شی ان چند افراد کی ہوں ہے جو وسائل حیات کو اپنے قبضے میں رکھنا چاہتے  
ہیں۔ اصل مجرم وہی ہیں۔ لیکن صدیوں سے ان کی ذہانت ان کے اس بنیادی جرم کی پرده پوشی  
کرتی آرہی ہے....!“

”وہ ایسا کیوں کرتے ہیں۔?“

”دوسروں کو اپنے سامنے جھکائے رکھنے کے لئے۔ اپنے اقتدار کو برقرار رکھنے کے لئے۔ ان

تقریر کے جال میں پہنچتے تھے.... پھر آہستہ آہستہ اس طرح گرویدہ ہوتے ٹپے جاتے تھے۔ جیسے وہ پیغمبرانہ انداز میں ان کے درمیان آیا ہو.... ان میں کچھ انتہائی درجہ کے جان ثار ہوتے تھے۔ اور انی جان ثاروں کو خاص شاگرد ہونے کر شرف حاصل ہو جاتا تھا۔

بہر حال ان مخصوص شاگردوں کو وہ ہر طرح کی تربیت دیتا تھا۔ کمپنگ کا صل مقصود یہ ہوتا تھا کہ وہ بے سر و سامانی کی حالت میں بھی زندگی بر کرنے کے طریقوں سے آگاہ ہو جائیں....! غلیلوں سے پرندوں کا شکار ہوتا اور زمین سے مختلف قسم کی جزیں کھو کر نکالی جاتیں۔ پرندے اگ پر بھونے جاتے اور جزیں ابالی جاتیں کمپنگ کے دران میں بھی ان کی خوراک ہوتی۔ چھولداریوں میں راتیں گزارتے سردی سے بچاؤ کے لئے کم سے کم سامان ان کے ساتھ ہوتا تھا.... ہر فرد اپنی چھولداری میں تھہرات بسر کرتا تھا....!

اس وقت اس دوز دھوپ کے بعد انہیں اپنی چھولداری میں صرف آدھے گھنٹے آرام کرنا تھا۔ پھر دوپہر کے لئے نذا فراہم کرنے کی باری آتی۔

علامہ دہشت اپنی چھولداری میں پہنچ کر بیٹھ گیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں فکر مندی کے آثار پائے جاتے تھے۔

تحوڑی دیر بعد اس نے چھولداری سے سر نکال کر یاس میں کو آواز دی تھی۔

وہ اپنی چھولداری سے نکل کر اس طرح اس کی طرف دوڑ پڑی تھی جیسے اس کی پا تو کتیا ہو۔! ”اندر آجائو۔“ وہ ایک طرف کھلتا ہوا بولا تھا۔!

”وہ چھولداری میں داخل ہوئی اور اس کی اجازت سے ایک طرف بیٹھ گئی۔ وہ کچھ شر مندہ کی نظر آرہی تھی۔ سر جھکائے بیٹھی رہی۔ علامہ دہشت اسے گھوڑا تارہ پھر بولا۔ ”تم اب بھی کچھ کہنا چاہتی ہو۔“

”نج..... جی..... ہاں..... نہ ہب کا نام غیر ارادی طور پر زبان سے نکل گیا تھا۔ اس کی بھی وجہ غالباً نفیسیاتی ہو سکتی ہے۔“

”تمہاری دانست میں کیا وجہ ہو سکتی ہے۔!“

”آپ عام طور پر خود کونہ ہی آدمی ظاہر کرتے ہیں۔“

”ہمیں کیزوں مکزوں کے درمیان رہ کر ہی زندگی بسر کرنی چاہئے۔!“

”میں کچھ اور کہنا چاہتا ہوں جتاب۔!“

”ضرور کو پڑیر۔!“

”قبل اس کے وہ راستے سے ہے.... ہم خود ہی کیوں نہ ہٹادیں۔“

”میں تمہارے علاوہ اور کسی میں اپنا نائب بننے کی صلاحیت نہیں دیکھتا۔“

”میں اسے راستے سے ہٹا دوں گا جتاب۔!“

”مگر اسے نہ بھولنا کہ تم ایک ذہین آدمی ہو۔“

”آپ مطمئن رہئے۔!“

پھر انہوں نے رفتار بڑھائی تھی اور دوسروں سے جاتے تھے.... قریباً آدھے گھنٹے بعد وہ اس گجر پر پہنچ چہاں ان کا کمپ تھا۔ چھوٹی چھوٹی گیراہ چھولداریاں نسب تھیں ایک ایک کر کے وہ اپنی اپنی چھولداریوں میں داخل ہوئے اور آرام کرنے لگے۔

یہ سب علامہ دہشت کے مخصوص شاگرد تھے لیکن اس کے نظریات سے اتفاق رکھتے تھے وہ نظریات جن کا اظہار وہ سب کے سامنے نہیں کرتا تھا۔ ویسے پڑھے لکھے طریقوں میں خاصی بڑی پوزیشن رکھتا تھا۔ لوگ اس کی علیت سے مرعوب ہو جاتے تھے۔ یونیورسٹی میں ”دہنی دیو“ کہلاتا تھا۔ اچھا شاعر اور اچھا ناقد بھی تھا۔ آئئے دن اس کی قیام گاہ پر بزم شعر و سخن کا اہتمام ہوتا تھا۔

بعض بے ہلک احباب بھی کبھی کبھی بیٹھتے کہ سو شیلوں کی بیڈ آف دی ڈپارٹمنٹ کو تو دہشت ناک نہ ہونا چاہئے۔ لہذا اسے تخلص بدل دینا چاہئے کوئی فرق نہ پڑے گا۔ وہ نہیں کہتا ”کتنے ہی تخلص تبدیل کروں کہا لوں گا دہشت ہی۔!“

سردیوں کی تعلیل شروع ہوتے ہی وہ ہر سال اپنے مخصوص شاگردوں کا کمپ لگاتا تھا اور انہیں جسمانی تربیت کی طرف بھی توجہ دینے کی ہدایات کرتا تھا۔.... ان دسوں شاگردوں کا تعلق اسی کے ڈپارٹمنٹ سے نہیں تھا۔ ان کے مضامین مختلف تھے....! یہ تو اس کی گھریلو نشتوں کے دران میں اس کے حلقة بگوش ہوئے تھے۔

علامہ کی شخصیت بے حد پر کشش تھی اور اس کی ساری باتیں عام ڈگر سے ہٹ کر ہوتی تھیں۔ ہر معاملے میں اس کا نظریہ عام نظریات سے مختلف ہوتا تھا۔ اور اپنی قوت اسنال لے کام لے کر وہ دوسروں کو اس سے متعلق مطمئن بھی کر دیتا تھا.... پہلے پہل لوگ اس کے طرز

فون کی گھنٹی بجی تھی اور کیپین فیاض نے ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھایا تھا۔ دوسری طرف سے جانی پچانی سی نسوانی آواز آئی تھی۔ ”میں میں ایک دشواری میں پڑ گئی ہوں کیپین۔“

”آپ کون ہیں؟“ فیاض نے پیشانی پر بل ڈال کر پوچھا۔  
”ڈاکٹر زہرہ جبیں۔“

”اوہ.... ہلوڈاکٹر.... کیا پریشانی ہے....!“  
”شش شاید.... میں گرفتار کرنی جاؤں....!“  
”خیریت....!“

”ایسی ہی کچھ بات ہے! کیا آپ میری ڈپنسری تک آسکیں گے۔“  
”میں پہنچ رہا ہوں لیکن بات کیا ہے۔!“

”دواخانہ بند کر کے سیل کیا جا رہا ہے اور تفتیش کرنے والے آفیسر کے تیور اتھے نہیں ہیں۔!“  
”میا کوئی مریض غیر متوقع طور پر مر گیا ہے۔!  
”ایسی ہی کچھ بات۔!“

”اچھا میں آ رہا ہوں.... ویسے وارث کے بغیر تمہیں کوئی گرفتار نہیں کر سکتا۔ کیا آفیسر کے پاس وارث موجود ہے؟“

”میں نہیں جانتی۔ لیکن خدا کے لئے آپ جلد پہنچے۔!“

”میں آ رہا ہوں۔“ فیاض نے کہا اور دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہو جانے کی آواز سن کر خود بھی ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔ پھر وہ اٹھ کر آفس سے باہر آیا تھا۔

تحوڑی دیر بعد اس کی گاڑی مکمل سراغ رسانی کے دفاتر کی کپاؤ نٹے سے سڑک پر نکل آئی۔  
ڈاکٹر زہرہ جبیں اس کی خاص دوستوں میں سے تھی۔ خوش شکل اور پر کشش عورت تھی۔  
عمر تیس سال سے زیادہ نہیں تھی لیکن اس وقت چالیس سے بھی متوجہ لگ رہی تھی۔ فیاض کو

”یہ میں بھول گئی تھی۔!“ یا کمین کے لمحے میں کسی قدر تنقی پیدا ہو گئی۔!

”حالانکہ ہمیں اپنا مشن ہر وقت یاد رکھنا چاہئے۔!“  
یا کمین کچھ نہ بولی۔ بدستور سر جھکائے بیٹھی رہی۔ اس نے یہ گفتگو علامہ سے آنکھیں ملا کر نہیں کی تھی۔ اس سے آنکھیں ملا کر گفتگو کرنا آسان بھی نہیں تھا۔.... مقابل کی زبان لڑکھڑا جاتی تھی اور اگلا جملہ ذہن سے محو ہو جاتا تھا۔ اس سے پوری بات اسی طرح کی جا سکتی تھی کہ اس کی آنکھوں میں نہ دیکھا جائے۔

”نمہب!“ وہ تحوڑی دیر بعد بولا۔ ”محض بعض رسم کی ادائیگی ہی مک مدد د ہو کر رہ گیا ہے۔ لہذا اسے کیڑوں مکوڑوں ہی کے لئے چھوڑو۔!“

”مم.... میں سمجھتی ہوں جناب!“

”میں نے ابتداء میں لوگوں کو نہب کی حقیقی روح سے روشناس کرانا چاہتا تھا لیکن انہوں نے کہنا شروع کر دیا کہ میں شاید کسی نئے نہب کی داغ بدل ڈالنا چاہتا ہوں مجھ پر کفر کرنے کا الزام لگایا گیا تھا۔ لہذا میں نہب کو بیریانی کی دیگ میں دفن کر دیا۔“

یا کمین کچھ نہ بولی.... وہ کہتا رہا۔ ”میرے بس سے باہر تھا کہ وہ غلط ختوں کے ڈھیر لگاتے رہیں اور میں ان میں دفن ہوتا چلا جاؤں۔ نہ وہ نہب کی حقیقی روح سکن پہنچنے کے لئے تیار ہیں اور نہ کوئی یا نظریہ حیات اپنانے پر آمادہ۔ لہذا ان کیڑوں مکوڑوں کو فنا کر دینا ہی میرا مشن ٹھہرا۔

”میں اپنی غلطی پر نادم ہوں جناب!“ وہ گھصیاں۔

”غلطی نہیں میرے بارے میں غلط فہمی کہو۔!“

”نج.... جی.... ہا۔ بعض اوقات مجھے اظہار خیال کے لئے الفاظ نہیں ملتے۔“

اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ تمہارے ذہن میں ابھی تک کچھ زی پک رہی ہے۔ نہ نہب کی

طرف سے مطمئن ہو اور نہ میرے مشن پر یقین رکھتی ہو۔!

”میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔“

”فکر کرو سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ جاؤ آرام کرو۔!“.... وہ اٹھ گئی۔

دیکھتے ہی غیر ارادی طور پر اس کی طرف بڑھی۔  
”وہ لوگ دو خانے میں ہیں۔ دواؤں کی الماریوں کو سیل کر رہے ہیں۔!  
”دھنپاطہ کی کارروائی میں دخل اندازی نہیں کی جاسکے گی۔“ فیاض نے کہا۔ ”پہلے تم بتاؤ معاملہ کیا  
ہے....؟“

”پرسوں میری ایک مریضہ اچانک مر گئی۔!  
”کس طرح۔ کیا یہیں ڈسپنسری میں۔!  
”نہیں اپنے گھر پر... وہ... دوا کی شیشی... یہیں ڈسپنسری سے دی گئی تھی۔ اعصاب کو

سکون دینے والی نکیاں تھیں۔ بازار میں دستیاب نہیں تھی۔ میرے پاس کچھ شیشیاں پہلے کی پڑی  
ہوئی تھیں۔ ایک میں نے اسے دے دی تھی....!“

”اوہ.... کہیں تم اس لڑکی یا سکین کی بات تو نہیں کر رہیں....!  
”وہی.... وہی....!  
”خداوندا.... تو وہ نکیاں تم نے فراہم کی تھیں۔!  
”ہاں.... اس وقت اس کی بڑی بہن دروانہ بھی ساتھ تھی۔!

فیاض سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ وہ اس کیس سے واقف تھا۔ لڑکی نے اپنے گھر ہی پر بیگ سے  
دوا کی شیشی کھالی تھی۔ وہ نکیاں کھائی تھیں۔ اور ایک گھنٹے کے اندر ختم ہو گئی تھی۔  
”اگر شیشی تم نے فراہم کی تھی تو....“ وہ تھوڑی دیر بعد بولا۔

”شیشی سربند تھی۔ میں نہیں جانتی تھی کہ اس میں کیا ہے اس پر لیبل اسی دوا کا موجود تھا  
جس کی اسے ضرورت تھی۔ اس کی بہن کو یاد نہیں لیکن مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ اس نے  
شیشی کھول کر دو نکیاں یہیں میرے سامنے کھائی تھیں۔ میری نرس شہادت دے گی کہ وہ اس  
کے لئے گلاس میں پانی لائی تھی۔“

”تم نے اسے شیشی کب دی تھی۔!  
”مرنے سے دو گھنٹے پہلے کی بات ہے۔!  
”نکیوں کا تجزیہ کرنے پر معلوم ہوا ہے کہ ان میں پاناشیم سانائیڈ کی آمیزش تھی اور بناوٹ

کے اعتبار سے وہ اصل نکیوں کے مماثل تھیں۔“

”کیا ساری نکیاں....؟“ اکثر زہرہ جیسی نے پوچھا۔

”جتنی بھی اس وقت شیشی میں تھیں۔!  
”و دون تک وہ انہیں نکیوں کو استعمال کرتی رہی تھی۔!

”تم نے بہت دیر میں مجھے مطلع کیا۔!“ فیاض مضطرباً انداز میں بولا۔  
”میرے فرشتوں کو بھی علم نہیں۔ ابھی ایک گھنٹہ پہلے انہوں نے مجھ سے پوچھ چکھ کی اور

”دواؤں کی الماریوں کو سیل کرنا شروع کر دیا۔“

”غیر میں دیکھتا ہوں۔ کیا وہ سب ڈسپنسری ہی میں ہیں۔?  
”زہرہ جیسی نے سر کو ابتدی جبش دیتے ہوئے پوچھا۔ ”اب کیا ہو گا۔“

”فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔ وہ مرنے سے دون قبیل بھی اسی شیشی کی نکیاں  
استعمال کرتی رہی تھی۔!  
فیاض مطب سے اٹھ کر ڈسپنسری میں آیا جہاں ضابطہ کی کارروائی جاری تھی۔ حلقتے کے  
خانے کے انچارج کی گگرانی میں ساری ادویات سیل کر دی گئی تھیں۔ فیاض کو دیکھ کر وہ پذیرائی  
کے لئے آگے بڑھا۔

”کیا وارثت بھی ہے۔!“ فیاض نے پوچھا۔

”نہیں جناب عالی۔!“ اکثر صاحب کے اعتراف کے بعد یہ کارروائی عمل میں لائی گئی ہے۔  
”ٹھیک ہے۔!  
”ویسے گرفتاری کا بھی امکان ہے۔!  
”ہاں ہو سکتا ہے۔۔۔ وارثت تمہارے پاس ہی آئے گا۔!  
”جی ہاں۔!  
”اس کا خیال رکھنا کہ صفات قبل از گرفتاری کی کوشش کی جاری ہے۔!  
”آپ بے فکر ہیں جتاب۔ آپ کو اطلاع دیتے بغیر کوئی کارروائی نہیں کروں گا۔!  
”شکر یہ۔!  
”میں تو خادم ہوں جتاب۔!  
فیاض پھر مطب میں واپس آگیا۔

”کیا ہو رہا ہے...!“ زہرہ جیسی نے گھٹی گھٹی سی آواز میں پوچھا۔

”خواہ مخواہ پر بیشان ہو رہی ہو۔ احتمان قبیل از گرفتاری کی درخواست دلوانے جا رہا ہوں۔!“

”تو کیا گرفتاری کی نوبت آئتی ہے!“

”اگر تم اعتراف نہ کر لیتیں کہ وہ شیشی ہمیں سے دی گئی ہے تو کوئی بات نہیں تھی۔ پھر بھی بے قدر ہو۔ ضابطہ کی کاروائیاں تو ہوتی ہی رہتی ہیں۔“

”اس کی پلٹی بھی ہوگی!“

”یہ مجھ پر چھوڑ دو۔ اگر دوستوں کے لئے اتنے چھوٹے موٹے کام بھی نہ کر سکوں تو پھر میرے وجود کا فائدہ ہی کیا۔... نہیں۔... تمہارا نام پر لیں تک نہیں پہنچنے پائے گا۔“

پھر فیاض نے مطب ہی سے اپنے ایک دوست ایڈو کیٹ کو زہرہ کی حفاظت قبل از گرفتاری کے لئے ہدایات دی تھیں۔ اور زہرہ کو مزید تسلیاں دے کر وہاں سے روانہ ہو گیا تھا۔!

اُسے مرنے والی کی قیام گاہ کا پتا معلوم تھا۔ لہذا وہ سیدھا وہیں پہنچا۔ یا سکمن کی بڑی بہن دروانہ بنگلے میں موجود تھی۔ زہرہ کے بیان کے مطابق دو ایک شیشی اس کے سامنے ہی یا سکمن کو دی گئی تھی۔

”یہ درست ہے جناب!“ دروانہ نے فیاض کو سوال کے جواب میں کہا۔ ”میں موجود تھی اور مجھے یہ بھی یاد ہے کہ اس نے شیشی کھول کر دو نکیاں وہیں کھائی تھیں۔!“

”لیکن اس کا حوالہ آپ کے بیان میں نہیں ہے۔... اس سے لیڈی ڈاکٹر کی پوزیشن خطرے میں پڑ گئی ہے۔!“

”مجھے افسوس ہے اگر ایسا ہوا ہے۔ ایں اپنے بیان میں اس اضافے کے لئے تیار ہوں۔“

”تو انہوں نے دو نوں تک اسی شیشی سے وہ نکیاں استعمال کی تھیں۔!“

”جی ہاں۔!“

”اور آپ کو یقین ہے کہ کوئی دوسری شیشی نہیں خریدی گئی تھی۔!“

”سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ بازار میں دستیاب ہی نہیں ہے۔!“

”کیا وہ آخری نکیاں استعمال کرنے سے قبل گھر ہی پر رہی تھیں۔!“

”جی نہیں۔... تھوڑی دیر قبل باہر سے آئی تھی۔!“

”بہر حال۔!“ فیاض پر ٹکر لجھے میں بولا۔ ”آپ لوگوں کے بیان کی روشنی میں یہی کہا جاسکتا ہے کہ واقعے سے قبل شیشی سے اصل نکیاں نکال کر ویسی ہی شکل والی دوسری نکیاں رکھی گئی تھیں۔ کیونکہ وہ ساری ہی زہر آمیر ثابت ہوئی ہیں۔ زہر بھی ایسا کہ دو نکیاں زیادہ دیر تک زندہ نہیں رہنے دے سکتیں۔!“

دروانہ کچھ نہ بولی۔ اس کے پوچھے متور ہم اور آنکھیں سرخ تھیں۔ چہرے پر گہرا صہال طاری تھا۔ فیاض نے دوسرے افراد خاندان سے متعلق پوچھ گھٹھ شروع کر دی۔

دروانہ کا باپ ایک متول سرکاری ٹھکیردار تھا۔ ماں سوتیلی تھی۔ لیکن لاولد تھی۔ یہی دونوں نوکریاں باپ کے بعد جانسیدا اور دوسری الامال کی حقدار ہوتیں۔ بھائی کوئی نہیں تھا۔!

”خنے جتاب!“ دروانہ بولی۔ اس کا یہ مطلب ہمیں ہے کہ آپ کوئی غلط نظریہ قائم کر لیں۔!

”میں نہیں سمجھا۔!“

”کہیں آپ لوگ یہ نہ سوچیں کہ سوتیلی ماں....!“ وہ جملہ پورا کئے بغیر خاموش ہو گئی۔!

غالباً کسی کی آہنگ سن کر بات پوری نہیں کی تھی۔ مژکر دروانے کی طرف دیکھنے لگ۔ اور ہیڑ عمر کی ایک خوش شکل عورت کمرے میں داخل ہوئی۔ انداز پر وقار تھا۔

دروانہ کھڑی ہو گئی۔ فیاض بھی اٹھا تھا۔ عورت نے دروانہ سے کہا۔ ”تم اپنی بات جاری رکھو۔!“

”یہ میری ماں ہیں۔!“ دروانہ نے فیاض سے کہا۔

”آداب قبول فرمائیے محترم۔ بعض معاملات کی وضاحت کے لئے آپ لوگوں کو تکلیف دینی پڑی۔“

”تشریف رکھئے۔“ عورت نے مفہوم لجھے میں کہا۔

”ہاں تو میں یہ کہہ رہی تھی جتاب!“ دروانہ نے ان کے بیٹھ جانے کے بعد کہا۔ ”گھر میں کوئی ایسا فرد نہیں جو یا سکمن کی موت کا خواہاں ہوتا۔“

”آپ غلط سمجھیں!“ فیاض مسکرا کر بولا۔ ”افراد خاندان کے بارے میں پوچھ گھٹھ کرنے کا یہ مطلب نہیں تھا۔!“

”نہیں آپ شوق سے امکانات کا جائزہ لے سکتے ہیں۔!“ عورت نے کہا۔ ”میں ان بچوں کی

سو تیلی ماں ہوں۔ ”

”خدا کے لئے ایسا نہ کہنے ای!“ دردانہ کپکاپتی ہوئی آواز میں بولی۔ ”آپ نے کبھی ہمیں یہ محسوس نہیں ہونے دیا!“

”دل کا حال صرف خدا جانتا ہے۔!“ عورت بولی۔

”تب پھر میں بھی اس کی موت کا باعث ہو سکتی ہوں۔!“ دردانہ نے کہا۔

”میں دراصل یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ وہ آخری نکیاں استعمال کرنے سے پہلے کہاں سے آئی تھی۔“ فیاض بول پڑا۔

”کم از کم مجھے علم نہیں۔!“

”ان کے قریبی دوستوں کے نام اور پتے مل سکتیں گے۔!“

”میں صرف ایک لڑکی کا نام اور پتا جانتی ہوں جو کبھی کبھی یہاں بھی آتی رہتی ہے۔!“

فیاض نے جیب سے نوٹ بک اور قلم نکالتے ہوئے کہا۔ ”براہ کرم نوٹ کرواد تجھے۔“

”شیزاد ہنی رام.... دھنی اسکو اڑ..... فضھا اسٹریٹ....!“

فیاض نے مزید پوچھ گئے نہیں کی تھی۔ دونوں سے ایک بار پھر اظہار ہمدردی کر کے وہاں سے چل پڑا تھا۔

دھنی اسکو اڑ والا دھنی رام شہر کے مตول تین لوگوں میں سے تھا۔ تو اس کی لڑکی سے یا سکین کے اتنے گھرے مراسم تھے کہ وہ اس کے گھر بھی آتی تھی۔

فی الحال فیاض نے اس کی طرف جانے کا ارادہ ملتی کر دیا۔ اس کی بھاگ دوڑ کا مقصد صرف اسی قدر تھا کہ ڈاکٹر زہرہ جبیں کا تحفظ کیا جاسکے۔ ورنہ ابھی یہ کیس سول پولیس ہی کے پاس تھا۔



شیزاد ہنی رام ان چار لڑکیوں میں سے تھی۔ جنہوں نے علامہ دہشت کے ساتھ یکمپ کیا تھا۔... اس وقت وہ اسی مسئلے پر گنتگو کرنے کے لئے علامہ کے پاس آئی تھی۔ کیونکہ پولیس نے اس سے بھی یا سکین کے سلسلے میں پوچھ گئے کی تھی۔

”قدرتی بات ہے۔“ علامہ سرہلا کر بولا۔ ”قریب ترین لوگوں سے ضرور پوچھ گئے کی جائے گی۔“

”لیکن انہوں نے یکمپ کے بارے میں کچھ نہیں پوچھا۔“

”اس کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ یکمپنگ کئی دن پہلے ختم ہو گئی تھی۔“

”اس کی ایک وجہ اور بھی ہے۔!“ شیلانے کہا۔

”وہ کیا ہے؟“

”اسے ایک ہفتے تک گھر سے باہر رہنے کی اجازت نہیں مل سکتی تھی۔ میں نے یہ کہ کر دلوائی تھی کہ میں اسے اپنے ساتھ شاہدار اے جاتا چاہتی ہوں۔ جہاں میرے بچا رہتے ہیں۔!“

”اوہ....!“

”اسی لئے یکمپنگ کا ذکر نہیں آنے پایا۔“

”میں نہیں جانتا تھا کہ وہ اتنے بیک ورڈ گھرانے سے تعلق رکھتی ہے۔ تمہیں جو کو آگاہ کر دینا چاہئے تھا۔ تمہاری ہی سفارش پر میں بنے اسے خصوصی حلقوں میں شامل کیا تھا۔ تم جانتی ہو کہ یہاں بیک ورڈ گھرانوں سے تعلق رکھنے والوں کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے۔“

”لیکن وہ ذاتی طور پر بے حد آزاد خیال تھی۔ اور خود بھی اپنے خاندان والوں کی نگہ نظری سے متفرغ تھی۔!“

”دیے کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ ان لوگوں نے تمہارے ہی ساتھ جانے کی اجازت کیوں دے دی تھی جبکہ تم ان کی ہم مذہب بھی نہیں ہو۔!“

”میرے باپ سے اس کے باپ کے گھرے مراسم ہیں۔!“

”اس کے باوجود بھی بات سمجھ میں نہیں آئی۔ بیک ورڈ گھرانوں کی عورتیں بے حد نگہ نظر ہوتی ہیں۔!“

”گھر کا سر براہ جو چاہتا ہے وہ ہوتا ہے۔ یا سکین کے ڈیڈی نے میری بات کبھی نہیں تالی۔!“

”کیوں....؟“ علامہ نے اسے غور سے دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

”میں نہیں جانتی۔!“

”کیا تمہارے باپ اور اس کے باپ کی دوستی بہت پرانی ہے۔!“

”میری بیدائش سے بھی پہلے کی بات ہے۔!“

”پولیس اس کے بارے میں کیا معلوم کرنا چاہتی تھی۔؟“

”آخری نکیاں استعمال کرنے سے پہلے وہ کہاں سے آئی تھی۔؟“

”ہاں.... یہ ضروری سوال ہے۔!“ علامہ نے پہلے تفکر لجھ میں کہا۔

”سرکیوں نہ ہم اپنے طور پر پتہ لگانے کی کوشش کریں۔!“

”وقت ضائع کرنے سے کیا فائدہ..... وہ اپس تو نہیں آسکتی۔!“

”میں اس کے لئے بہت مغموم ہوں۔!“

”شیلا۔!“ وہ تیز لجھ میں بولا۔ ”یہ جہالت کی بات ہے۔! کسی کے مرنے کا غم اسے ہوتا چاہئے۔ جسے خود نہ مرتا ہو۔!“

”مم.... میں نہیں سمجھی۔!“

”ایک دن ہم سب مر جائیں گے۔ لہذا کسی کے مرنے کا غم احتمانہ انداز لکھ رہے ہے۔“

”یہ تو ٹھیک ہے جناب۔!“

”شورونے جہاں ہمیں ذہانت عطا کی ہے۔ وہیں کچھ احتمانہ کیفیتیں بھی ہم پر مسلط کر دیں۔ ہمیں ان سے پیچھا چھڑانا چاہئے۔“

شیلا کچھ نہ بولی۔!

”یقیناً کوئی اس کا دشن تھا جس کا علم خود اسے بھی نہیں تھا۔!“

”وہ بہت اچھی لڑکی تھی۔ سرکوئی بھی اسے ناپسند نہیں کرتا تھا حتیٰ کہ سوتیلی ماں کی لاڈلی تھی۔!“

”سو تیلی ماں دوسرا بیٹا کو بھی اسی طرح ختم کرادے گی اور دوسرا اسے فرشتہ سمجھتے رہیں گے۔ یہی ہے ذہانت۔.... واد۔“

”میں تصور بھی نہیں کر سکتی۔!“

”اس کی سوتیلی ماں کو میرے مخصوص حلقوں میں ہونا چاہئے تھا۔!“

شیلا پھر خاموش رہی۔ اس کے چہرے پر تکدر کے آثار تھے۔

علامہ اسے گھورتا ہوا بولا۔ ”تم یقین نہیں کرو گی۔ وہ بہت ذہین عورت معلوم ہوتی ہے۔

پولیس اس کے خلاف کچھ بھی ثابت نہیں کر سکے گی۔ بہر حال اب تم اس معاملے کی طرف سے اپنا ذہن ہٹالو۔ اگر پولیس کیمپنگ کے بارے میں پوچھے تو تم صفائی سے ہربات بتا سکتی ہو۔ میری

کیمپنگ کوئی پوشیدہ معاملہ نہیں ہے۔!“

”میری زبان سے ہر گز نہ نکل سکے گا کہ میں شاہ دار اکے بہانے کہیں اور لے گئی تھی۔!“

”تمہارا ذاتی معاملہ ہے۔ میں کیا کہہ سکتا ہوں۔! لیکن اس کا افسوس ہمیشہ رہے گا کہ میں نے

ہوانگی ایک بڑی غلطی کی تھی۔“

”کسی غلطی جناب۔!“

”یہی کہ ایک بیک و رذ گھرانے کی لڑکی کو اپنے مخصوصی حلقوں میں جگد دے دی تھی۔“

”محبے اس پر شرمندگی ہے جناب۔!“

”غیر آئندہ احتیاط رکھنا۔ بس اب جاؤ۔... پولیس سے اس لئے خائف ہونے کی ضرورت

نہیں کہ یا سہیں تمہارے حلقوں سے تعلق رکھتی تھی۔“

”میں خائف نہیں ہوں جناب صرف اس لئے آئی تھی کہ آپ کو آگاہ کر دوں۔“

”اگر پولیس کو یہ علم ہو بھی گیا کہ تم اسے وہاں نہیں لے گئی تھیں جہاں کا بہانہ کیا تھا۔ تو بھی

اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ایک ہفتہ پہلے جو کچھ بھی ہوا تھا۔ اس کا اس کی موت سے کیا تعلق۔“

شیلا چلی گئی تھی۔ اور علامہ نے فون پر کسی کے نمبر ڈائل کے تھے اور دوسری طرف سے

جواب ملنے پر ماؤ تھہ پیس میں بولا تھا۔

”پیٹر کو فون پر بلاد میجئے۔“ تھوڑی دیر بعد پیٹر کی آواز آئی تھی۔

”تم کتنی دیر میں مجھ تک پہنچ سکتے ہو۔!“ علامہ نے پوچھا۔

”زیادہ سے زیادہ پندرہ منٹ میں۔“

”بس تو پھر آ جاؤ۔“

”بہت بہتر جناب۔!“

علامہ نے ریسیور کریٹل پر رکھ کر طویل سائن لی تھی اور ایک آرام کری پر ٹائم دراز ہو کر

پیٹر کا انتظار کرنے لگا تھا۔

پیٹر ٹھیک تیرہ منٹ بعد کمرے میں داخل ہوا۔

”تم بہت شامدار جاہے ہو پیٹر۔“ علامہ سید حامیث تھا ہوا بولا۔

”شکریہ جناب۔!“

”تم نے اس کی نکیاں کہاں اور کیسے تبدیل کی تھیں....؟“

”مجھے اس کی ایک کمزوری کا علم تھا۔ اسی سے فائدہ اٹھایا۔ چائے پینے کے دس منٹ بعد باخوم ضرور جاتی ہے.... اس دن ریائٹر کے قریب ملی تھی میں اسے چائے پلانے کے لئے اندر لے گیا۔ ایک سیمنٹ مختب کر کے اس میں جائیٹے۔ چائے منگوائی اس کا علم تو پہلے ہی سے تھا کہ وہ بیک میں اصحاب کو سکون دینے والی نکیاں ضرور کھتی ہے۔ میں نے ویسی ہی زہریلی نکیاں اسی وقت سے اپنے پاس رکھنی شروع کر دی تھیں۔ جب سے اس کا فیصلہ کیا تھا۔ جہاں بھی موقع ملتا مجھے یہی کرنا تھا۔ بہر حال چائے پی کر دس منٹ بعد اس نے باخوم کا راستہ لیا تھا۔ بیک سیمنٹ میں چھوڑ گئی تھی۔ لہذا وہ کام بے حد آسان ہو گیا۔“

”کسی شناسانے تمہیں اس کے ساتھ تو نہیں دیکھا تھا!“

”میری دانست میں تو نہیں!“

علامہ نے اسے شیلا سے گنگوکے متعلق بتاتے ہوئے کہا۔ ”اس نے ایک بیک درڈ گھرانے کی لڑکی کی سفارش کر کے غلطی کی تھی۔!“

”یا سیمنٹ بے حد آزاد خیال تھی۔!“

”اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ بات اس کی ہے کہ وہ کسی اور بہانے سے اسے کیمپنگ کے لئے ابازت دلوالائی تھی۔ ابھی پولیس کے علم میں نہیں آئی یہ بات۔!“

”تو پھر شیلا بھی....!“

”جلد بازی کی ضرورت نہیں۔ بہر حال سوچا پڑے گا۔ ویسے تم مختار رہو۔“

”میں خائف تو نہیں ہوں جتاب! مجھے ذرہ برابر بھی فکر نہیں ہے.... یا سیمنٹ کی موت کی خبر سننے کے بعد گھری نیند سویا تھا۔!“

”تم بہت اونچے جاؤ گے اسے لکھ لو۔“

”شکریہ جتاب!“

”شیلا کے بارے میں کوئی فیصلہ کرنے کے بعد تمہیں مطلع کر دوں گا۔!“

”بہت بہتر!“

فون کی گھنٹی بجی تھی اور کیپٹن فیاض نے رسیور اٹھایا تھا۔ لیکن دوسری طرف سے بولنے والے کی آواز پہچان کر بھنویں سکوٹی تھیں۔

”کیا بات ہے!“ اس نے برا سامنہ بنا کر کہا۔ ”اس وقت میں بہت مصروف ہوں۔“

”میا آلو چھیل رہے ہو جسے بٹاٹا بھی کہتے ہیں....!“ دوسری طرف سے عمران کی آواز آئی۔

”بکواس کی ضرورت نہیں جلدی سے اصل موضوع کی طرف آجائے!“ فیاض نے غصیلے لمحے میں کہا۔

”تم بیگم تصدق کے پیچھے کیوں پڑ گئے ہو۔!“

”تم سے مطلب۔!“

”بیگم تصدق ان کے سمدھیانے سے تعلق رکھتی ہیں۔!“

”میں نہیں سمجھا۔“

”شیاکی چیزیں اس کے بھائی کی بہو کی خالہ ہیں بیگم تصدق....!“

”فضول باتیں نہ کرو۔“

”اگر ڈاکٹر لق لقا قبلہ والد صاحب کے پاس پہنچ گئیں تو تمہاری والی ڈاکٹر صاحبہ خطرے میں پڑ جائیں گی۔ لہذا اصل مجرم کو گھر کے باہر تلاش کر دو تو بہتر ہو گا۔!“

”کیا تم کسی نتیجے پر پہنچ گئے ہو....!“ فیاض نے نرم پڑتے ہوئے پوچھا

”مجھے اتنی فرصت کہاں۔“ دوسری طرف سے آواز آئی۔ ”بیگم تصدق دل کی مریضہ بھی ہیں۔ لہذا اب تم ادھر کارخ بھی نہ کرنا۔ میں نہیں چاہتا کہ تمہاری محوجہ صاحبہ والد صاحب قبلہ کی بھی نظر میں آ جائیں۔“

”کیوں فضول باتیں کر رہے ہو۔ کہاں ہو اس وقت۔!“

”جہنم میں بیٹھا سیماں کی شادی پر پچھتار ہا ہوں۔“

”کہیں جانا ملت.... میں آ رہا ہوں۔!“

"اب تم بھی آجائے گے....؟" مری مری سی آواز آئی۔

فیاض نے کچھ کہے بغیر رسیور کریڈل پر رکھ دیا.... اور جب سے سگریٹ کا پیکٹ نکال کر ہاتھ ہی میں لئے بیٹھا رہا۔

کسی گھری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا.... پھر ایک سگریٹ سلاکا کر اٹھ گیا۔ چہرے پر پائے جانے والے آثار بتارہے تھے کہ شر مندگی اور جھنجڑاہٹ کا بیک وقت عکار ہوا ہے۔

آدھے گھنٹے بعد عمران کے فلیٹ میں داخل ہوا تھا۔ جوزف سے مدد بھیڑ ہوئی۔

"سلیمان ڈاکٹر کو بلانے گیا ہے! اس نے اطلاع دی۔

"کیوں بکواس کرتے ہو!؟"

"یقین کرو کیپٹن... ان پر غشی کے دورے پڑنے لگے ہیں۔ میں نے بہت معن کیا تھا، طرح سمجھا تھا لیکن انہوں نے مجھے حق سمجھا۔"

"قصہ کیا ہے!؟"

"مگر یلو ماحول سے بچنے کے لئے باپ کا گھر چھوڑا تھا اور سلیمان کی شادی کراکے پھر وہی ماحول پیدا کر لیا!"

"لیکن غشی کے دورے... وہ ہے کہاں؟"

"آئیے میرے ساتھ! وہ بیڈروم کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

"کون آیا ہے رے کالئے....؟" کپن کی جانب سے نسوںی آواز آئی۔

"دیکھا تم نے کیپٹن....؟" جوزف بھٹا کر بولا۔

"کیا دیکھا؟"

"آخر سے پوچھنے کی کیا ضرورت ہے کہ کون ہے!؟"

"چلو... چلو! فیاض پیزاری سے بولا۔

وہ اسے بیڈروم میں لا یا تھا! سامنے ہی بستر پر عمران چلتا انظر آیا۔ آنکھیں بند تھیں۔

"اب تم جاؤ۔" فیاض نے مڑ کر جوزف سے کہا!

جوزف اچکپاہٹ کے ساتھ واپس ہوا تھا فیاض چند لمحے کھڑا عمران کو دیکھتا رہا۔ پھر آگے بڑھا ہی تھا کہ عمران نے مسکرا کر آنکھیں کھول دیں۔ نہ صرف کھول دیں بلکہ باسیں دبائی بھی تھیں اور

اٹھ بیٹھا تھا۔

"کسی دن اسی طرح پاگل ہو جاؤ گے اور لوگ عادت ہی سمجھ کر نظر انداز کر دیں گے۔"

فیاض بھٹا کر بولا

"میرے پیارے دوست! عمران نے مغموم لمحے میں کہا۔ "مجھے یہاں سے نکال لے چلو خدارا....!؟"

"تم تو بے ہوش تھے!؟"

"اسی طرح ڈون دے دے کر زندگی بسر کر رہا ہوں۔ لیکن وہ اول درجے کا بدمعاش ہے ڈاکٹر کو بلانے کے حیلے سے خود نکل بھاگا۔ گاڑی بھی لے گیا ہو گا.... شادی کے پندرہ دن بعد ہی سے اختلاج قلب کی شکایت کرنے لگا تھا!؟"

"زندگی بھرا سی طرح مٹی پلیدر ہے گی تمہاری!؟" فیاض نے کہا۔

"اور تو اور سر دود کہتا ہے کہ شادی اسلئے کی تھی کہ وہ کھانا پاکے گی اور میں آزاد ہو جاؤں گا!؟"

"تواب تم بھی شادی کر کے آزاد ہو جاؤ!؟"

"مجھے خوفزدہ کرنے کی کوشش مت کرو سوپر فیاض!؟"

فیاض کری کھنچ کر بیٹھتا ہوا بولا۔ "فون پر کیا بکواس کر رہے تھے!؟"

"اب وہ بے چاری ایسی بھی نہیں ہے کہ تم اسے بکواس کو!؟"

"میں بیگم تھدق کی بات کر رہا تھا!؟"

"میں سمجھا شاید ڈاکٹر زہر جیسیں!؟"

"تم نے قبلہ والد صاحب کا حوالہ کیوں دیا تھا!؟"

"یہ غلط نہیں ہے کہ وہ ڈاکٹر شاہد کی رشتہ دار ہیں....! اگر ڈاکٹرمہ لقا نے والد صاحب کے

گوش گذار کر دیا تو تم زحمت میں پڑو گے!؟"

"میں صرف پوچھ چکھ کر تارہ ہوں!؟"

"دن میں کئی بار!؟"

"اتفاق ہے....!؟"

"خیر.... تو کیا معلوم کیا تم نے....!؟"

”پچھے بھی نہیں۔ جب تک یہ نہ معلوم ہو جائے کہ آخری نکایا استعمال کرنے سے قبل وہ کہاں تھی۔ اسی نظریے پر قائم رہنا پڑے گا کہ نکایا گھر ہی میں کسی نے تبدیل کی تھیں۔!“

”دودن بعد!“ عمران اسے گھر تا ہوا بولا۔ ”گھر کا کوئی فرد اتنا حق نہیں ہو سکتا وہ اسی دن نکیوں کو بدلنے کی کوشش کرتا جس دن شیشی خریدی گئی تھی۔ اسی طرح وہ شے سے بالاتر ہو سکلتے!“

”ہاں..... یہ بھی سوچنے کی بات ہے۔“

”لہذا اسی پر زور دیتے رہو کہ وہ نکایا استعمال کرنے سے قبل کہاں تھی۔!“

”پچھے بھی میں نہیں آتا..... محض ڈاکٹر جین کی وجہ سے مجھے توجہ دینی پڑی۔!“

”ٹھیک ہے۔! میں بھی ہر عمر میں عشق کرنے کا قابل ہوں.....!“

”عشق....“ فیاض دانت پیس کر بولا۔

”فریڈ شپ میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ ایسی صورت میں جبکہ جھوٹی عمر والوں کو ہٹنے کا موقع مل رہا ہو۔!“

”وہ میری بیوی کی معانج ہے....!“

”اس طرح بیوی بھی خوش.... واپسیاں صاحب! اگر کبھی شادی کی توفیق عطا ہوئی تو بیوی کو دائم المرض بناؤ کر رکھ دوں گا.... اور روزانہ نی لیڈی ڈاکٹر۔!“

”بکواس سننے نہیں آیا۔!“

”میں وعدہ کرتا ہوں کہ ڈاکٹر جین کو اس بکھیرے سے صاف نکال لے جاؤں گا.... مگر جاؤں گا کہاں۔ سیدھا تمہارے گھر....!“

”تمہاری باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ تم نے کوئی خاص بات معلوم کی ہے....!“

”ابھی تک تو نہیں لیکن جلد ہی امید ہے۔“

”ٹھیک اسی وقت کسی نے دروازے پر ہولے سے دستک دی تھی۔

”کون ہے؟“ عمران نے اوپنجی آواز میں پوچھا۔

”صاحب کیا چاۓ بنائی پڑے گی....“ مگر خ کی آواز آئی۔

”اور سننے....!“ عمران فیاض کی طرف دیکھ کر بولا۔ ”بنائی پڑے گی.... یہ تو اس مردود سے بھی دو جو تے آگے جا رہی ہے۔!“

”میں چاۓ نہیں پیوں گا۔!“ فیاض نے نہ اسامنہ بنا کر کہا۔

”نہیں بنائی پڑے گی۔!“ عمران اوپنجی آواز میں بولا۔ ”آرام فرمائے۔!“

”میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر تم کس مٹی سے بنے ہوئے ہو۔“ فیاض بولا۔

”ملائی مٹی سے.... کافی چکنی ہوتی ہے۔“ عمران نے سر ہلا کر کہا۔ چند لمحے پچھے سوچتا ہا پھر بولا۔ ”یا سکین کے دوستوں کو بھی تم نے مٹوالا ہو گا۔“

”صرف ایک.... خیال دھنی رام.... اس کے علاوہ کوئی اور ایسا نہیں مل سکا جس سے اس کے بارے میں کچھ معلوم ہو سکتا.... لیکن وقوعِ واقعہ دن وہ خیال سے بھی نہیں ملی تھی۔!“

”اور کیا جانتے ہو خیال دھنی رام کے بارے میں۔!“

”اس کے بارے میں کچھ جانتے کی ضرورت؟“ فیاض نے سوال کیا۔

”وہنی رام کے گھرے دوستوں میں سے یہی مسٹر تصدق۔!“

”ہو گئے۔!“ فیاض نے لاپرواہی سے کہا۔

”اچھا.... اچھا....!“ عمران نے اس طرح کہا۔ جیسے فیاض کا جواب بالکل درست ہو۔ فیاض خاموش بیٹھا رہا۔ تھوڑی دیر بعد عمران نے کہا۔ ”اب تم سوچ رہے ہو گے کہ یہاں کیوں آئے تھے۔!“

”تم ٹھیک سمجھے؟“ فیاض اٹھتا ہوا بولا۔ ”یہ بات توفیق ہی پر طے ہو سکتی تھی کہ اب میں بیگم تصدق وغیرہ سے مزید پوچھ گچھنا کروں۔!“

”عقل مند ہو لیکن کسی قدر لیٹ ہو جاتے ہو۔!“

”میں جانتا ہوں کہ تم نے مجھے کسی معاملے میں اندر ہیرے میں رکھنے کی کوشش کی ہے۔ خیر دیکھا جائے گا۔!“

”سنپورا۔۔۔ تھیں اس کے علاوہ اور کسی بات سے سروکار نہ ہونا چاہئے کہ ڈاکٹر جین شے سے بالاتر ہو جائیں۔ اس کی ذمہ داری میں پہلے ہی لے چکا ہوں۔“

”گویا تم صاف الفاظ میں کہہ رہے ہو کہ میں دخل اندازی نہ کروں۔“

”اگر ڈاکٹر جین کی خیر و عافیت خداوند کریم سے نیک مطلوب ہوگی۔ تو تم وہی کرو گے جو میں کہوں گا۔!“

”کیوں؟“  
 ”لڑتے بھگرتے ہیں اور پھر ہٹنے بولنے لگتے ہیں....!“  
 ”تیری دانت میں کیا ہوتا چاہئے....!“  
 ”قتل اور صرف قتل جس طرح دونوں ایک دوسرے پر دانت پیتے ہیں۔ وہ قتل ہی کا مقاضی ہے!“  
 ”یہ تھہ پر خون کیوں سوار ہے....!“  
 ”یہ بھگر کی توہین ہے باس کہ وہ پھر آپس میں ہٹنے بولنے لگیں!“  
 ”بھگر اسکی بات پر ہوتا ہے!“  
 ”یہ آج تک میری بحث میں نہیں آسکا۔ اب ہستے بولنے ایک دم سے ایک دوسرے پر چڑھ دوڑتے ہیں!“  
 ”کیا دونوں کے دماغ چل گئے ہیں!“  
 ”خدا ہی بہتر جانے مجھے تواب کہیں اور بھیج دو باس!“  
 ”جنت الفردوس کے بارے میں کیا خیال ہے!“  
 ”ایسی زندگی سے توموت بہتر ہے!“  
 ”اوہ بد بخت شادی شدہ لوگوں کے سے انداز میں کیوں لفٹگو کر رہا ہے۔“  
 ”سبخیدگی سے سوچو باس! کہیں جس میرا دماغ الٹ نہ جائے!“ عمران اسے ترمیم آمیز نظر و دیکھتا ہے۔  
 ”تحوڑی دیر بعد جوزف نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ”ہو گئی ہو گئی شادی لیکن میں ان کے اولاد تو ہرگز نہ ہونے دوں گا!“  
 ”عمران اچھل پڑا۔ ”تو یعنی کہ تو.... اولاد نہ ہونے دے گا۔“  
 ”ہاں.... یہ میرا فیصلہ ہے باس....!“  
 ”کیا تیری سفارش پر ہونے والی تھی اولاد!“  
 ”تم نہیں جانتے۔ کلا جادو!“  
 ”واقعی پاگل ہو گیا ہے!“

”ٹھیک ہے.... خدا حافظ۔!“ کیپشن فیاض فلیٹ سے نکلا چلا آیا تھا۔

فیاض کے جانے کے بعد اس نے فون پر جولیانا فنٹر واٹر کے نمبر ڈائل کرنے تھے اور ایکس ٹو کی آواز میں بولا تھا۔ ”رپورٹ!“  
 ”ابھی تک کوئی اطلاع نہیں ملی جتاب....“ دوسری طرف سے آواز آئی۔ ”صدر شاہ دارا گیا ہے!“  
 ”شیلا سے متعلق یہاں کون معلومات فراہم کر رہا ہے....!“  
 ”کیپشن خادر جتاب....!“  
 ”کیا اس نے روپورٹ دی نہیں!“  
 ”اُبھی نہیں دی جتاب!“  
 ”ست رفقاری سے کام ہو رہا ہے۔!“ وہ ایکس ٹو کی آواز میں غریا۔  
 ”مجھے اعتراف ہے جتاب!“  
 ”جیسے ہی روپورٹ ملے مجھے مطلع کرنا!“  
 ”ایسا ہی ہو گا جتاب!“  
 عمران نے رسیور کریڈل پر رکھ کر جوزف کو آواز دی تھی۔  
 دوسرے ہی لمحے میں وہ دروازہ کھول کر بیڈروم میں داخل ہوا۔  
 ”سلیمان واپس آیا!“  
 ”من نہیں باس۔ لیکن تمہیں کیا معلوم... وہ تو تمہاری بے ہوشی کے دوران میں گیا تھا۔“  
 ”خواب دیکھا تھا میں نے۔!“ عمران دہزاد۔  
 ”میرا اس میں کیا قصور ہے باس....!“

”سارا قصور تیراہی تو ہے.... کیوں ان دونوں کو لڑنے بھگلنے دیتا ہے!“  
 ”میں کیا کر سکتا ہوں۔ ویسے میرا اب چلے تو دونوں کو قتل کر دوں....!“

”الوکی کھوپڑی مل گئی ہے۔ اور گیدڑ کی تھوڑتی کے لئے ہم شکار پر چلیں گے باس۔!“

”شاید اب تم لوگ مجھے زندہ نہیں رہنے دو گے۔!“

”تم خود سچو باس کیا یہ دونوں اس قابل ہیں کہ والدین کھلا میں۔“

”او عقل مند اس دنیا میں ننانوے فیصلہ افراد اس قابل نہیں ہیں کہ والدین کھلا میں پھر مجھی کھلاتے ہیں۔!“

”اسی لئے تو دنیا برا باد ہوئی جا رہی ہے ...!“

”ہو جانے دے ... تیرے باواؤ کیا جاتا ہے۔!“

”میں اپنا سر دیواروں سے ٹکرائے مر جاؤں گا۔!“

”بس اتنا ہی ہے تیرے بس میں۔ جب دل چاہے کر گز۔ مجھے کوئی اعتراض نہ ہو گا، دفعہ ہو جا۔!“ عمران ہاتھ بٹا کر بولا۔

جوزف کے جاتے ہی فون کی گھنٹی بی چھتی ہی تھی۔ عمران نے ہاتھ بڑھا کر رسیور اٹھا لیا۔

”ہیلو۔!“

”میں مدد لقا بول رہی ہوں ...!“

”اچھا چھا سماں لیکم۔!“

”آپ نے کیا کیا ...؟“

”سب ٹھیک ہے۔ اب ان لوگوں سے پوچھ چکھ نہیں ہو گی۔!“

”لیکن مجرم کا سراغ تو ملتا ہی چاہئے۔“

”دعا تو یہ کرایے۔ ہاتھ باندھے خدمت میں حاضر ہو جائے گا۔!“

”کیا مطلب!“

”ظاہر ہے کہ بیگم تصدق دل کی مریضہ ہیں .... ہو سکتا ہے کہ خود ان کے ہاتھ صاف ہوں لیکن انہی کا کوئی ہمدرد بھی ہو سکتا ہے۔!“

”میں نہیں سمجھی آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔!“

”اگر کوئی ہمدرد دونوں لاکیوں کو ختم کر کے تصدق صاحب کا وارث انہیں بنانا چاہتا ہو تو پھر ان کے بعد خود مالک بن بیٹھنے کے امکانات پر غور کر رہا ہو تو!“

”اتی بی بی چلاں گ کون لگانا پسند کرے گا ...!“

”سیداں میں سال کا فلکہ ڈپارٹ کر دینا انسانی فطرت کے خلاف ہے۔“

”بس تو پھر رخت سفر باندھے۔ بیگم تصدق کے آباد اجداد خراسان سے آئے تھے۔!“

”یہ لیڈی ڈاکٹر ہر جین کیسی عورت ہے؟“

”ویکھئے اس بیچاری کو پیشیئے نہیں۔ یا سکمین دو دن تک وہیں گلیاں استعمال کرتی رہی تھی۔!“

”میرا مطلب ہے کہ اس نے ابھی تک شادی کیوں نہیں کی۔!“

”میں بھلا اس کا کیا جواب دے سکتی ہوں .... ویسے آپ شادی کیوں نہیں کرتے۔“

”شادی کرنے سے مجھے زکام ہو جاتا ہے۔!“

”لکن کرچکے ہیں اب تک۔!“

”عمران خاموش رہا۔ ”ہیلو“ دوسری طرف سے آواز آئی۔

”یا سکمین ایک ایک ہفتے تک گھر سے غائب رہتی تھی۔!“ عمران نے کہا۔

”مجھے اس کا علم نہیں۔“

”مرنے سے چار دن قبل بھی وہ ایک ہفتے بعد گھر میں داخل ہوئی تھی۔“

”خدا جانے۔!“

”بات بیگم تصدق کی تھی۔!“

اکیس ٹوواں لے فون کار رسیور اٹھانے کے لئے ہاتھ بڑھایا تھا کہ اس سے مسلک ٹیپ ریکارڈر میں ہے ضرور کیا جائے گا۔“

”آپ ہمارے گر کب سے نہیں آئے۔!“

”عدیم الفر صتی کی وجہ سے اپنا ہی گھر چھوٹا ہوا ہے۔“ کہہ کر عمران نے رسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

اکیس ٹوواں لے فون کار رسیور اٹھانے کے لئے ہاتھ بڑھایا تھا کہ اس سے مسلک ٹیپ ریکارڈر کا سرخ بلب روشن ہو گیا۔ معینہ مدت میں رسیور نہ اٹھانے کی بنا پر کال ریکارڈ ہونے لگی تھی۔“

وہ چپ چاپ فون کے پاس سے ہٹ آیا۔ پیغام ریکارڈ ہو جانے کی علامت ظاہر ہوتے ہی اس نے ٹیپ ریکارڈر کا بٹن دبایا تھا۔ اسپول روائی کیا ہے لگا۔!

”تیول کر رہا ہے۔“ وہ برا سامنہ بنا کر بولی۔ ”کوئی بھی میں ہوتا تو اب تک چندی صاف ہو گئی ہوتی.... میری تو قدر یہی پھوٹ گئی ہے چوٹے سر کار!“

”مجھے نہیں معلوم تھا کہ شادی کے بعد تیول بھی شروع کر دے گا!“  
”آپ جیسے بادشاہ کا نوکر تھے!“

”ارے سور کی دال ہی لے آبادشاہ کے لئے....“

”مجھے بڑی شرمدگی ہے صاحب جی.... اسی نے کہا تھا کہ آپ دوپہر کا کھانا نہیں کھائیں گے!“

”اب میں کہہ رہا ہوں کہ کھاؤں گا!“

”صرف دال.... ایک چھاتی بھی تو نہیں چھوڑی!“ گلرن نے کہا۔

”صرف دال کھانے کی ترکیب یہ ہے کہ اگر تپلی نہ ہو تو اس میں ایک گلاس پانی بھی شامل کیا جائے.... اور چچے سے“ عمران نے داہنی ہٹھی پر چچے فرض کر کے منہ کے قرب لے جاتے ہوئے کہا۔

”بواہی دکھتا ہے آپ کے لئے صاحب جی.... تھیرے میں گرم گرم چپاتیاں ڈالتی ہوں اور آمیٹ بناۓ دیتی ہوں....!“

”لیکن انڈے دینے والی مرغی اس وقت کہاں مل سکے گی۔“ عمران نے مایوسی سے کہا۔

”انڈے تو ہیں!“ وہ چیک کر بولی۔

”جادلہ سے دیکھ کہیں اب تک ان میں سے بچے نہ نکل آئے ہوں....!“

”وہ کھی کرتی ہوئی بھاگ گئی اور عمران دونوں ہاتھوں سے سر تھامے ہوئے ایک طرف بیٹھ گیا۔



علامہ دہشت نے شیلا پر ایک اچھتی سی نظر ڈالی تھی۔ اور اسے بیٹھنے کا اشارہ کر کے سامنے بکھرے ہوئے کاغذات کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔  
وہ چپ چاپ بیٹھ گئی۔ تھوڑی دیر بعد وہ اس کی طرف دیکھے بغیر بولا۔ ”تم میرے مشن کے

تمہوڑی دیر بعد جو لیانا فلتر واٹر کی آواز آئی تھی۔ ”کیپشن خاور کی رپورٹ شیلا دھنی رام عمر چوہ میں سال فتحہ ایمیر میں سو شیلا دھنی کی طالبہ ہے! آزاد خیال اور سر کش ہے! خاندان کے کسی فرد کے قابو میں نہیں آئی۔ کئی کئی دن گھر سے غائب رہتی ہے۔ بہت جلد بے مکلف ہو جاتی ہے۔ زیادہ تر لڑکے دوست ہیں۔ سیر و شکار کی ریسا ہے۔ اکثر اس کے احباب جنگلوں میں کمپینگ کرتے رہتے ہیں۔ وہ بھی ان کے ساتھ ہوتی ہے۔ لیکن ان افراد کے ذمہ میں نہیں آتی۔ جو نیتیات کا شوق رکھتے ہیں۔ اسی کوئی شہادت نہیں مل سکی جس کی بنا پر جنپی بے راہ روی کی شکار بھی کہی جاسکے۔ ماخی قریب میں بھی وہ ایک بختی کی کمپینگ میں شریک رہی تھی۔ اس کمپینگ میں گیارہ افراد نے حصہ لیا تھا! اور ایڈ آں!“

عمران نے نیپ ریکارڈر کا سونگ آف کر دیا۔ اس کی آنکھیں گھری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھیں۔

”ماخی قریب میں کمپینگ...!“ وہ آہتہ سے بڑا لیا۔ ”گیارہ افراد“ اب وہ پھر جو لیانا فلتر واٹر کے نمبر ڈائیل کر رہا تھا۔ دوسری طرف سے فوراً ہی جواب ملا۔

”رپورٹ مل گئی ان گیارہ افراد کے نام اور پتے درکار ہیں جنہوں نے کمپ میں شرکت کی تھی۔ جتنی جلد بھی ممکن ہو۔“ عمران نے ماڈھ پیس میں کہا۔

”بہت بہتر جناب۔“

”وہیں آں!“ کہہ کر عمران نے ریسیور کریڈیل پر رکھ دیا۔

چند لمحے کھڑا کچھ سوچتا ہے۔ اور پھر شنک روم میں آکر گلرن کو آواز دی۔

”جی صاحب“

”دوپہر کا کھانا۔ دو نج رہے ہیں!“

”میں کبھی تھی شام کے آپ باہر جائیں گے۔ اب تو سور کی دال کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں ہے!“

”اس سے پبلے کیا تھا؟“

”کھیری گردے اور آسو کے کتاب....!“

”خدا غریق رحمت کرے تم دونوں کو.... وہ مردودا پیس آیا کہ نہیں!“

”واپس نہ آتا تو سور کی دال ہی کیسے بچت....!“

”کھاں ہے....!“

بارے میں کیا جانتی ہو۔!

”آپ دنیا کو غیر ذین افراد سے پاک کر دینا چاہتے ہیں۔!“ شیلانے جواب دیا۔

”محض خوشی ہے کہ مقصد تمہارے ذہن میں واضح ہے! بہر حال اس کے لئے پہلا قدم یہی ہونا چاہتے کہ ان غیر ذین لوگوں کا صفائی کر دیا جائے جو اپنی نااملی کے باوجود بھی ذین لوگوں کی سطح پر آنے کی کوشش کرتے ہیں۔“

”ہاں یہ بے حد ضروری ہے جناب۔!  
”اپنے باپ کے بارے میں تمہاری کیارائے ہے۔!  
”میری دانست میں تو وہ ذین آدمی ہیں۔  
”کس بناء پر کہہ رہی ہو....!  
”دولت مندی انہیں درٹے میں نہیں ملی تھی۔ اپنی زہانت کے بل بوتے پر وہ اتنے دولت مند ہو سکے ہیں۔!  
”لیکن کیا وہ اتنا پڑھا لکھا ہے کہ سیاست میں حصہ لے سکے۔!  
”نہیں جناب۔!  
”لیکن وہ سیاست میں حصہ لیتا ہے... الیکش لڑتا ہے اور سیٹ بھی حاصل کرتا ہے۔  
دولت کے بل بوتے پر....!  
”محض تسلیم ہے....!  
”سیاست کے لئے نااہل تسلیم کرتی ہوا سے....!  
”جی ہاں۔!  
”تب پھر کیا خیال ہے تمہارا۔!  
”میں نہیں سمجھی جناب۔!  
”کیا اسے زندہ رہنا چاہتے۔ ہر باروہ کسی ذین آدمی کے حق پر قابض ہو جاتا ہے....!  
”مم.... میں.... گک.... کیا عرض کروں....!  
”میرے مشن کی روشنی میں دیکھو۔!  
”دو.... دیکھ رہی ہوں۔!  
”

”اچھا تو پھر اسے سیاست میں حصہ لئنے سے باز رکھنے کی کوشش کرو۔!  
”کس طرح جناب۔!  
”جس طرح بھی ممکن ہو۔  
”بہت مشکل ہے....!  
”یعنی وہ کسی طرح بھی باز نہیں آسکتا۔!  
”سوال یہ نہیں پیدا ہوتا جناب....!  
”تم نے وفاداری کا عہد کیا تھا۔!  
”میں اس پر قائم ہوں جناب۔!  
”تب پھر اپنے باپ کو قتل کر دو۔!  
”جناب عالی۔! وہ یو کھلا کر کھڑی ہو گئی۔  
”بیٹھ جاؤ۔“

وہ غیر ادی طور پر بیٹھ گئی تھی۔ منہ پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں ایسا لگتا تھا جیسے سوپنے سمجھنے کی صلاحیت ہی ختم ہو گئی ہے۔

دفتراً علامہ دہشت نے تھقہہ لگایا۔

وہ حیرت سے اسے دیکھتی رہی۔ بلا آخر وہ بولتا۔ ”تم بھی کیڑوں مکوڑوں سے بالاتر نہیں ہو۔ الفاظ کی قدر و قیمت جانا سکھو! جو کچھ زبان سے کہتی ہو اس پر عمل نہیں کر سکتی۔ تمہارا باپ سیاست کے لئے غیر ذین ہے۔ اگر سیاست میں حصہ لینا تو کہ نہیں کرتا تو اسے مر جانا پڑتے۔“

”مم.... میں تسلیم کرتی ہوں....!  
”میری تسلیم سے باہر رہ کر صرف تسلیم کرتی ہو۔ امیری تسلیم میں رہ کر تمہیں اس کو کسی ذین آدمی کے لئے راستے ہٹانا پڑے گا۔“

”آپ یہ کام کسی اور کے پر د کر دیجئے۔ میں اپنے باپ کو اپنے ہی ہاتھوں سے کیے ختم کر سکتی ہوں۔! وہ پھنسی پھنسی سی آواز میں بولی۔!  
”تم کچھ بخوبی نظر آنے لگی ہو۔!  
وہ کچھ نہ بولی۔ علامہ کہتا رہا۔ ”حقیقتاً میں تمہارے باپ کی موت کا خوبیاں نہیں ہوں۔ تمہیں

”لیکن وہ پاگل کس طرح ہو گی جتاب!“

”آج شام کلب میں سب کچھ ہو جائے گا!“

”لیکن پولیس ٹھی معاشرے تو کر اسکے گی!“

”اسے جو چیز شراب میں دی جائے گی اس کا اثر ستم پر دریافت نہ کیا جائے گا۔ اسی بنا پر تو پولیس باور کرے گی کہ وہ بن رہی ہے۔“

”آپ ذہانت کا سرچشمہ ہیں جتاب!“

”پھر وہ زندگی بھر جاتی رہے گی۔ لیکن ہوش میں نہ ہو گی۔ اور یہ زہر تم ہی اس کی شراب میں ملاوے گے!“

علامہ نے میز کی دراز سے ایک چھوٹی سی شیشی نکالی تھی۔

”آج ہی یا کبھی نہیں!“ پیڑنے شیشی کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

”یقین کرو.... اس گروپ میں تمہارے علاوہ مجھے اور کوئی بھی ذہن نہیں معلوم ہوتا۔“  
علامہ اس کی ہتھیلی پر شیشی رکھتا ہوا بولا۔

پیڑ پلکیں جھپکائے بغیر اس کی طرف دیکھے جا رہا تھا!

”اس کا طریق استعمال بھی سن لو۔“ علامہ نے کہا اور میز کی دوسری دراز کھول کر ایک بڑی کی انگشتی نکالی....!“

”یہ انگشتی.... ذرا اپنی کرسی اور قریب لاؤ.... یہ دیکھو.... گینہ.... اس طرح اپنی جگہ سے ہٹا ہے۔ اس خالی جگہ میں وہ سیال بھرا جائیگا.... اس طرح مگینہ دوبارہ اپنی جگہ پر آئے گا۔

انگشتی پہن لی گئی.... انگشتی والا ہاتھ تم کسی بہانے سے اس طرح اس کے گلاس پر رکھو گے.... اور بیچ کی انگلی سے اس طرح اس جگہ دبا دا لو گے سارے سیال گلاس میں پک جائے گا....

اسے یا پاس بیٹھے ہوئے کسی فرد کو احساس نکلنے ہو سکے گا کہ کب کیا ہو گیا!“  
اس نے انگشتی بھی پیڑ کے حوالے کی تھی اور پیڑ نے ایک بار پھر اس کا طریق استعمال سمجھا تھا۔

”لیکن جتاب!“ اس نے کچھ دیر بعد کہا۔ ”یہ بات ڈھکی چھپی نہیں رہ سکتی کہ ہم نے کیمپینگ کی تھی اور اس میں کون کون شریک تھا۔“

صرف یہ احساس دلانا چاہتا تھا کہ تم ابھی بکھی ہو۔ میری تنظیم میں نہ کوئی کسی کا باپ ہے نہ بیٹا ہے اور نہ بھائی وہ صرف تنظیم کے لئے ہے۔ صرف تنظیم کا بیٹا ہے دوسرے غیر ذہین آدمیوں کو فدا کر دینے پر تمہیں کوئی اعتراض نہیں۔ بس تمہارا باپ ان کے زمرے میں نہ آتا ہو!“

”میں تنظیم کے لاٹنی نہیں ہوں!“ وہ آہتہ سے بولی۔

”لہذا جب چاہو ہمارا ساتھ چھوڑ سکتی ہو۔ نہ میں کسی کو بلا تا ہوں۔ اور نہ کسی کے ساتھ چھوڑنے کی پرواہ کرتا ہوں۔ اب تم جا سکتی ہو!“  
وہ بھی تھی اور تیزی سے باہر نکل گئی تھی۔ علامہ مسکرا تارہ تھا۔ اور پھر اوپری آواز میں بولا تھا! ”اب آجائو!“

بائیں جانب کا دروازہ کھلا اور پیڑ کمرے میں داخل ہوا۔ اس کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا!

”تم نے سنا!“ علامہ نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

پیڑ نے سر کو ابتدائی جنبش دی تھی!

”لیکن فی الحال اسے قتل نہیں کیا جاسکتا... پولیس شاہدار ایک جا پہنچی ہے۔ مجھے اطلاع میں

ہے کہ شیلا کے چھا سے کسی نے برادر است اس سلسلے میں نگتوں کی تھی!“

”کس سلسلے میں؟“

”شاید تم کفیوز ہو گئے ہو۔ بیٹھ جاؤ۔ کیا تمہیں یاد نہیں کہ شیلا یا سمن کو شاہدار اے جانے

کے بہانے کیمپینگ کے لئے لائی تھی۔“

”مجھے یاد ہے جتاب۔ شاید میں بچ مج کفیوز ہو گیا تھا!“

”میں یہ کہہ رہا تھا کہ اس کے چھانے لاعلی ظاہر کی ہوگی۔ کیونکہ وہ سرے سے وہاں گئی ہی نہیں تھی۔ لہذا اب شیلا سے دوبارہ نگتوں ہو گی۔“

”اور وہ بتا دے گی!“

”اس سے پہلے ہی تمہیں یہ کام کرنا ہو گا!“

”کیا کام!“

”شیلا کو پاگل ہو جانا چاہئے! اسی طرح پولیس ہم سے دور رہ سکتی ہے۔ وہ سمجھے گی کہ شیلا نے

جو اب ہی سے بچنے کے لئے پاگل پن کا ڈھونگ رچایا ہے!“

”میری کیمپنگ کبھی ڈھکی چھپی نہیں رہتی....!“ اب بیترے جانتے ہوں گے کہ اس میں کس کس نے شرکت کی تھی۔ دراصل میں کافی بھیڑوں کو اپنے آس پاس نہیں دیکھنا چاہتا یہ کسی طرح بھی برداشت نہیں کر سکتا کہ کوئی اپنے گھر والوں کو دھوکے میں رکھ کر میرے حلقے میں شامل ہو۔! علی الاعلان آسکتے ہو تو آؤ.... ورنہ کوئی ضرورت نہیں۔ تم شیلا کو کیا سمجھتے ہو صرف ایڈوچر کے لئے ہمارے قریب آئی تھی۔ یا سینم احس کتری کا شکار تھی۔ اسے اپنے لئے برا اعزاز سمجھتی تھی کہ شیلا جیسی دولت مند لڑکی اسے گھاس ڈالتی ہے۔“

”تو پھر شیلا کو....!“

”میں سمجھ گیا!“ علامہ ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”تم یہی کہنا چاہتے ہونا کہ پھر شیلا کو راستے سے ہنا دینے سے کیا فرق پڑے گا۔“

”جی ہاں!“

”اگر وہ پاگل ہو گئی اور میڈیکل شٹ نے یہ ثابت کر دیا وہ پاگل نہیں ہے تو یا سینم والا معاملہ صرف اسی کے گرد گھوم کر رہا جائے گا.... اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا کہ دونوں میری کیمپنگ میں شامل تھیں!“

”میں سمجھ گیا جناب!“



علامہ دہشت کی کوئی نہیں سے نکل کر شیلا اپنی اسپورٹ کار میں بیٹھی تھی اور اس کا تعین کے بغیر کہ کہاں جانا ہے چل پڑی تھی۔ عجیب طرح کاموڈہ۔ بڑی گھنٹن محسوس کر رہی تھی۔ سو شیلوں کی طالیہ ہونے کی بنا پر علامہ سے بالکل ہی قطع تعلق ممکن نہیں تھا۔ اب وہ اس کی نکل بھی نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ اسے یہ سال ضائع کر کے اپنا مضمون ہی بد دینا چاہئے۔ علامہ کے تصور سے بھی دہشت ہو رہی تھی۔

بے خیالی میں گاری شہر سے باہر نکل آئی۔ دفتارہ چونکہ پڑی پہلے اسے یہ خیال کیوں نہ آیا تھا۔ آخر علامہ اتنا دولت مند کہاں سے ہو گیا۔ کیمپ میں وہ اس کی کہانی بھی سن چکی تھی۔

شہر میں علامہ کی کئی کو ٹھیاں تھیں۔ روپیہ پانی کی طرح بہاتا تھا درجنوں نادار طلباء اس کی مدد سے تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ بے راہ روی کا شکار ہو کر مقر وض ہو جانوں لے طلباء کی آخری امید گاہ بھی وہی تھا۔ بڑی فرخ دلی سے ان کی امداد کرتا تھا۔ کہاں سے آتی اتنی دولت۔ کیا وہ اپنی ذہانت سے کام لے کر غیر قانونی ذرائع سے دولت کما رہا ہے۔ اگر ایسا ہے تو تجب کی بات نہیں۔ اور وہ جہنم میں جائے.... وہ تو اس نے اس کی شخصیت میں ایک خاص قسم کی کشش محسوس کی تھی۔ جو عام طور پر لوگوں میں نہیں پائی جاتی ورنہ اس کے قریب رہنے کی خواہش ہی نہیں پیدا ہوتی۔

وہ اپنے ذہن کو مٹو لے گی۔ اس موقع کا تجربہ کرنے لگی جس کی بنا پر وہ اس کے حلقے میں شامل ہوئی تھی۔ اوہ ہیر عمر کے کسی بھی فرد میں اس نے آج تک نوجوانوں کے لئے اتنی کشش نہیں پائی تھی۔ وہ کیسی کشش تھی ذہنوں میں کیسی توقعات کو جنم دیتی تھی....!

”اوہ لعنت ہے....! ختم بھی کر.... کیوں سوچ رہی ہے اس کے بارے میں... بلا! اور پھر اسے پولیس کا خیال آیا۔ آج ہی اس کے پچانے شاہدار اسے اسے فون کال کی تھی۔ اور اس معاملے کے بارے میں پوچھا تھا۔ جس کا اس کے فرشنتوں کو بھی علم نہیں تھا۔ اس نے اسے مطمئن کرنے کی کوشش کی تھی کہ کوئی خاص بات نہیں ہے۔ یہ محض اتفاق تھا کہ وہ متوفیہ کو اس کے بھانے پکنک پر لے گئی تھی۔ لہذا پولیس اس سلسلے میں بھی پوچھ کرے گی۔ اس کی موت کا تعلق خود اس سے قطعی نہیں ہے۔

اسپورٹس کار فرائی بھرتی رہی۔ دیرانے کا ساتا کسی قدر سکون بخش محسوس ہو رہا تھا۔ وہ سوچ رہی تھی۔ کیوں نہ شاہدار اسی کی طرف چل نکلے۔ یہاں کے ماحول سے دو چار دن کے لئے چھٹکارا پاہنی لینا چاہئے۔ اس کے ذہن پر یا سینم کی موت کا بھی اثر تھا۔ وہ اس کی بہت قریبی دوست تھی۔ ہربات پر اس سے متفق ہو جاتی تھی۔ کبھی کوئی کام اس کی مرضی کے خلاف نہیں کرتی تھی۔! دفعتاً اسے بریک لگانے پڑے۔ کیونکہ آگے کچھ دور ایک آدمی ہاتھ اٹھائے تھی سڑک پر کھڑا تھا اور باسیں جانب ایک گاڑی بھی کھڑی نظر آئی۔ شائد یہ گاڑی کچھ ہی دیر قل اس سے پاس سے نکلی تھی۔ اس نے اپنی کار روک دی....!

”مم.... محترمہ....!“ وہ قریب آکر ہکایا۔ خوش نکل تھا۔ لیکن احمد بھی معلوم ہوتا تھا۔

چہرے پر ایسے ہی تاثرات تھے۔

”کیا بات ہے؟“ شیلانے تیکھے انداز میں پوچھا۔

وہ کچھ اور زیادہ بول کھلا گیا۔ منہ سے الفاظ ہی نہیں نکل رہے تھے۔ لیکن ہکلائے جا رہا تھا اور پھر شیلانے پر حم آنے لگا۔

”تائیے کیا بات ہے....!“ اس نے نرم لبجھ میں پوچھا۔

اس ہکلائہ کے دوران میں اس کی آنکھوں سے آنسو بھی بہنے لگے تھے۔

”م..... میری گاڑی..... بند ہو گئی ہے۔!“ اس نے بدقت کہا۔ ”معاف چاہتا ہوں میں آپ کو مرد سمجھا تھا..... ورنہ کبھی اس طرح نہ روکتا..... معاف کرو سمجھنے۔!

”مرد سمجھ کر.....!“ شیلانہ پڑی۔

”ج..... جی ہاں....!“

”اور چونکہ مرد نہیں ہوں اس لئے آپ کو معاف کر دوں..... یعنی دوسرے الفاظ میں اپنا راستہ لوں۔!

”میں گزر گذا کر معافی مانگتا ہوں....!“

”میں ہرگز نہیں جاؤں گی۔ میں آپ کی مدد کر دوں گی۔“

”آپ..... آپ..... یعنی کہ آپ کیا مدد کر سکیں گی۔!“

”آپ گاڑی کے انجن کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔“

”ج..... جی نہیں....!“

”میں جانتی ہوں!“ اس نے کہا اور اپنی کار سڑک کے کنارے لگانے لگی۔

”نہیں آپ جائیے.... لوگ کیا سوچیں گے۔“

”کیا سوچیں گے۔!“

”م..... میرا..... مطلب یہ کہ کہیں کچھ غوغ..... غلط نہ سوچ لیں....!“

وہ حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔ ادھر چہرے پر چھائی ہوئی حالت کچھ اور گھری ہو گئی۔ شیلانے ساختہ نہیں پڑی۔ اپنی نویعت کا ایک ہی آدمی معلوم ہوتا تھا۔

وہ گاڑی سے اتر کر اس کی گاڑی کے قریب جا کھڑی ہوئی۔

”بونٹ انھا ہے۔!“ اس نے کہا۔

”ج..... جی..... بہت اچھا۔!“ اجنبی نے بول کھلانے ہوئے انداز میں تمیل کی تھی۔

وہ تھوڑی دیر تک انجن کے ادھر ادھر ہاتھ لگانے کے بعد بولی تھی۔ ”اب اسارت سمجھے۔“ لیکن پندرہ بیس منٹ گزر جانے کے بعد بھی گاڑی اسارت نہیں ہوئی تھی۔

اس دوران میں بھتیری گاڑیاں گزر گئی تھیں۔ لیکن شیلانے اسے کسی اور کو روکنے کا مشورہ نہیں دیا تھا۔ وہ اسی قسم کی لڑکی تھی۔ مردوں کے مقابلے میں شکست تسلیم کر لینا سیکھا ہی نہیں تھا۔ ”اور..... کسی کو..... روکوں.....!“ اجنبی نے کچھ دیر بعد پوچھا۔

”میری تو ہیں نہ سمجھے۔!“ وہ جھنجلا کر بولی۔ ”آپ نے مجھے روکا ہے..... اس لئے میں ہی آپ کے لئے کچھ کروں گی۔!“

”ج..... بہت اچھا۔!“ اجنبی نے سعادت مندانہ انداز میں کہا۔ جس میں بھی بھالہ شامل تھی۔

شیلانے کا یہ روایہ بہت بھایا تھا۔ پہلا مرد تھا جو اس سے کسی طرح کا اختلاف ہی نہیں کر رہا تھا۔ ”آپ کو کہاں جاتا ہے۔?“

”شش شاہدارا.....!“

”بن تو پھر ٹھیک ہے۔! میں بھی دیں جا رہی ہوں۔ آپ کو کھنچ لے چلوں گی۔!“

”ھک..... کھنچ.....!“

”ہاں..... ہاں..... آپ کی گاڑی اپنی گاڑی سے باندھتی ہوں.....!“

”رسہ کہاں سے آئے گا.....!“ اجنبی نے پوچھا۔

”پٹ سن کی کاشت کریں گے.....!“

”ج..... بہت اچھا۔“

اس بار شیلانے اسے شہبے سے دیکھا تھا۔ لیکن وہ سر جھکائے کھڑا رہا۔ چہرے پر بناوٹ کا شائبہ نک نہیں تھا۔

”تو شروع کریں پٹ سن کی کاشت۔!“

”ضرور..... ضرور..... م..... مگر پٹ سن کیا چیز ہے.....!“

”جوٹ.....!“

بیٹھیں اور میں آپ کی گاڑی چلاوں!“  
”جی نہیں..... آپ کو برا بری تسلیم کرنی پڑے گی!“  
”آپ کہتی ہیں تو تسلیم کئے لیتا ہوں!“ وہ مردہ سی آواز میں بولا۔  
”اس بات پر میں آپ کو اجازت دے دوں گی کہ آپ میری گاڑی ڈرائیور کریں۔“  
”شکریہ! مادام!“  
ڈیڑھ گھنے بعد دونوں شاہدار اپنی گئے تھے۔ اور شیلانے بیٹھ چکا کے گھر قیام کرنے کا ارادہ  
ترک کر دیا تھا۔ اسٹار ہوٹل ہی میں کمرہ حاصل کیا تھا اور کوشش کی تھی کہ دونوں کے کمرے برابر  
ہی ہوں۔!  
”کل صبح آپ کی گاڑی کسی مکینک کے حوالے کر دی جائے گی!“ شیلانے عمران سے کہا۔  
”میں نے فوجر سے بات کر لی ہے!“  
”آپ کتنی اچھی ہیں!“  
”خوشامد نہیں!“  
”دیکھئے.... اب آپ میری توہین کر رہی ہیں۔ میں آپ کا شکر گزار ہوں۔ خوشامد نہیں  
کر رہا۔“  
”کیا بُر امان گئے!“  
”مان جاتا۔.... مگر آپ واقعی بہت اچھی ہیں!“  
”آپ نے میرے بارے میں کوئی بُری رائے کیوں نہیں قائم کی!“  
”اس لئے کہ آپ بُری نہیں ہیں!“  
”فرض یکجھ۔ میں آپ کے ساتھ کوئی فراؤ کرنا چاہتی ہوں تو!“  
”آپ ضرور کریں گی۔ اور میں کسی طرح بھی بیٹھ نہیں سکوں گا!“  
”تو پھر۔!“  
”تو پھر کیا۔ جب تک آپ فراؤ نہ کریں۔ میرے لئے اچھی ہی رہیں گی!“  
”اور آپ میری طرف سے ہوشیدار ہیں گے!“  
”میں خواہ مخواہ اپنے ذہن کو تحکاتے رہنے کا قائل نہیں ہوں جب جو کچھ ہو گا دیکھا جائے گا۔

”تب تو بہت دن لگ جائیں گے!“ بُری سادگی سے کہا گیا۔  
”آپ کا نام کیا ہے جناب!“  
”عمران....!“  
”کیا کرتے ہیں؟“  
”کاشت.... مطلب یہ کہ اگر لیکچرل فارمز میں میرے...!“  
”اوہ آپ پٹ سن نہیں جانتے...!“  
”اُردو میں بہت سی چیزیں نہیں جانتا۔ کیا آپ بتائیں گی کہ ڈیوٹ کیا ہوتا ہے؟“  
”شیلانے ساختہ نہ پڑی تھی۔ لیکن اس کی احتمالہ سنجیدگی میں ذرہ برا بری بھی فرق نہیں آیا  
تھا۔ اس نے اس کی طرف دیکھا اور پھر خود بھی سنجیدہ ہو کر بولی۔ ”میرے لئے بھی یہ لفظ بالکل یا  
ہے۔ شاہدارا میں آپ کہاں جائیں گے!“  
”اسٹار ہوٹل میں ٹھہروں گا۔ بیچ خریدنے جا رہا ہوں۔“  
”ارے.... وہیں تو مجھے بھی ٹھہرنا ہے....!“ شیلانے کہا۔ نہ جانے کیوں اُس کا دل چاہ  
رہا تھا کہ اس شخص سے راہ در سم بڑھائے۔  
”یہ تو واقعی بہت اچھی بات ہے....!“ اُجھی نے خوش ہو کر کہا۔ ”تو پھر میں اپنی گاڑی  
بیٹھ چھوڑے دیتا ہوں۔!“  
”یہ کوئی امر نہیں ہے! کل تک آپ کو بہاں گاڑی کاٹھا نچہ بھی شاکدنہ ملے!“  
”میرے پاس رسہ ہے.... بہیش ساتھ رکھتی ہوں.... بات یہ ہے کہ ایک سیلانی قسم کی  
لڑکی ہوں کبھی کبھی مجھے بھی اپنی گاڑی کسی دوسرے کی گاڑی سے باندھنی پڑتی ہے۔!  
اس نے اپنی گاڑی کی ڈکی کھول کر رسے کا ایک لچھا نکالا تھا۔  
”یہ تو اچھا نہیں لگے گا کہ آپ مجھے مرد کی گاڑی کھینچیں!“  
”کیا مرد مرد لگا رکھی ہے۔ کیا میں آپ سے کمزور ہوں۔!“  
”جی ہاں۔!“  
”اچھی بات ہے تو کھڑے رہنے بیٹھ میں جا رہی ہوں....!“  
”ارے.... ارے.... مم میری بات تو سنئے.... میں کہہ رہا تھا کہ آپ میری گاڑی میں

”معاف کیجئے گا....!“

”آپ کچھ پینا چاہیں تو منگوں لیں!“

”جب آپ نہیں پیتے تو آپ کے سامنے نہیں پیوں گی!“

”آپ خواہ خواہ تکلف کر رہی ہیں۔ مجھے قطعی بُرانیں لے گا!“

”میں بور ہو کر شہر سے بھاگی تھی!“

”کیا میں آپ کو بور کر رہا ہوں!“

”ہر گز نہیں.... میرا یہ مطلب نہیں تھا۔ آپ تو بالکل ہی نئی تم کے آدمی ہیں۔ آپ کے ساتھ بور ہونے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا... دراصل میں بہت پریشان ہوں!“

”آپ محض اس لئے پریشان ہیں کہ خود کو عقل مند سمجھتی ہیں!“

”کیا مطلب! وہ چونک کراہ سے گھورنے لگی۔

”کیا میں آپ کے لئے مارٹینی منگواؤں....!“

”شکریہ! اشدت سے ضرورت محسوس کر رہی ہوں!“

” عمران نے فون پر روم سروس سے رابطہ قائم کر کے مارٹینی اور کافی طلب کی تھی!“

”آپ نے ابھی تک میرا نام بھی معلوم کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی!“ ”شیلانے کہا۔

”مجھے نام یاد نہیں رہتے۔ اسی لئے پوچھتا بھی نہیں ہوں!“

”میرا نام شیلانے ہے.... شیلانہ رام....!“

”شکریہ! فضل امام ہوتا بھی کوئی فرق نہ پڑتا!“

”میں نہیں سمجھی!“

”لیں آدمی کا پچھہ ہونا کافی ہے نام کچھ بھی ہو!“

”آپ مجھے بہت ذہین معلوم ہوتے ہیں!“

”سب سے بڑی حماقت وہی ہے جسے لوگ ذہانت کہتے ہیں!“

”یہ کیا بات ہوئی۔“

”ذہانت نے آدمی کو نظریات دیتے ہیں.... اور وہ نظریات کی پوٹ بن کر رہ گیا ہے.... آدمی نہیں رہا۔“

اور میں تو اس کا عادی ہوں۔ میرے ملازم ہی مجھے صبح سے شام تک یہ تو قوف بناتے رہتے ہیں!“ ”پھر میں کیا کروں!“

”عقلندوں کی زندگی جہنم بن جاتی ہے۔ جو کچھ بھی گزرے چپ چاپ جھیلنے رہا اور مگر رہو!“

”آپ تو ایک بالکل ہی نئی بات سنارہ ہے ہیں!“ ”شیلانے اسے گھورتے ہوئے جرأت سے کہا۔ وہ سوچنے لگی تھی کہ ذہین کہلانے کا اہل علمہ دہشت ہے یا یہ یہ تو قوف آدمی!“

”یہ نئی بات نہیں ہے محترمہ...!“

”میرے لئے تو بالکل ہی نئی بات ہے! کوئی بھی دیدہ و دانستہ بے وقوف نہ تاپنڈ نہیں کرتا!“

”جب سے آدمی کو اپنا اور اک ہوا ہے وہ اسی کش مکش میں بتلا ہے۔!“

”کس کش مکش میں?“

”اسے بے وقوف نہ بنا چاہئے یا نہیں! جو بے وقوف نہیں بنتا پنڈ کرتے وہ زندگی بھر جلتے رہتے ہیں!“

”آپ بھی بے وقوف نہیں معلوم ہوتے!“

”جنہیں نہیں معلوم ہوتا وہ مجھ سے دور بھاگتے ہیں۔ جنہیں معلوم ہوتا ہوں وہ مجھے مزید یہ تو قوف بنانے کی کوشش کرتے ہیں!“

”اور آپ بنتے ہیں!“

”بننا پڑتا ہے.... یہی ہے زندگی.... اور بڑی خوبصورت زندگی ہے اگر سب عقل من ہو جائیں تو زندگی ریگستان بن کر رہ جائے گی!“

”اوہ.... میں تو بھول ہی گئی تھی آپ کیا پیتے ہیں!“

”خشنڈا پانی!“

”میرا مطلب تھا مشروبات میں.... اس وقت کیا پیتیں گے!“

”جو کچھ میرا آجائے!“

”وہ ہیکلی منگاؤں آپ کے لئے!“

”محترمہ.... محترمہ.... مشروبات سے میری مراد ہمیشہ چائے کافی یا کوئلہ ڈرینک ہوتی ہے۔“

”میں شراب نہیں پیتا!“

”نظریات ہی کی بناء پر آپ خلداد ہنر ام ہیں۔ تکلیف فضل الام نہیں ہیں۔ نظریات ہی شیلا اور شکلیہ کے درمیان دیوار بن گئے ہیں اور دونوں ایک دوسری کو نفرت سے دیکھتی ہیں۔“

”آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟!“

”پچھے بھی نہیں..... خلامیں ہاتھ پاؤں مار رہا ہوں....!“  
کسی نے دروازے پر دستک دی تھی۔

”آجاؤ!“ عمران نے اوپھی آواز میں کہا اور دوسری طلب کی ہوئی اشیاء سمیت کمرے میں داخل ہوا۔

شراب نوشی کے دوران بھی شیلا سوچتی رہی تھی۔ عجیب آدمی ہے عجیب قسم کی باتیں کرتا ہے.... کیا وہ اس کے سامنے اپنے دل کا بو بھاکر ڈالے۔ وہ بری طرح گھٹ رہی تھی۔

”میں بہت پریشان ہوں!“ وہ بلا خربوی۔  
وہ اس کی طرف دیکھنے لگا۔

”کسی نے میری سیلی کو زہر دے دیا۔ وہ چپ چاپ مر گئی اور طریقہ بھی وہ اختیار کیا کہ اس نے خود اپنے ہی ہاتھوں سے زہر کھایا!“

”میں نہیں سمجھا!“

”وہ اعصابی سکون کے لئے مستقل طور پر ایک دو استعمال کرتی رہتی تھی کسی نے شیشی میں اصل نکیاں نکال کر زہر میں نکیاں رکھ دیں۔ جو بالکل اصل نکیوں کی شکل کی تھیں۔ اس طرح اس نے نادانگی میں زہر کھایا۔“

”ویری سیند۔“

”وہ میری بہت پیاری سیلی تھی!“

”واقعی آپ دکھی ہوں گی!“

”بہت زیادہ اس سے کچھ ہی دن پہلے مجھ سے ایک غلطی سرزد ہوئی تھی جس کی بناء پر پولیس نے مجھ سے کچھ زیادہ ہی پوچھ گچھ کر ڈالی۔“

”آپ سے کیا غلطی سرزد ہوئی؟“

”میں اسے کہیں اور لے جانے کے بہانے اسی جگہ لے گئی تھی جہاں جانے کی اجازت اس

کے گھروالے ہر گز نہ دیتے!“  
”اور یہ بات کھل گئی۔“  
”جی ہاں!“

”واقعی نبی بات ہے! پولیس تو یہی سمجھ لے گی کہ آپ ہی اصل مجرم تک پہنچے کا ذریعہ بن سکیں گی۔ لہذا اندر قی بات ہے کہ آپ ہی کو زیادہ سے زیادہ بور کیا جائے گا۔“

”میرا گھرانے بے حد آزاد خیال ہے.... اتنا کہ کسی کی فکر نہیں ہوتی۔ آپ یہی دیکھ لیجئے کہ میں شہدار آنے کے لئے گھر سے نہیں نکل تھی۔ میں چلی آئی۔ اگر ایک ہفتہ بھی یہیں مقیم رہوں تو میرے گھر والوں کو تشویش نہ ہوگی۔“

”آزاد گھر انوں کا سر تاج گھرانہ تھرا!“

”لیکن میری سیلی کے گھر والوں نے اسے محض اس لئے گھر سے ایک ہفتہ غائب رہنے کی اجازت دے دی تھی کہ وہ میرے ساتھ تھی اور میں نے اس کے گھر والوں سے کہہ دیا تھا کہ میں اسے اپنے چچا کے گھر لے جا رہی ہوں!“

”پولیس نے تفہیش کی ہو گئی تو بات غلط نکل ہو گی۔“

”جی ہاں!“

”واقعی آپ دشواری میں پڑ گئی ہیں۔ لیکن آپ اپنی سیلی کو کہاں لے گئی تھیں؟“  
”ہم گیارہ افراد نے کیمپنگ کی تھی۔ دراصل ہم دیکھنا چاہتے تھے کہ بے سرو سامانی کی حالت میں کس طرح زندہ رہا جاسکتا ہے!“

”کیا ان گیارہ افراد میں کوئی ایسا بھی ہو سکتا ہے جسے آپکی سیلی سے دشمنی رہی ہو۔!“  
”ظاہر تو ایسا کوئی بھی نہیں تھا۔ ہمارے ایک استاد بھی ساتھ تھے۔ شاہد آپ نے نام نہ نہ ہو۔ علامہ دہشت....!“

”وہ سو شیلو جی والے....!“

”جی ہاں وہی.... دراصل وہ ہماری ذہنی تربیت کی طرف زیادہ دھیان دیتے ہیں۔“

”میں نے نہا ہے کہ ان کے پیچھے عام طور پر بہت دہشت ناک ہوتے ہیں؟“

”جی ہاں.... لیکن ذہانت سے بھر پور.... میں آپ کو ان کے بارے میں بھی سب کچھ بتا

ذہن اس طرح الجھا ہوا تھا کہ غیر شوری طور پر شاہداری کی سڑک پر نکلی چلی آئی تھی۔“  
”مظلوم بچے کی کہانی وہ ایسے ہی شاگردوں کو سناتا ہو گا۔ جن پر اسے کلی طور پر اعتاد ہو۔“  
”باقاعدہ طور پر اعتاد ظاہر کر کے سناتا ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی کہتا جاتا ہے کہ اگر وہ اس کا  
ڈھنڈو را بھی پیٹ دے تو پولیس اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی کیونکہ اس نے یہ سارے جرام ذہانت  
سے کئے ہیں۔ کیڑوں مکروہوں کا ساندراختیار نہیں کیا تھا۔“

”اچھا تو محترمہ اب آپ کی بھی خیر نہیں۔!“  
”کیا مطلب....؟“

”اپنی سیلی ہی کی طرح آپ کا بھی پتہ نہیں چل سکے گا کہ کب مر گئیں۔“

”نہ.... نہیں.....!“ اس کا چہرہ فرق ہو گیا۔

”لیکن میں آپ کو بچاؤں گا۔!“  
”آپ؟“

”جی ہاں.... آپ غائب ہو گئیں! مطلب یہ کہ خود کو غائب سمجھتے۔ اونہہ کس طرح آپ  
کو سمجھاؤں۔! بس یہ سمجھتے کہ میں نے آپ کو غائب کر دیا۔“

”مم.... میں نہیں سمجھی۔!“

”آپ شہر والیں نہیں جائیں گی۔ کسی الگی جگہ بھی نہیں رہیں گی جہاں آپ تک علامہ کا  
ہاتھ پہنچ سکے۔!“

”اب تو مجھے خوف معلوم ہو رہا ہے....!“

”میں آپ کے لئے سب کچھ کر گزوں گا....!“

”آخر آپ کیوں کریں گے میرے لئے اتنا کچھ۔ آج ہی تو ہماری جان پیچان ہوئی ہے۔!“

”نہ تو میں ذہین ہوں اور نہ خود کو کیڑوں مکروہوں میں شمار کرتا ہوں.... بس یہ تو فہم ہوں  
اور حماقت کی تبلیغ کرنا میرا مشن ہے....!“

”آپ کیا کریں گے۔!“

”آپ دراصل میرے قیلے سے تعلق رکھتی ہیں۔!“

”میں بالکل نہیں سمجھ رہی....!“

”دینا چاہتی ہوں۔ میرے دل پر بڑا بوجھ ہے.... میں نہیں سمجھ سکتی کہ وہ کیا چاہتے ہیں۔?“  
”عمران ہمہ تن توجہ بن گیا۔! وہ اسے علامہ دہشت کے بارے میں بتاتی رہی۔ اس بچے کی  
کہانی بھی سنائی جس کے والدین زندہ جلا دیئے گئے تھے....!  
”بڑی دل چسپ کہانی ہے۔!“

”میں آپ کو یہ سب کچھ بھی نہ بتاتی.... لیکن میرے دماغ کی رگیں پھٹ جائیں گی۔  
سوچتے سوچتے۔ میں اپنے باپ کو قتل نہیں کر سکتی۔ خواہ وہ کیسا ہی ہو۔!“

”لیکن علامہ نے تو اتنا ہا آپ سے ایسی گفتگو کی تھی۔!“

”پھر نہیں کیوں.... مجھے اس میں سچائی نظر آئی تھی۔!“

”تو آپ نے اس کے خصوصی حلقو سے نکل جانے کا فیصلہ کر لیا ہے۔!“

”نکل چکی! اس نے خود ہی نکال دیا ہے....!“

”ذر اٹھبریے.... کیا آپ کی سیلی نے بھی کبھی اس سے کوئی اختلاف کیا تھا۔?  
شیلا چونک پڑی اور اس طرح آنکھیں پھاڑے اسے دیکھتی رہی جیسے اس کے سر پر اچانک  
سینگ نکل آئے ہوں۔“

”آپ نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔!“

”اس کی طرف تو میں نے دھیان ہی نہیں دیا تھا۔!“ وہ آہنسے سے بڑا بڑا۔

”غور کیجئے۔ شامد ایسی کوئی بات یاد آجائے۔!“

”مجھے یاد آ رہا ہے.... اسی کیمپنگ کے دوران میں یا کمین کی زبان سے مذہب کا نام نکل گیا  
تھا۔ اس پر وہ بھڑک اٹھا تھا۔ اور شامد یہ بھی کہا تھا کہ یا کمین ایسی کچھی ہے اور اس کے حلقو کے  
لئے موزوں نہیں.... وہ مذہب کوار تقاہ کی صرف ایک کڑی سمجھتا ہے۔ اور علیحدگی میں یا کمین  
سے اس سلسلے میں باتیں کی تھیں....!“

”کس قسم کی باتیں....؟“

”نہ اس نے مجھے بتایا تھا اور نہ میں نے پوچھا تھا۔!“

”آپ سے علامہ کی آخری بات چیت کب ہوئی تھی....؟“

”آج ہی اور میں اس کی کوئی سے نکل کر سیدھی اسی طرف چلی آئی تھی۔ دراصل میرا

"میا میری مدد کرنا یو تو فی نہیں تھی..! افراد سمجھے میں ہی فراہم ہوتا۔ آپ سوچ سکتی تھیں۔ لیکن کسی نہ کسی طرح مجھے یہاں تک کھینچی لا سکیں۔ کسی دوسرے سے مدد نہیں لینے دی!۔"  
"اچھا تو پھر۔"

"بس آپ خود بنوں میرے قبیلے میں شامل ہو گئیں۔ میرا مشن یہ ہے کہ ساری دنیا کو یو تو فر بنا کر رکھ دوں... اسی طرح تمہری جگہ کاظمہ میں سکتا ہے۔"

"علامہ کی باتیں سمجھیں آتی تھیں۔ آپ کی نہیں آرہیں!۔"

"اسی لئے میں کبھی یہ نہ چاہوں گا کہ آپ چپ چپاتے ختم ہو جائیں۔ اگر ایسا ہوا تو پھر میں اپنی باتیں کیسے سمجھاؤں گا!۔"

"آپ کیا کریں گے!۔"

"آپ کو غائب کر دوں گا اور یہ دیکھنے کی کوشش کروں گا کہ علامہ پر اسکا کیا رد عمل ہوتا ہے!۔"

"اگر پولیس کو میری تلاش ہوئی تو!۔"

"میں یہی چاہتا ہوں کہ پولیس کو آپ کی تلاش ہو! اسی صورت میں علامہ کا رد عمل بھی ظاہر ہو سکے گا!۔"

"لیکن اس سے میرے خاندان والوں پر کیا اثر پڑے گا۔"

"وہ تو جتنا پڑنا تھا پڑھی چکا ہو گا۔"

"میری سمجھیں نہیں آتا کیا کروں!۔"

"آپ اپنی سیکلی کی موت کی ذمہ دار نہیں ہیں آپ اسے بہت چاہتی تھیں۔ اس لئے آپ کا فرض ہے کہ اس کی موت کا معہدہ حل کرنے میں مدد دیں!۔"

"میں کیسے مدد دوں!۔"

"جس طرح میں کہہ رہا ہوں۔ فی الحال پہلا قدم یہی ہو گا کہ آپ روپوش ہو جائیں۔ لیکن ٹھہریے اس سے پہلے آپ اپنے باپ اور چچا کو فون پر مطلع کر دیں کہ پولیس کی پوچھ چکھ سے نگ آکر آپ کچھ دنوں کے لئے روپوشی اختیار کر رہی ہیں!۔"

"وہ مجھے ایسا نہیں کرنے دیں گے!۔"

"آپ صرف انہیں اطلاع دیں گی۔ یہ بتائے بغیر کہ کہاں سے بول رہی ہیں۔ اور ان کا

خورہ سننے سے قبل ہی سلسلہ منقطع کر دیں گی!۔"

"میں سوچ رہی ہوں!۔"

"اب کیا سوچ رہی ہیں!۔"

"راتے میں آپ بالکل یو تو فر تھے! لیکن اس وقت آپ کی عقل مندی کی انتہا نہیں!۔"

"ہر شخص یو تو فر بھی ہوتا ہے۔ اور عقل مند بھی۔ لیکن کوئی بھی اپنی بے وقوفیوں کا

اعتراف نہیں کرتا.... مثال کے طور پر اپنے ذہین ترین علامہ دہشت کی بے وقوفی بھی ملاحظہ

کر لو... شاگردوں پر اپنی ذہانت کا سکھ جانے کے لئے جہاں اس بچے کی پچھلی زندگی کی داستان

نانی تھی۔ وہیں اس کے مستقبل کا پروگرام بھی بتا دیا!۔"

"میں نہیں سمجھیں!۔"

"حوالی کے باقی بچے ہوئے افراد کے خاتمے کا پروگرام اور ساتھ ہی یہ رائے بھی ظاہر

فرمادی کہ اس کی موت کا الزام حزب اختلاف کے سر جائے گا.... نتیجہ کیا ہوا....؟ تم نے اس

کی پوری کہانی مجھے سنادی!۔"

"آپ کی توجہ دلانے پر محسوس ہو رہا ہے کہ اس سے حماقت ہی سرزد ہوئی تھی۔ آپ

پولیس کو اطلاع دے سکتے ہیں۔ اور پولیس بہر حال اس بچے کو کھو دنکالے گی!۔"

عمران کچھ نہ بولا۔

"جس کچھ بتائیے آپ کون ہیں۔ کیا آپ یا کہیں ہی کے سلسلے میں میرے پیچھے نہیں لگے تھے!۔"

مجھے اچھی طرح یاد پڑتا ہے کہ آپ کی گاڑی میرے قریب ہی سے نکل کر آگے گئی تھی!۔"

"اس طرح تو میں علامہ دہشت کا بھی کوئی گرگا ہو سکتا ہوں۔"

یک یہک خیال کے چہرے کا رنگ اڑ گیا....!

"ارے آپ تو خوف زدہ نظر آنے لگی ہیں!۔ وہ اس کے چہرے کی طرف انگلی اٹھا کر بولا۔!

"نن... نہیں تو....!۔"

"میں علامہ دہشت کا گرگا نہیں ہوں.... اگر ہوتا تو اس سنان سڑک ہی پر اپنا کام

کر جاتا۔ یہاں تک آنے کی ضرورت ہی نہیں تھی!۔"

"پھر آپ کون ہیں؟"

”یہ حقیقت ہے!“ پیر نے دوسروں کی طرف دیکھ کر کہا۔ ”اور شیلا کی تلاش اب ناگزیر ہو گئی۔ ہمیں اسے تلاش کرنا چاہئے۔“

”پولیس آفسر کی باتوں سے ظاہر ہوتا تھا جیسے میں ہی شیلا کی روپوشنی کا بھی ذمہ دار ہوں....!“ علامہ نے کہا۔

”تم پانچوں.... ان مقامات کی گرفتاری کرو!“ پیر بولا۔ ”جن کے بارے میں تمہیں بتاچکا ہوں.... اور میں سیٹھ و ہنی رام کو دیکھوں گا!“

”وہ شاہدار امیں بھی نہیں ہے۔!“ علامہ نے پر تشوش لجھے میں کہا۔

”آپ بے فکر ہیں جناب!“ پیر نے کہا۔

”میں تم لوگوں کی صلاحیتوں پر اعتماد کرتا ہوں....!“ علامہ بولا۔

”شکریہ جناب!“ وہ بیک وقت بولے تھے۔

”تم پانچوں ان جگہوں کی گرفتاری کرو جہاں اس کے ملنے کے امکانات ہو سکتے ہیں.... اور پیر تم یہاں پھر دے گے۔“

”بہت بہتر جناب!“ پیر نے کہا۔

”وہ پانچوں چلے گئے تھے۔ پیر بیٹھا رہا۔“

”اس نے کہیں سے فون پر اپنے باپ کو مطلع کیا تھا کہ وہ پولیس کی پوچھ گچھ سے بچنے کے لئے روپوشن ہو گئی ہے۔ اور پھر اپنے باپ کی کوئی بات نے بغیر سلسلہ منقطع کر دیا تھا۔ یہ بات مجھے کیپٹن فیاض نے بتائی ہے۔!“

”کیپٹن فیاض....!“

”ہاں حکمہ سراج رسانی کا سپرنندٹ! اس کی باتوں سے معلوم ہوتا تھا جیسے میں نے ہی شیلا کو روپوشن ہو جانے کا مشورہ دیا ہو۔!“

”یہ تو بہت براہوا....!“

”پرواہ مت کرو۔!“

”اگر وہ پولیس کے ہاتھ لگ گئی تو سب کچھ اگل دے گی.... اس بچے کی کہانی.... حوصلی کی داستان.... اور یہ بھی کہ آپ حوصلی کے آخری آدمی کی تاک میں ہیں۔ وہ اس کی موت کی ذمہ داری

”ایک یہود قوف آدمی جس پر ایک چھوٹا سا احسان کر کے ایک بہت بڑا کام لینے والی ہیں۔!“

”میرا کام آپ خود ہی کرنا چاہتے ہیں.... میں نے درخواست تو نہیں کی۔!“

”یہ تو فیکی علامت۔!“

”تو آپ مجھے کہاں لے جائیں گے۔“

”وابس شہر۔“

”وہاں میں کیسے چھپ سکوں گی۔!“

”نہایت آسانی سے بس کچھ دنوں کے لئے یہ بھلا دینا پڑے گا کہ آپ ایک بے حد سیلانی لڑکی ہیں۔!“



”اگر وہ روپوشن ہو گئی ہے۔“ علامہ نے پر تھکر لجھے میں کہا۔ ”تو اس کی دو وجہات ہو سکتی ہیں۔ یا تو اسے شہید ہو گیا ہے کہ یا سین کی موت میں میرا ہاتھ ہے.... یا پھر روپوشنی کی وجہ مخف خوف ہے۔ ذریتی ہے کہ تنظیم سے علیحدگی کی بنابرائے کوئی نقصان نہ پہنچ جائے۔“

کوئی کچھ نہ بولا۔ اس وقت پیر سمیت وہ چچ نوجوان یہاں موجود تھے جنہوں نے علامہ کی کیمپنگ میں حصہ لیا تھا۔ اور علامہ نے ذرا دیر پہلے انہیں بتایا تھا کہ ایک پولیس آفسر اس سے کیمپنگ کے متعلق تفصیلات معلوم کرنے کے لئے آیا تھا۔

”لیکن جناب اسے یا سین کی موت کے ملے میں آپ پر کیوں شہید ہونے لگا۔!“ ایک نوجوان نے سوال کیا۔!

”اس نے کہ یا سین کی موت میری ہی خواہش پر ہوئی تھی۔ میں تمہیں بتاچکا ہوں کہ“

”ایک بیک درڈ گھرانے سے تعلق رکھتی تھی۔ اس نے میرے حلقوے کے لئے موزوں نہیں تھی۔!“

”میرے معیار پر پورے اتر و... ہمیشہ خوش دخشم رہو گے۔ مجھ سے روگردانی کی سزا ہمیشہ موت ہوتی ہے۔ اور سنو میری اب تک کی زندگی میں یہ پہلا موقع ہے کہ کسی پولیس آفسر نے کسی سلسلے میں براہ راست مجھ سے پوچھ گچھ کی ہے۔ اور یہ شیلا کی حماقت کا تجھے ہے۔ اگر وہ کہیں اور بیجانے کے بہانے اسے میرے کیپ میں نہ لے آئی ہوتی تو پولیس اس طرف توجہ تک نہ دیتی۔!“

حزب اختلاف پر ڈالنا جا ہے ہیں۔!

”اور یہ بھی کہ خود اس سے فرمائش کی تھی کہ اپنے باپ کو محض اس لئے قتل کر دے کر وہ نااہل ہونے کے باوجود بھی سیاست میں حصہ لیتا ہے!“ علامہ کہہ کر ہنس پڑا۔

”جج.... جی ہاں....!“

”بجذوب کی بڑی صرف اسی کا بیان.... شہادت کے لئے تم آٹھوں کے نام لے گی۔ کیا تم لوگ اس کے بیان کی تصدیق کر دو گے؟“

”سوال ہی نہیں پیدا ہوتا..... ہم اس کا مصلحت اڑائیں گے۔“

”لہذا اس کی تو قبر ہی نہ کرو..... لیکن یہ بہت ضروری ہے کہ وہ پاگل ہو جائے! اس طرح یا کہیں کی کہانی اس کی ذات سے آگے نہ بڑھ سکے گی!“

”آخر جائے گی کہاں اور کتنے دن روپوش رہ سکے گی۔ ہم دیکھ لیں گے....!“

”ٹھہردا!“ علامہ کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”سب سے پہلے ہمیں یہ دیکھنا چاہئے کہ پولیس واقعی ہماری طرف متوجہ بھی ہے یا نہیں!“

”وہ کس طرح بکھیں گے جناب....!“

”ہمایت آسانی سے۔ ہم معلوم کریں گے کہ ہماری گمراہی تو نہیں کی جا رہی۔“

”میں سمجھ گیا!“ پیغمبر ہلا کر بولا۔ ”اگر ہمارا تعاقب کیا جائے تو سمجھ لینا چاہئے کہ پولیس سنجیدگی سے ہم سے متعلق کوئی نظریہ قائم کر پچھی ہے!“

”بائلک ٹھیک!“

”تو پھر جیسا فرمائیے!“

”تم اپنی گاڑی میں بیٹھو اور روانہ ہو جاؤ..... کوئی سنس روڈ پر پہنچ کر بائیں جانب مڑ جانا۔..... وہاں سے کنٹشن کی طرف کیفے فلاہو کے سامنے گاڑی پارک کرنا۔ اور اندر چل جانا..... پھر ٹھیک پندرہ منٹ بعد وہیں کے فون پر تحری ایسٹ نائیں سکس پر رنگ کر کے صرف لفظ انفار میش کہنا۔ تمہیں صورت حال سے آگاہ کر دیا جائے گا۔ اس کے بعد پھر یہیں میرے پاس واپس آ جانا۔!“

”بہت بہتر جناب!“ پیغمبر امتحنا ہوا بولا۔

اس نے علامہ کی ہدایات اچھی طرح ذہن نشین کر لی تھیں۔ تھوڑی دیر بعد اس نے کیفے

فلامبو کے سامنے گاڑی روکی تھی اور اتر کر اندر آیا تھا اخليے کا وقت اس نے نوٹ کیا تھا۔ کیونکہ پندرہ منٹ بعد فون پر بتائے ہوئے نمبر ڈائل کر کے معلومات حاصل کرنی تھیں۔ کافی کا آرڈر دے کر وہ گھری ہی پر نظر جائے رہا تھا۔۔۔ ٹھیک پندرہ منٹ بعد اٹھ کر کاڈنٹر پر آیا تھا۔ اور کاڈنٹر کلر سے فون کرنے کی اجازت لی تھی۔ نمبر ڈائل کے تھے!

”یلو.....!“ دوسرا طرف سے آواز آئی۔

”انفار میش!“ اس نے نماٹھ پیس میں کہا۔

”کوئی خاص بات نہیں ہے۔ اسپر ٹھیک ہے!“

اس کے بعد سلسہ مقطوع ہونے کی آواز آئی تھی۔ پیغمبر نے اپنی میز پر واپس آکر کافی ختم کی اور بل ادا کر کے باہر آگیا۔

اب اس کی گاڑی پھر علامہ کی کوئی تھی کی طرف جا رہی تھی۔۔۔ ذرا ہی دور گیا تھا کہ سڑک کے کنارے ایک سفید نام غیر ملکی عورت گاڑی رکوانے کے لئے ہاتھ انھائے کھڑی نظر آئی۔ وضع قطع سے پی معلوم ہوتی تھی۔!

”مجھے لفڑ دے دو!“ اس نے کہا۔ جیسے ہی گاڑی اس کے قریب رکی۔!

”کہاں جاتا ہے۔؟“

لیکن جواب دیئے بغیر اس نے اگلی نشست کا دروازہ کھولا تھا اور اس کے برابر ہی بیٹھ گئی تھی۔ بڑی دل کش عورت تھی۔ لیکن بیٹھ جانے کے بعد بھی اس نے نہ بتایا کہ اس کو کہاں جاتا ہے۔

”کہاں چلؤں؟“ پیغمبر نے سوال کیا۔

”جہاں دل چاہے۔!“

”اگر کچھ پیسوں کی ضرورت ہو تو ویسے ہی بتا دو!“ پیغمبر بولا۔ ”میں بہت مصروف آدمی ہوں۔!“

”مجھے تو تم آدمی ہی نہیں معلوم ہوتے۔!“ عورت تخت لجھ میں بولی۔ اور پیغمبر نے اندازہ لگایا کہ وہ کسی ایسے خطے سے تعلق نہیں رکھتی جہاں انگریزی بولی جاتی ہو۔!

”مرے سر پر سینگ تو نہیں ہیں۔!“

”سارے جانور سینگوں والے نہیں ہوتے۔!“

”تم کہتا کیا چاہتی ہو؟“ پیر جھنگلا کر بولا۔

”بیہی کہ میں تم سے بھیک نہیں مانگنا چاہتی۔“

ایک آدمی میرے پیچے لگا ہوا ہے اس سے پڑا چاہتی ہوں.... وہ خدالیا.... وہ آگیا!“

ایک دوکان سے ایک دلی آدمی نکل کر تیر کی طرح ان کی طرف آیا تھا۔

”یہ کون ہے؟“ وہ قریب پہنچ کر غریا۔ ”تم تو میرے ساتھ ہی جا رہی تھیں۔“

”میا مطلب!“ عورت اسے گھوتی ہوئی بولی۔ ”میں نہیں جانتی کہ تم کون ہو۔؟“

”چھا... ٹھہر دیتا ہوں کہ میں کون ہوں۔!“

اس نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا تھا کہ پیر کڑک کر بولا۔ ”خبردار اسے ہاتھ لگانے کے جرأت نہ کرنا!“

”اخاہ بڑے سورما لگتے ہو....!“

”شٹ اپ!“

”ابے اتر تو نیجے پھر بتاؤں شٹ اپ کہنے کا کیا انعام ہوتا ہے....!“

پیر آپ سے باہر ہو کر گاڑی سے اٹر آیا۔

”ہاں تو کہنا یہ تھا کہ شٹ اپ نہیں کہا کرتے....!“ انجینی نے احقةانہ انداز میں کہا۔

”تم مجھے اس کا انعام بتانا چاہتے تھے....!“ پیر آنکھیں نکال کر بولا۔

”شرمندگی... صرف شرمندگی.... ہر قسم کی اکڑ بالآخر شرمندگی میں تبدیل ہو جائے!“ انجینی کا الجب بے حد ڈھیلاؤ علاحدا۔

اچاک پیر کی گاڑی تیزی سے آگے بڑھ گئی۔ انجین اس نے بند نہیں کیا تھا! بوکھا کر پلانٹھ لیکن گاڑی اگلے موڑ پر پہنچ کر نظروں سے او جھل ہو چکی تھی۔

انجینی نے قہقہہ لگایا۔ اور بولا۔ ”دیکھا شٹ اپ کہنے کا انعام!“

”یہ سب کیا تھا!“ پیر جھینپے ہوئے لجھ میں بولا۔

”اول درجے کی فراز عورت ہے۔ آج میں اس سے اپنا پچھلا حساب بے باق کرنا چاہتا تھا۔“

تم پنج میں آکو دے۔!“ انجینی نے کہا۔

”اب کیا کریں۔؟“ پیر بڑالیا۔

”یہ مجھ سے پوچھ رہے ہو....!“ انجینی نے غصیلے لمحے میں کہا۔

”خیر کہاں جائیگی۔ میں روپورٹ کئے دیتا ہوں....!“

”جنہی دیر میں روپورٹ کرو گے شہر سے باہر جا چکی ہو گی! میں جانتا ہوں وہ کہاں رہتی ہے۔!“

”تو پھر میری مدد کرو۔ پولیس کے بکھریزے میں نہیں پڑنا چاہتا۔!“ پیر بولا۔

”پہلے تم اپنی شٹ اپ واپس لو۔!“ انجینی نے احقةانہ انداز میں کہا۔

”بس طرح کھو واپس لینے کو تیار ہوں....!“

”چلو کافی ہے!“ انجینی سر ہلا کر بولا۔ ”اس کا مطلب یہ ہوا کہ اب اکڑ باتی نہیں رہی۔!“

”اچھی بات ہے.... آؤ وہ رہی میری گاڑی....!“

دو گاڑیوں میں بیٹھے تھے اور اس طرف روانہ ہو گئے تھے جدھر وہ پیر کی گاڑی لے گئی تھی۔!

”تم سے کیا کہہ رہی تھی۔!“ انجینی نے پوچھا۔

”یہی کہ میں ایک آدمی سے پیچھا چھڑانا چاہتی ہوں.... پھر جیسے ہی تم دوکان سے برآمد ہوئے تھے اس نے تمہاری طرف اشارہ کیا تھا!“

”بہر حال تم نے دیکھ لیا ہو گا کہ وہ کیا چیز ہے۔!“

”تم جانتے ہو کہ وہ کہاں رہتی ہے۔!“

”ہاں میں جانتا ہوں۔!“

”تب پھر وہ شائد سید ہی گھر کی طرف نہ جائے۔!“

”لیں تو کوئی فائدہ نہیں اُتھ جاؤ گاڑی سے اور تھانے جا کر روپورٹ درج کراؤ۔...!“ انجینی نے بُر اسامنہ بنا کر کہا۔

”کیا تم ایسا نہیں کر سکتے کہ کسی میلی فون بو تھ کے قریب گاڑی روکو اور میں ایک کال کروں.... اس کے بعد اس کا گھر بھی دیکھ لیں گے۔!“

”چلو یہیں کرلو۔ مجھے تم پر رحم آرہا ہے! وہ روز ہی کسی نہ کسی طرح ایک آدمہ کو ٹھنگ لیتی ہے۔!“

”میں تمہاری اس امداد کو بھیشہ یاد رکھوں گا۔!“ پیر بولا۔

انجینی نے گاڑی دوسرا سڑک پر موڑ کر اسے ایک میلی فون بو تھ تک پہنچا دیا تھا۔

پیر دراصل علامہ کو مطلع کرنا چاہتا تھا کہ وہ ہدایت کے مطابق فوری طور پر اس کے پاس

”میرے ساتھ آؤ!“ رانا نے عمارت کی طرف اشارہ کر کے کہا۔  
 ”پہلے میں پوری بات سمجھ لوں۔ پھر کوئی قدم اٹھاؤں گا!“  
 ”کیا سمجھنا چاہتے ہو!“  
 ”میں تصور بھی نہیں کر سکتا کہ رانا جیسی شخصیت پری عورتوں کے پدر میں پڑے گی۔“  
 ”تو پھر!“  
 ”بھلا آپ کو مجھ سے کیا سرد کار ہو سکتا ہے!“  
 ”وہ مجھے دیکھ کر نہ سو ہو گئی تھی۔ اس سے تم کیا نتیجہ اخذ کرو گے!“  
 ”کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا!“  
 ”اندر چلو۔ میں سمجھادوں گا!“



شیلابے تھا شہر ہنس رہی اور عمران کے چہرے پر حماقتوں کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں تھا۔  
 ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اسے علم ہی نہ ہو کہ وہ کیوں ہنس رہی ہے!  
 ”میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ تم کیا کرتا چاہتے ہو!“  
 ” بتا چکا ہوں کہ ان چھ جوانوں کو بھی پکڑوالا یہے جو تمہاری کیمپنگ میں شامل تھے اور دونوں لڑکوں کی گفرانی کر رہا ہوں!“  
 ”آخر تم ہو کون!“  
 ”احق اعظم... اور عقل مندوں کا دشمن جانی....!“  
 ”انتہ شاندار محل میں رہتے ہو!“  
 ” محل میرا نہیں! میرے ایک دوست راتا ہبور علی صندوقی کا ہے....!“  
 ”میں نے یہ نام سنائے! لیکن آج تک نہیں سمجھ سکی کہ صندوقی سے کیا مراد ہے!“  
 ” صندوق سے برآمد ہوا تھا۔ صندوق سے پہلے کی تاریخ کا پتہ نہیں چلتا!“  
 ”میں نہیں سمجھی!“  
 ”اس کی محنت یہ ہے کہ اب تک صندوق سے چنان ہوا ہے....! ہاں تو میں نے ابھی تمہیں

واپس کیوں نہیں پہنچ سکتا! علامہ کے نمبر ڈائیل کر کے وہ اسے اپنی رواداد سنانے لگا تھا۔ دوسری طرف سے پوچھا گیا! ”تمہیں یقین ہے کہ وہ کوئی غیر ملکی عورت تھی!“ ”جی باں! اطالوی ہو سکتی ہے!“ ”اگر تمہیں یقین ہے تو دیکھ لو۔ لیکن نہ ہبھو۔ اس آدمی کے بارے میں کیا رائے ہے تمہاری جو مدود رہا ہے!“ ”ٹھیک ہی معلوم ہوتا ہے....!“ ”اچھی بات ہے کوشش کرو۔۔۔ ناکامی کے بعد رپورٹ درج کر دینا!“ ”لل... لیکن جناب! میں پولیس کے چکر میں نہیں پڑنا چاہتا!“ ”تو پھر گاڑی جائے گی ہاتھ سے!“ ”دیکھا جائے گا!“ کہہ کر وہ دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہونے کی آواز نہ کا منتظر رہا تھا۔ علامہ کے شاگردان خصوصی ایسے ہی تابع دار تھے۔ وہ ریسیور بک سے لگا کر باہر آیا۔ گاڑی اب کسی نامعلوم منزل کی طرف جا رہی تھی! پیٹر ٹھوڑی تھوڑی دیر بعد ٹکھیوں سے اجنبی کی طرف دیکھنے لگا تھا۔ اجنبی نے مکمل سکوت اختیار کر کھا تھا جیسے ہونٹ سی لئے ہوں۔ کچھ دیر بعد گاڑی کو ایک پر ٹھوڑہ عمارت کی کپاؤندھ میں داخل ہوتے دیکھ کر پیٹر چونکا تھا۔ ”ارے.... ارے.... یہ راتا ہبیس ہے!“ وہ بو کھلا کر بولا۔ ”میں راتا ہبور علی صندوقی ہوں....!“ اجنبی نے سخت لبجھ میں کہا۔ ”م..... مطلب یہ کہ....!“ گاڑی کپاؤندھ میں ایک جگہ رک چکی تھی۔ اجنبی نے پیٹر سے اتنے کو کہا۔ ”لیکن آپ تو مجھے اس عورت کے گھر لے جا رہے تھے!“ ”اے بھی بھیں پکڑوالمواویں گا۔ بے فکر ہو!“ پیٹر چپ چاپ گاڑی سے آت آیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کس چکر میں پھنس گا ہے۔ راتا ہبور علی کا نام اس نے سناتھا۔ لیکن کبھی دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔

پیغمبر خاموش رہا۔۔۔ شیلا جلدی جلدی پلکیں جھپکاتی ہوئی بوئی۔ ”اب بات سمجھ میں آئی۔۔۔ میں علامہ کی قید میں ہوں۔۔۔ کیونکہ میں نے اپنے باپ کو قتل کر دینے سے انکار کیا تھا!“ ”فضول باتیں نہ مت کرو۔۔۔ علامہ کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ لیکن تم ان لوگوں کے بھتے کیسے چڑھ گئیں!“

”علامہ سے آخری ملاقات کے بعد شاہدار اکی طرف جا رہی تھی کہ راستے میں میری گاڑی خراب ہو گئی۔ ایک غیر ملکی ہبی کی مدد سے شاہدار اپنی۔ چچا کے گھر جانے سے پہلے اسی ہبی کے ساتھ شراب پی تھی۔ اس کے بعد کچھ نہیں معلوم کہ کیا ہوا۔ نہیں جانتی کہ اب کہاں ہوں۔!“ ”تمہارا مطلب ہے ہبی کے ساتھ شراب پی کر تم بے ہوش ہو گئی تھیں۔!“

”اس کے علاوہ اور کیا سمجھوں۔!“

”آخر ایسا کیوں ہوا۔ وہ تم سے کیا چاہتا ہے۔!“

”کون کیا چاہتا ہے۔!“

”ہبی۔!“

”وہ تو پھر اس کے بعد سے دکھائی ہی نہیں دیا۔۔۔ یہاں مجھ سے کسی نے کچھ نہیں پوچھا۔ سب اس طرح ثڑیٹ کر رہے ہیں جیسے ان کی مہماں ہوں۔!“

”بڑی عجیب بات ہے۔۔۔ لیکن اس کرے میں کیسے پہنچیں۔!“

”مجھ پر صرف عمارت سے باہر نکلنے کی پابندی ہے۔ اندر جہاں چاہوں جا سکتی ہوں۔ لہذا گھومتی پھر رہی ہوں۔ دروازوں کے پینڈل گھماتی ہوں مغلل نہیں ہوتے تو کھل جاتے ہیں۔!“ ”کسی نے کچھ پوچھا ہی نہیں۔!“

”نہیں۔ اس نے تو الجھن بڑھ رہی ہے کہ آخر ہمارا معاملہ کیا ہے۔ اب تم بتاؤ کہ تم یہاں کیا کر رہے ہو۔!“

”یہ ایک ہبی عورت کی کہانی ہے۔۔۔“ پیغمبر نے کہا۔ اور اپنی داستان مختصر ادھراتا ہوا بولا۔ ”میں جانتا ہوں کہ اس عمارت کا مالک وہی ہے جو مجھے یہاں لایا ہے۔!“

”وہ کون ہے۔?“

”رالات تھور علی۔۔۔ یہ اُسی کا محل ہے۔!“

جو کچھ سمجھایا تھا یاد ہے یا نہیں۔!“

”یاد ہے۔!“

”وہ سب الگ کروں میں بند ہیں۔ تم ہر ایک کے پاس جاؤ گی۔!“

”وہ سب میرے دشمن ہو رہے ہوں گے۔!“

”لیکن تمہارا بال بھی یہاں نہیں کر سکیں گے۔ ان پر پوری طرح نظر کھی جائے گی۔!“

”کیا وہ تمہارے قیدی ہیں۔!“

”سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ سب بہت آرام سے ہیں۔ تم ان کے کروں میں جا کر دیکھو یہ لوگی۔ ان کی ضروریات کی ساری چیزیں مہیا کر دی گئی ہیں۔!“

”تو پھر بتاؤ مجھے کہاں جانا ہے۔!“

”سامنے والے کرے میں۔۔۔ اس میں پیغمبر نامی لڑکا ہے۔!“

”کیا کرہ مغلل ہے۔!“

”نہیں پینڈل گھماو اور اندر چلی جاؤ۔ لیکن اس عمارت سے کوئی بھی باہر نہیں نکل سکے گا۔!“

”میں بھی نہیں۔?“

”اگر موت کی خواہش ہو گی تو ضرور نکلنے کی کوشش کرو گی۔!“

”یعنی مجھے جرأت نہیں روکا گیا ہے۔!“

”ہرگز نہیں۔ جب چاہو جا سکتی ہو لیکن باہر موت تمہاری منتظر ہو گی۔!“

”میں کب جا رہی ہوں۔ میں نے تو صرف اپنی پوزیشن معلوم کی تھی۔۔۔ تو اب جاؤں اس کرے میں۔!“

”ہا۔۔۔ جاؤ۔۔۔ بس وہ سارے ڈائلگ یاد رکھنا۔!“ عمران نے کہا اور دوسرا طرف

مزگیا۔

شیلانے پینڈل گھما کر دروازہ کھولا اور ”ارے“ کہہ کر اچھل پڑی۔ پیغمبر بھی اٹھ گیا تھا۔“

”بے حد محیر نظر آنے لگا تھا۔“

”ست۔۔۔ تم۔۔۔!“

”اوہ تو تم بھی۔!“ شیلانے کہا۔!

”جی بہت اچھا...!“ عمران نے آہستہ آگے بڑھتے ہوئے کہا۔  
شیلانے گلاس کی طرف پھر ہاتھ بڑھایا تھا۔ لیکن اس سے قبل ہی عمران نے جھک کر گلاس  
اٹھایا۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے خود پیسے گا۔

”یہ کیا بد تیزی...!“ پیٹر آگے بڑھتا ہوا بولا۔

”اچھا تو پھر تم ہی پی لو۔ اشراب پیتی ہوئی عورتیں مجھے اچھی نہیں لگتیں۔!“ عمران نے کہا۔  
شیلانے گلاس بیٹھی رہی۔ بات اس کے پلے نہیں پڑی تھی۔ کیونکہ کئی بار عمران کے سامنے  
شراب پی چکی تھی۔ لیکن اس نے اس پر اعتراض نہیں کیا تھا۔

”تم ہو کون...؟“ پیٹر غصیلے لہجے میں بولا۔

”میں کوئی بھی ہوں... لیکن ان خاتون کو شراب ہرگز نہ پینے دوں گا...!“

”میں تمہیں پیٹ کر رکھ دوں گا۔!“ پیٹر آستین چڑھاتا ہوا بولا۔!

”اچھی بات ہے... میں نہیں پیتا۔... تم ہی پی لو...!“

”کیا مطلب۔!“ پیٹر دو قدم پیچھے ہٹ گیا۔

”میں نے کہا تمہیں یہ شراب پیٹے گی۔“ عمران گلاس کو دوبارہ میز پر رکھتا ہوا بولا۔ تیر  
اچھے نہیں تھے اور لہجنے بھی شائد پیٹر کی اناکو چھپتے دیا تھا۔

چھپت کر عمران کا گریبان پکڑنا چاہتا تھا لیکن اس کا ہاتھ جھکل دیا گیا۔ شیلانے گلاس  
اور ایک گوشے میں جا کھڑی ہوئی تھی۔!

پیٹر نے پیچھے ہٹ کر یک لخت عمران پر حملہ کر دیا۔

اوھ عمران نے بڑی پھرتی سے چپر اس ماری۔... پیٹر داہنے پہلو کے بل دھپ سے فرش پر  
گرا تھا۔... لیکن اس نے دوبارہ اٹھ بیٹھنے میں دیر نہیں لگائی تھی۔...

”ٹھہر جاؤ۔!“ عمران دونوں ہاتھ اٹھا کر بولا ”اس دھول دھپ سے کیا فائدہ۔... میں نے کہا  
تھا کہ یہ شراب تم پی لو۔ گالی تو نہیں دی تھی۔!“

”تم کون ہوتے ہو مجھے مشورہ دینے والے!“ پیٹر ہانپتا ہوا بولا۔ ”میں رانا صاحب کا مہمان  
ہوں۔!“

”رانا صاحب ہی کافرمان ہے کہ پیٹر صاحب اپنی اٹھ لی ہوئی شراب خود ہی پیسے گے۔!“

”مجھے علم نہیں کہ وہ کون ہے... ہو سکتا ہے یہاں دیکھا ہو۔! لیکن مجھ سے تو ابھی تک کسی  
نے کوئی بات نہیں کی۔ پہلے میں کبھی تھی کہ شاہد علامہ میر امتحان لینے والے ہیں۔!“

”علامہ کا نام بھی نہ آنے پائے زبان پر۔!“

”اب تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ بہت اچھا ہوا کہ تم اس طرح حل گے۔!“

”اوہ.... بیٹھو.... تم اب تک کھڑی ہوئی ہو.... میں تمہارے لئے ایک گپ بنا لوں۔  
شراب اور سگریٹ تک مہیا کی گئی ہے میرے لئے.... لیکن مقصد سمجھ میں نہیں آتا۔!“

”تم سے بھی کچھ نہیں پوچھا کسی نے۔!“

”نہیں.... لیکن میں ان کا قیدی ہوں....!“

”میں تو سمجھتی ہوں کہ ہم علامہ ہی کے کسی امتحان سے گزرنے والے ہیں۔!“

”اوہ نہ... دیکھا جائے گا۔!“ اس نے الماری کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ اور الماری کھولنے  
سے قبل ہی کوٹ کی اندر ورنی جیب سے علامہ کی دی ہوئی انگلشتری نکل آئی تھی۔... الماری کھولی  
اور انگلشتری کے اندر کا سارا سیال ایک گلاس میں منتقل کر دیا۔ اس کی پشت شیلا کی طرف تھی۔  
بوتل اٹھائی اور گلاس میں شراب اٹھایا ہوا شیلا کی طرف مڑ کر بولا۔

”اسے یاد رکھنا کہ ہمیں اپنی زبانیں بند رکھنی ہیں۔!“

”ظاہر ہے.... لیکن اگر تم نہ ملتے تو کیا ہوتا۔!“

”حمدہ جانے۔...!“ اس نے کہا اور گلاس شیلا کے سامنے چھوٹی میز پر رکھ دیا۔... شیلانے  
گلاس کی طرف ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ کمرے میں عجیب قسم کا شور گونجا اور دونوں ہی اچھل پڑے  
جھرت سے ایک دوسرا کی طرف دیکھتے رہے.... پھر شیلا بولی۔

”یہ کیسی آواز تھی اور کہاں سے آئی تھی۔!“

”پیٹا نہیں۔“

ٹھیک ای وقت دروازہ کھلا تھا۔ اور عمران کمرے میں داخل ہوا تھا۔

”یہاں دستک دے کر اندر آنے کا رواج نہیں ہے۔!“ پیٹر بھٹا کر بولا۔

”نہیں تو.... یہاں ایسا کوئی طریقہ رانج نہیں ہے۔!“ عمران نے بوکھلا کر کہا۔

”لیکن میرے کمرے میں دستک دیے بغیر اب کوئی داخل نہ ہو۔!“ پیٹر سخت لہجے میں بولا۔

”شش....شراب!“  
 ”بے ضرر....؟“ عمران نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔  
 پیٹر نشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر رہ گیا۔  
 ”اگر یہ بے ضرر ہے تو انھاؤ گلاس اور حلق میں اٹھیں لو....!“  
 ”زز....زہر....!“ شیلا کی گھٹنی گھٹنی سی آواز کمرے میں گوئی تھی۔  
 ”نہیں۔ ازہر نہیں ہو سکتا۔!“ عمران اس کی طرف دیکھے بغیر بولا۔ ”تم یہاں اس کے ساتھ  
 تھا تھیں۔ گلا گھوٹ کر بھی مار سکتا تھا۔!“  
 ”پھر کیا ہے؟“  
 ”یہی بتائے گا....آٹھ....!“  
 ”رُک جاؤ....ٹھہر وو....!“  
 ”نہیں زہر ہر گز نہیں ہو سکتا۔!“ عمران بولا۔ ”درستہ زہر اور روپو اور کی گولی میں سے کسی کا  
 انتقام ضرور کر لیا جاتا۔!“  
 ”میں بتاتا ہوں.... ٹھہر جاؤ.... زہر نہیں ہے اسے پی کر یہ ہمیشہ کے لئے پاگل  
 ہو جاتی۔!“  
 ”بیٹھ جاؤ....!“ عمران نے روپو اور کو جبکش دے کر کہا۔  
 پیٹر چپ چاپ پیچھے ہٹا اور سرگی پر بیٹھ گیا۔  
 ”تم ذمیل کتے.... کیوں میرا یہ حشر کرنا چاہتے تھے....!“ شیلا آگے بڑھتی ہوئی بولی۔  
 ”تم بھی خاموشی سے اس طرف بیٹھ جاؤ۔!“ عمران نے سروبلجھ میں کہا۔  
 پیٹر نے اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں سے ڈھانپ لیا تھا۔  
 ”میرے پاس وقت کم ہے اس لئے ڈرامہ نہ کرو۔!“ عمران نے سخت لمحے میں کہا۔ ”تم آخر  
 ایسا کوئی کرنا چاہتے تھے۔!“

”اسکے باپ سینہ دھنی رام نے اس کام کے صلے میں میں ہزار روپے دینے کا وعدہ کیا ہے۔“  
 ”کوواس ہے۔ جھوٹ ہے....!“ شیلا دہڑی ”میرا باپ ایسا نہیں کر سکتا۔!  
 ”پانچ ہزار ایڈوانس دیئے ہیں۔ اور پندرہ ہزار کامیابی کے بعد ملتے۔!“ پیٹر نے غصیلے لمحے

”کک.... کیا مطلب۔!“  
 ”مطلوب میں نہیں جانتا۔ تمہیں یہ شراب پینی پڑے گی....!“  
 ”پی لو ہا۔! کیوں جھگڑا کر رہے ہو۔“ شیلا منتنای۔  
 ”میں تو ہر گز نہیں پیوں گا۔ پھینک دوں گا۔!  
 ”خبردار... میز کے قریب بھی نہ آتا۔!“ عمران کے بغلی ہولٹر سے روپو اور نکل آیا۔....!  
 ”کک.... کیا!“ پیٹر ہکلا کر رہ گیا۔  
 ”شراب نہیں پیو گے تو گولی مار دوں گا۔!  
 ”کک.... کیا تم سنجیدہ ہو۔!  
 ”بالکل....! دس تک گنتا ہوں۔!“ عمران نے کہا۔ ”اگر دس تک پیو نچے سے قبل تم نے  
 گلاس خالی نہ کر دیا تو بے در لفظ فائز کر کر دوں گا۔!  
 ”آخر کوئی وجہ بھی تو ہو....!  
 ”وقطہ بھی نہ گرنے پائے.... ایک.... دو....!  
 ”نہیں.... نہیں....!  
 ”تمن.... چار....!  
 اب تو شیلا بھی پیچ چھیرت سے آنکھیں پھاڑے انہیں دیکھے جا رہی تھی۔ اس منظر کے اس  
 کنٹرے سے وہ لا علم تھی۔ عمران نے ایسی کسی پھوٹن کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا۔  
 ”پانچ.... چھ....!“ عمران کی آواز سنائی میں گوئی۔  
 ”ٹھہر و رُک جاؤ....!“ پیٹر نہیں ایسی انداز میں چینا۔... اس کا چہرہ پسینے سے بھینکنے لگا تھا۔  
 ”سات....!  
 ”نہیں....!  
 ”یہاں جو کچھ بھی ہو گا اس کی بھنک بھی باہر والوں کے کافنوں میں نہ پڑے گی۔!“ عمران  
 اسے گھوڑتا ہوا بولا۔  
 ”سنت.... تم کیا چاہتے ہو؟“  
 ”اس گلاس میں کیا ہے۔!  
 ”

انہی میں سے ایک میں علامہ کا بھی قیام تھا۔ اور ان ہٹوں کے باسی اسے ایک مدھوش رہنے والے نئے باز کی حیثیت سے جانتے تھے.... انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ ہٹ اس کی ملکیت ہے اور وہ کبھی کبھی وہاں آتا ہے۔!

عام طور پر علامہ سپتھر کی شب اور اتوار کا دن اسی ہٹ میں گزارتا تھا۔ لیکن اس کے خاص قسم کے ملاقاتی اس کے ہٹ میں نہیں آتے تھے۔ ملاقاتوں کے لئے وہ ساحل کے قریب کسی ویران جگہ کا اختیاب کرتا تھا۔ اور نصف شب کے نٹے میں یہ ملاقاتیں ہوتی تھیں۔ اس وقت یہاں وہ ایسے ہی کسی ملاقاتی کا منتظر تھا۔ پھر سڑھے بارہ بجے ایک آدمی باکیں جانب سے نیکرے پر چڑھ کر اس کے قریب آکھڑا ہوا تھا۔

”تم پندرہ منٹ دیر سے آئے ہو۔!“ علامہ غرایا۔

”راتے میں گازی خراب ہو گئی تھی باس۔!“

”میا خبر ہے۔?“

”آپ کے ان چھ آدمیوں کا بھی تک سراغ نہیں مل سکا۔ ان کے گھروالے بھی پریشان ہیں اور اپنے طور پر تلاش کر رہے ہیں۔!“

”اور سیٹھ دھنی رام۔!“

”اس کے یہاں حالات معمول پر ہیں۔ کسی کو ذرہ برابر بھی تشویش نہیں معلوم ہوتی۔ شاددارا میں بھی لڑکی کی تلاش جاری ہے۔! البتہ آپکے ایک آدمی پیٹر کی گازی پولیس کے قبضے میں ہے۔!“

”کیوں۔?“

”تین دن سے ایک جگہ سڑک کے کنارے کھڑی تھی۔!“

”تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ پولیس نے اس پر ہاتھ نہیں ڈالا۔!“

”پولیس نے رجڑیش آفس سے گازی کے مالک کا پتہ لگایا ہے۔!“

”بڑی عجیب بات ہے۔ اگر وہ پولیس کے ہاتھ نہیں لے گئے تو پھر۔!“

”ہمارا کوئی نادیدہ حریف بھی ہو سکتا ہے۔!“

”بے وقوفی کی باتیں مت کرو۔ زیر تربیت آدمیوں کا علم کسی حریف کو نہیں ہو سکتا۔“

”میں اس کے بارے میں کیا کہہ سکتا ہوں باس۔!“

میں کہا۔

”سر اسر بکواس۔ میرا بابا کیوں چاہے گا کہ میں پاگل ہو جاؤ۔!“

”بہت نام کماتی پھر ہی ہوتا بابا کے لئے۔“ پیٹر کے لمحے میں بے اندازہ تختی تھی۔ وہ شیلا کو چھڑ کھانے کے سے انداز میں گھورتا رہا۔

”یہ علامہ کا بہت ہی خاص آدمی ہے۔!“ شیلا آپ سے باہر ہوتی ہوئی بولی۔ ”ہو سکتے ہے۔.... ہو سکتا ہے۔!“

”وہ مزید کچھ کہتے رک گئی تھی۔ لیکن پیٹر کو بدستور قہر آکو نظروں سے گھورے جا رہی تھی۔

”تم کیا کہنا چاہتی تھیں۔!“ عمران بولا۔

”جتنی صفائی سے اس نے شراب کو آکو دہ کیا تھا کیا اسی طرح شیشی کی نکیاں نہیں بدلتے۔!“

اچاک پیٹر نے میٹھے ہی میٹھے عمران پر چلاگ کھائی تھی۔.... عمران شاہد اس کے لئے تیار نہیں تھا۔.... اور شیلا زخمی ہوئے بغیر نہ رہتی۔ پھر رینو اور تو عمران نے دور پھیک دیا تھا۔ اور باعیں ہاتھ سے پیٹر کی گدی دبوچ کر داہنی کھنی سے اس کی ناک رگڑوائی۔

کچھ بے ساختہ قسم کی آوازیں پیٹر کے حلق سے نکلی تھیں۔ اور ناک سے خون کی بوندیں پلکنے لگی تھیں۔ گھونسہ پیٹر پر پڑا اور وہ دہرا ہو کر زمین بوس ہو گیا۔



رات کے بارہ بجے تھے اور علامہ دہشت ابھی تک جاگ رہا تھا۔ لیکن بستر سے بہت دور۔.... اس وقت اگر اس کا کوئی شناسا قریب سے بھی دیکھتا تو ہرگز نہ بچاں سکتا۔ کیونکہ اس کے چہرے پر گھنی ڈالا ہی تھی۔ اور آنکھیں انگاروں کی طرح دبک رہی تھیں۔ جسم پر سیاہ لبادہ تھا اپنی کوئی میں بھی نہیں تھا۔ یہاں چاندنی کھیت کر رہی تھی اور سمندر کی پر شور لہریں ساحل سے تکرا تکرا کر جھاگ اڑا رہی تھیں۔

ساحل سے ایک فرلانگ ادھر در تک لکڑی کے بے شمار ہٹ بکھرے ہوئے تھے۔....!

”میرا طریقہ کارایا نہیں ہے کہ زیر تربیت آدمی میرے تجاذبی حریقوں کی نظر میں آسکندا“  
 ”ہم انہیں تلاش کرنے کی انتہائی کوشش کر رہے ہیں۔!“  
 بہت زیادہ محاط رہنے کی ضرورت ہے۔!  
 ”ہم محاط ہیں جناب۔!“  
 ”اس ماہ تمہارا کتنا کمیشن بنا ہے۔!“  
 ”بائیس ہزار۔!“  
 ”اگلے مینے سے میں کمیشن میں پانچ فیصد کا اضافہ کر رہا ہوں۔!“  
 ”مشکریہ باس! نووارد کا الجہہ صرفت آمیز تھا۔  
 ”جتنا بڑا نس بڑھے گا اتنا ہی کمیشن بھی بڑھتا جائے گا۔ میں اپنے کار پردازوں کو زیادہ سے زیادہ متمول دیکھنا چاہتا ہوں۔!“

”اے ہمیشہ یاد رکھا کرو کہ میرے سارے معاملات اسی طرح الگ الگ ہیں۔ جیسے حکومتوں کی وزارتیں شعبہ دار الگ الگ ہوتی ہیں۔!“  
 ”میں سمجھتا ہوں بس۔!“  
 ”بس اب جاؤ۔ اور ان کی تلاش جاری رکھو اور جیسے تھی اس کا علم ہو کہ وہ پوٹس کے ہاتھ لگے ہیں۔ مجھے مطلع کر دینا۔!“  
 ”وہ احترام آجھا کا اور غیرے سے اترتا چلا گیا۔!  


”ہر وقت کنگھی چوٹی۔ ہر وقت کنگھی چوٹی۔“ سلیمان اپنی پیشانی پر ہاتھ مار کر دہاڑا۔ ”پتیلی لگنے کی بو بھی ناک میں نہیں پہنچی۔!“  
 ”ارے تو۔۔۔ تو ہی دیکھ لے۔۔۔!“ گفرنخ چنپا تی۔  
 ”ہوش میں ہے یا نہیں۔۔۔!“  
 ”کیوں بکواس کر رہا ہے۔!“  
 ”ارے۔۔۔ ارے۔۔۔ تو میری بیوی ہے۔۔۔ بد زبانی نہ کر۔۔۔!“  
 ”تو میرا بی وادی۔۔۔ نائیں نائیں کیوں کرتا ہے۔!“  
 ”بیو۔۔۔!“  
 ”ہاں ہاں یو، ہی لگتا ہے۔۔۔ شوہروں جیسی تو شکل ہی نہیں ہے۔۔۔!“  
 ”دماغ تو نہیں چل گیا۔۔۔!“  
 ”ہوش میں ہے یا نہیں۔۔۔ دماغ تو نہیں چل گیا۔۔۔؟ اس کے علاوہ کوئی اور بھی ڈائیلاگ یاد ہے یا نہیں۔!“  
 ”دیکھ گفرنخ اچھا نہیں ہو گا۔ مجھے سے آگے بڑھنے کی کوشش مت کر۔!“  
 ”اسی لئے تو کہتی ہوں کہ تو ہی چو لہا بانڈی کرتا رہ۔۔۔ میں خود تجھ سے آگے نہیں بڑھنا چاہتی۔!“

”آپ کے ان چھ آدمیوں کے بارے میں علامہ دہشت سے کیوں نہ پوچھ چکھ کی جائے۔!  
 ”ہر گز نہیں۔ ادھر کارخ بھی نہ کرنا۔!  
 ”میں بھی تو انہی کا تربیت یافتہ ہوں۔ ان کے لئے اجنبی تو نہیں۔!  
 ”اصول توڑو گے؟“ علامہ نے حرمت سے کہا۔ ”شروع سے یہ طریقہ رہا ہے کہ تربیت مکمل کر لینے کے بعد اس کے مخصوص شاگردوں نے کبھی ادھر کارخ نہیں کیا صرف میں اس سے براور است رابطہ رکھتا ہوں۔ پہلے ہی معلوم کر چکا ہوں کہ وہ بھی کچھ نہیں جانتا غائب ہو جانے والوں کے بارے میں۔!  
 ”میں معافی چاہتا ہوں بس۔!“

”اور تو کیا کرے گی....!“

”نالگ پر نالگ رکھے پڑی فلمسی رسالے پڑھا کروں گی....!“

”میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کون تیر ادما غرائب کیا کرتا ہے۔!“

”وہی جس نے تجھے آسمان پر چڑھا رکھا ہے۔!“

”کیا مطلب۔“

”صاحب نے کہا ہے کہ دب کے نہ رہیو۔!“

”ارے.... مارا گیا۔!“ سلیمان پیشانی پر ہاتھ مار کر بولا۔

”اور وہ یہ بھی کہہ رہے تھے کہ سنہ پھر عورتوں کا سال تھا۔ بہت دیر میں معلوم ہوا مجھ کو درستہ بتاتی تھے....!“

”اب بتادے....!“ سلیمان آنکھیں نکال کر بولا۔

”میفا کمہ.... اب سنہ پھر شروع ہو گیا ہے....!“

”گردن مرزوڑ دوں گا کسی دن۔!“

”باتیں بھی باور چیزوں ہی جیسی کرتا ہے۔ ارے پرائیویٹ ہی میڑک پاس کر لے۔!“

”بس لس! بڑی آئی میڑک والی۔ اب نام لیا میڑک کا تو زبان گدی سے کھینچ لو گ۔ بھول جا کہ میڑک پاس ہے۔!“

”وہ تو بھول جانا ہی پڑے گا صاحب نے میری تقدیر پھوڑ دی۔!“

”ہاں ہاں نہیں تو ڈپی گلکش ملتا تھے۔!“

”ہیڈ کا نشیل تو مل ہی جاتا۔!“

”چپ بے غیرت۔“

”اس میں بے غیرتی کی کیا بات ہے! تیرے مرنے کے بعد ہیڈ کا نشیل ہی تلاش کروں گی۔“

”تم بولے تو ہم ابھی اس کو مار ڈالے....!“ پکن کے باہر سے جوزف کی آواز آئی۔

”چل بے کالئے....!“ سلیمان حلچ چاڑ کر بولا۔

”اوکم بختو! اب مجھ پر رحم کرو۔“ دور سے عمران کی آواز آئی تھی۔

”چپ چپ....!“ گلرخ آہستہ سے بولی۔

”میں آج ہی اپنا بوریا بستر پاندھتا ہوں....!“ سلیمان بڑ بڑا۔

”میں ساتھ نہ جاؤں گی....!“

”چوٹی پکڑ کر گھسٹا ہوا لے جاؤں گا....!“

”دیکھ اچھا ہو گا اگر بد زبانی کی۔“ گلرخ بہت زور سے چینی تھی۔

عمران پکن کے دروازے میں آ کھڑا ہوا تھا۔ اس حال میں کہ داہنے ہاتھ کی انگلیاں باہمیں ہاتھ کی بضف پر تھیں۔

”تم دونوں کھیں نہ جاؤ۔ میں خود ہی جا رہا ہوں....!“ اس نے مری مری سی آواز میں کہا۔

”شہ دے دے کر دماغ غرائب کر دیا ہے سسری کا....!“ سلیمان بھنا کر بولا۔

”تو خود سسر ا.... تیری سات پیشیں سریاں!“ گلرخ دانت پیس کر بولی۔

”لیکن اس گھر کو تو سرمال نہ بناو۔!“ عمران کر رہا۔

”مجھے چھٹی دیجئے! میں اب یہاں نہیں رہوں گا۔!“ سلیمان چوٹی لئے پر ہاتھ مار کر بولا۔

”یہاں جائے گا۔!“

”جہاں خدا لے جائے۔!“

”اور اس بے چاری کا کیا ہو گا۔!“

”میری بات نہ کیجئے صاحب۔!“ گلرخ بولی۔

”اس بے چاری کو مریاں میں رکھ کر اوپر سے سرسوں کا تیل انڈیل دیجئے گا....!“ سلیمان نے کہا۔

”اللہ کرے تیراہی اچار پڑ جائے شلبم کے بچے!“ گلرخ کلکاتی۔

اور عمران گھنٹی کی آواز سن کر ڈرائیور میں کی طرف دوڑا گیا۔...! کوئی آیا تھا.... جوزف جو اس کے پیچے تھا۔ آگے بڑھ کر دروازہ کھولنے لگا۔

عمران ڈرائیور میں رک گیا تھا۔

”میڑ صدر ہیں بس!“ اس نے جوزف کو کہتے تھا! ”آئیے میڑ!“

”آئیے میڑ!“ عمران نے بھی ہاںک لگائی۔ ”لیکن چانے نہ پا سکوں گا۔ کیونکہ باور چی خانے کے حالات نازک ہیں۔!“

سیمان اور گلرن کے بھگڑنے کی آوازیں ڈرائیکٹ روم میں پہنچ رہی تھیں!

”یہ نیاروگ پال لیا ہے آپ نے!“ صدر رہن کر بولا!

”اور اس روگ کے بچے بھی میں ہی پاؤں گا!“ عمران کی ٹھنڈی سانس دور تک سنی گئی تھی۔  
صدر نے بیٹھتے ہوئے کوٹ کی اندر وہی جیب سے کچھ کاغذات نکالے اور عمران کی طرف  
بڑھا دیئے۔

”کیا ہے!“

”علامہ کی شیپ کی ہوئی تقاریر سے کچھ نوٹ لئے ہیں۔ یہ تقاریر پچھلے پندرہ برسوں پر پھیل  
ہوئی ہیں!“

”تمہارا چہا بہت ذین ہو تا جا رہا ہے!“

”اب تو آپ بھی اسے چیف کہا کجھے۔ اکتنے دنوں سے کام کر رہے ہیں۔ اس کے لئے!“  
”تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے... میں سر سلطان کے لئے کام کرتا ہوں۔ ایکس ٹو کو صرف  
رابطے کی ایک کڑی سمجھتا ہوں۔ خیر تو یہ شیپ تمہیں کہاں سے ملے!“

”کچھ یونیورسٹی سے اور کچھ مختلف کالج اور دوں سے۔ اور ایکس ٹو کا یہ خیال قطبی درست  
نکلا کہ اس کی تقاریر سے پتہ لگایا جاسکتا ہے کہ وہ کہاں پیدا ہوا تھا!“

”کیا معلوم ہوا؟“

”متعدد تقاریر میں اس نے صرف ضلع احمد پور کی مثالیں یا حوالے دیئے ہیں... دس سال  
پہلے کی تین تقاریر میں ایک گاؤں کا نام بھی لیا ہے!“

”کیا نام ہے گاؤں کا!“

”جمیرام... چھان میں کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ گاؤں ضلع احمد پوری میں واقع ہے!“

”گلڈ... اور کچھ...!“

”احمد پور کے اس گاؤں کے تھانے کا نام بھی تھا نہ جیرام ہی ہے... وہاں کا پرانا ریکارڈ  
دیکھنے پر معلوم ہوا کہ اڑاتالیں سال پہلے جیرام میں آتشزدگی کی ایسی واردات ہوئی تھی کہ آٹھ  
افراد ایک مکان میں جل مرے تھے.... خاندان کے سر براد کا نام پیر علی تھا۔“

”بہت اچھے جا رہے ہو!“ عمران بولا۔

”وہاں آج بھی صرف ایک ہی جیلی ہے۔ تیرہ سال قبل پوری جیلی دیران ہو گئی تھی اس  
کے سارے افراد دو ماہ کے اندر اندر ایک جیلت اگنیز و باء کا شکار ہو کر مر گئے تھے۔ اور یہ بھی  
حقیقت ہے کہ وہ باہ صرف جیلی ہی تک محدود رہی تھی۔ لیکن ٹھہریے اس خاندان کا ایک فرد  
آج بھی زندہ ہے۔ محض اس لئے کہ وہ آن دونوں ندن میں زیر تعلیم تھا....!“  
”اب جلدی سے اس کا نام بھی لے ڈالو!“ عمران بولا

”میاں تو قیر محمد جہریام موجودہ حکمران پارٹی کے ایک سرگرم کارکن اور اپنے ضلعے کی شاخ  
کے صدر بھی ہیں!“

عمران نے سیٹی بجانے والے انداز میں ہونٹ سکوڑے تھے۔ پھر یک بیک وہ اچھل پڑا!  
”کیا بات ہے؟“ صدر نے جیلت سے پوچھا۔

”تین دن بعد پارٹی کا کونوشن یہیں شروع ہونے والا ہے۔“  
”وہ تو تھے!“

”وہ اسی موقع سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرے گا۔ میاں تو قیر محمد بھی کونوشن میں ضرور  
شرکت کریں گے۔“

”تو پھر...!“

”کچھ نہیں... میں دیکھوں گا کہ ان پر کیا گزرتی ہے۔!“  
”آپ دیکھیں گے!“

”یہ مطلب نہیں تھا کہ انہیں دھا کے سے اڑتا ہو دیکھوں گا۔!“

”ٹھیک اسی وقت جوزف پھر کرے میں داخل ہوا تھا۔

”باس! وہ جا رہا ہے.... سامان اٹھا کر رہا ہے اپنا!“

”اوروہ کیا کر رہی ہے....!“

”اس کا ہاتھ بثارتی ہے سامان سمینے میں....!“

”اچھا ہے دفع ہو جانے دو....!“

”وہ نہیں جاری! کہتی ہے اب میں کسی ہیڈ کا نیشبل سے شادی کر دوں گی۔!“

”یہ تو اچھا ہو گا.... اگر وہ ہیڈ کا نیشبل بھی بھین رہ پڑا تو۔?“

”یہ سب تم جانو بس...!“

”جاو...!“ عمران ہاتھ ہلا کر بولا۔

”میاسیمان جاہاہے!“ صدر نے پوچھا... عمران نے مفہوم انداز میں سر نہ لایا تھا۔

”جاچکا...!“ صدر مسکرا کر بولا۔

”کیوں نہیں جائے گا!“

”اس قابل کب چھوڑا ہے آپ نے کہ کسی اور کے کام آئے!“

”ڈپو میں!“ عمران باٹھ میں آکھ دبا کر مسکرایا۔ پھر اٹھتا ہوا بولا۔!“ چلو!

”کہاں؟“

”کہیں بھی... خواہ جنواہ اتوار ضائع ہو رہا ہے...!“

وہ دونوں نیچے سڑک پر آئے تھے... اور عمران نے صدر ہی کی گاڑی کا دروازہ کو لا تھا۔

”کہر چلیں گے...!“

”تفریح کا مودہ بھی ہے اور کام بھی کرنا ہے...!“

صدر نے گاڑی اسارت کی اور عمران نے کہا۔ ”ساحل کی طرف۔ تمہیں آج علامہ کے ایک پرانے شاگرد سے ملاؤں گا!“

”یہ علامہ آخر ہے کیا بلا...! یک گروہ مظلوموں کی سی رکھتا ہے۔ لیکن کرتوت...!“ صدر نے کہا۔

”ذہین آدمی ہے! لیکن غلط راست پر جا لکا ہے...! کبھی کبھی انتقام لے چکنے کے بعد بھی انتقام کی آگ نہیں بجھتی...!“

”ان ساتوں کا کیا رویہ ہے...!“

”پیغمبر کے علاوہ اور سب نے وہی کہاں سنائی ہے جو شیلانا بچکی تھی۔ پیغمبر اسی پر اڑا ہوا ہے کہ دھنی رام نے شیلانا کو ذہنی طور پر مغلون کرادیئے کے لئے اس کی خدمات حاصل کی تھیں۔ اس کا اعتراف کرتا ہے کہ وہ علامہ کے حلقة بگوشوں میں سے ہے۔ اور اسے دنیا کا عظیم ترین آدمی سمجھتا ہے۔ اپنے دوسرے ساتھیوں کے بیانات سے اس نے اتفاق نہیں کیا۔!“

”کفیش چیر پر بھاد بیجھے...!“

”دیکھا جائے گا۔ افی الحال تو میاں تو قیر محمد کا مسئلہ درپیش ہے۔!“

”اس سلسلے میں آپ کیا کریں گے۔!“

”مگر انی اور صرف نگرانی۔ اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں....!“

”کیوں نہ علامہ کو حرast میں لے لیا جائے۔!“

”اس ایش پر بھی ہمارے پاس ناکافی مواد ہے۔ اس کے خلاف اور پھر وہ خاصی بڑی سوچ پوری بھی رکھتا ہے۔!“

”کیا ان چچے افراد کے بیانات بھی ناکافی ہیں۔!“

”شاعری پر کون پھرے بھاسکا ہے صدر صاحب! ان کے بیانات محض علامہ کی کواس تک محدود ہیں۔ شیلانے جو گفتگو کی تھی وہ بھی قہقہوں میں اڑا دی جائے گی۔ البتہ اگر پیغمبر اعتراف کر لے کہ وہ زہر علامہ نے اسے شیلانا پر استعمال کرنے کے لئے دیا تھا بات بنے گی۔!“

”میں نے کہا تھا کفیش چیر...!“

”وہ ناکارہ ہو گئی ہے۔ ابھی تک ٹھیک نہیں ہو سکی۔! اس کا ایک پر زہر باہر سے امپورٹ کرنا پڑے گا۔!“

”تھر ڈگری۔!“

”پیغمبر کا نائب کیا ہے۔ تھر ڈگری کا اس پر اس حد تک اثر نہیں ہو گا کہ وہ اعتراف کر لے۔ ویسے کبھی کبھی مجھ سے بھی بھول چوک ہو جاتی ہے۔ اگر میں اسی وقت اس کے ہاتھ پر باندھ کر زبردستی وہ شراب اس کے حلق میں اٹھیلنے کی کوشش کرتا تو شاکد کامیابی ہو جاتی۔!“

”شراب تواب بھی محفوظ ہو گی۔!“

”نہیں شیلانی خائف اور نزوں تھی کہ بعد میں اس نے ہاتھ مار کر گلاس کو میز سے گرا دیا تھا... اور ساری شراب قلین میں جذب ہو گئی تھی۔“

صدر کچھ نہ بولا۔ گاڑی تیز رفتاری سے ساحلی علاقے کی طرف جا رہی تھی۔

”گرین بس کی طرف چلا ہے۔!“ عمران نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

”کیا علامہ کا وہ پرانا شاگرد وہیں ملے گا۔!“

”گلنم آدمی نہیں ہے تم بھی اس سے واقف ہو گے۔!“ عمران نے کہا اور کچھ دیر خاموش رہ

”نہ صرف بیٹھوں گا بلکہ تمہیں چانڈو بھی پلاوں گا....!“  
صدر کچھ نہ بولا۔ گاڑی گرین ہس کی طرف بڑھی جا رہی تھی۔ گرین ہوٹل بھی اسی نواحی واقع تھا۔ اس وقت وہاں خاصی بھیڑ تھی۔ زیادہ تغیر ملکی چی اور جہاز ان نظر آ رہے تھے۔

بڑی تلاش کے بعد ایک میز خالی می تھی۔ عمران نے کاؤنٹر کے قریب رک کر خاصی اوپنجی آواز میں صدر سے گفتگو کی تھی اور پھر اس خالی میز کی طرف بڑھ گیا تھا۔ اس نے کھانے پینے کی کچھ چیزیں طلب کی تھیں اور ہال میں بیٹھے ہوئے لوگوں کا جائزہ ایسے انداز میں لینے کا تھا جیسے کسی کی تلاش ہو۔!

پانچ منٹ بھی نہیں گذرے تھے کہ ہیڈویٹر میز کے قریب آکھڑا ہوا۔ اور ان دونوں کو بغور دیکھا ہوا بڑے ادب سے بولا۔ ”آپ صاحبِ اعلیٰ میں سے سربراہ عمران کوں ہیں...!“

”م... میں ہوں۔ سماںِ الیم...!“ عمران اٹھ کر مصافیہ کے لئے ہاتھ بڑھاتا ہوا بولا۔ ہیڈویٹر نے غیر ارادی طور پر مصافیہ کیا تھا اور جھینکی ہوئے انداز میں بولا تھا... ”شہزاد صاحب نے کہا ہے کہ اگر کوئی حرج نہ سمجھیں تو ذرا دیر کو آفس میں آجائیں۔!“

”ضرور... ضرور!“ اس نے چپک کر کہا اور صدر سے بولا۔ ”تم بیٹھو۔ میں ابھی آیا۔!“ شہزاد صورت ہی سے برآمدی معلوم ہوتا تھا۔! آنکھوں سے سفا کی عیاں تھی اور بھاری جڑے مزید درندہ خصلتی کی طرف اشارہ کرتے تھے۔

عمران کو دیکھ کر وہ مسکراتا ہوا اٹھ گیا تھا۔ مصالخے کے لئے ہاتھ بڑھا کر بولا۔ ”کیا میں یہ کچھ لوں کہ تمہیں بھی کسی قسم کی لٹ لگ گئی ہے۔!“

”گدھے ہمیشہ گذھے ہی رہتے ہیں۔ یعنی انہیں کوئی لٹ نہیں لگتی۔ خود چلاتے ہیں دو لیاں...!“ عمران مصافیہ کرتا ہوا بولا۔

”بیٹھو... بیٹھو... بہت دنوں کے بعد ملے ہو۔ اور غالباً یہی کہنے آئے ہو کہ ابھی تک تم نے انہیں پولیس کے حوالے نہیں کیا۔!“

”پوری بات سنے اور سمجھے بغیر زبان کھونے کا عادی نہیں ہوں۔!“ اگر بات سمجھ میں نہیں آئی تو پھر کیا میں یہاں تمہاری موجودگی کا مقصد معلوم کر سکتا ہوں۔!

”تمہارا کیا خیال ہے۔!“

کربولا۔!

”گرین بیچ ہوٹل کا ماں کشہزاد...!“

”اے...!“ صدر نے حیرت سے کہا۔ ”وہ علامہ کاشاگر دھما۔!“

”وس بارہ سال پرانی بات ہوئی مجھے بھی علم نہیں تھا لیکن ان پانچوں سے گفتگو کے دوران میں یہ بات معلوم ہوئی تھی۔!“

”گرین بیچ ہوٹل تو نہہ بازوں کا بہت بڑا ڈھنہ ہے۔ اور میری معلومات کے مطابق اسے حکمہ آبکاری کے ایک آفیسر کی سر پرستی بھی حاصل ہے۔!“

”ہو سکتا ہے کہ وہ آفیسر بھی علامہ ہی کاشاگر ہو۔! علامہ کی جزاں بہت گہرائی تک پھیل ہوئی ہیں۔ شائد ہی کوئی حکمہ ایسا ہو جہاں اس کے شاگرد نہ موجود ہوں۔“

”میا آپ اس سلسلے میں شہزاد سے پوچھ گچھ کریں گے۔!“

”نہیں صرف اپنی شکل و کھاؤں گا اے.... وہ مجھے اچھی طرح جانتا ہے۔!“

”اس سے کیا فائدہ...!“

”پولیس کے علاوہ بھی کچھ لوگ علامہ کے ان شاگردوں کے بارے میں پوچھ گچھ کرتے پھر رہے ہیں۔ جو میری حرast میں ہیں۔ علامہ کو علم ہو گیا ہو گا کہ وہ پولیس کی حوالات میں نہیں۔ لہذا اب اسے معلوم ہو جانا چاہئے کہ وہ حقیقت کہاں ہوں گے۔!“

”گویا آپ خود ہی جتنا چاہتے ہیں۔“

”کچھ ایسا ہی معاملہ ہے۔!“

”بھلا کیا بات ہوئی۔!“

”اول درجے کا الوہوں۔ بس تم دیکھتے رہو۔!“

”آپ اپنے بارے میں جیسی بھی رائے رکھتے ہوں برآ کرم مجھے باور کرنے کی کوشش نہ کریں۔!“

”بڑے سعادت مدد ہوتے جا رہے ہو۔! سلیمان کی شادی کرا کے پچھتائے رہا ہوتا تو تمہاری بھی ضرور کر دیتا۔!“

”تو آپ گرین ہوٹل میں بیٹھیں گے۔!“

”پہلے یہاں کبھی نہیں آئے....!“

”فرج کے لئے آئے تھے کہ بھوک معلوم ہوئی!“

”ختم کرو! وہ ہاتھ ہلا کر بولا!“ ہم سب ایک ہی تھیں کے چٹے ہیں پہلے تمہاری سے اپنی بات منوانے کی کوشش کرتے ہو۔ کامیابی نہیں ہوتی تو شکاروں کو پولیس کے حوالے کر دیتے ہو!“

”گرفتی آسمان سے باتمیں کرنے لگی ہے۔“ عمران مختصری سائنس لے کر بولا۔

”کس قدر بڑھی ہے گرفتی۔ آخر کچھ معلوم بھی تو ہو!“ شہزادے مسکرا کر کہا۔

”شاندی میرے ستارے اچھے ہی تھے کہ وہ خوفزدہ لڑکی خواہ ہاتھ لگ گئی!“

”تو میرا خیال غلط نہیں تھا!“

”بقول تمہارے ہم ایک ہی تھیں کے چٹے ہیں۔“ عمران بائیں آنکھ دبا کر بولا۔

”مطلوبہ!“ شہزاد کا لہجہ تاخوٹگوار تھا۔

”ڈیڑھ لاکھ!“

”گھاس گھاگھے ہو!“

”اوچی پوزیشن کا معاملہ ہے۔!“

”کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ اب یہاں سے واپس بھی جاسکو گے؟“

”شادی کراؤ تو میں کا ہور ہوں گا!“

عمران کو شروع ہی سے احساس ہوتا رہا تھا کہ اس کی پشت پر دو آدمی موجود ہیں۔!

شہزاد نے شاندی اس کے سر پر سے انہی کی طرف دیکھا تھا۔ لیکن قتل اس کے کہ وہ کوئی

حرکت کر سکتے۔ عمران مینے کے بل میز پر پھسلتا ہوا شہزاد سے جالا۔ جو میز کے دوسرے سرے پر

تھا۔ اس کے ریو اور کی ٹال شہزاد کی کپٹی پر تھی۔!

”اب کہو تو یوں نبی پڑا رہوں یا اٹھ جاؤ۔!“ عمران نے آہستہ سے پوچھا۔

شہزاد کے دونوں آدمی جہاں تھے وہیں رہ گئے۔

شہزاد بے حس و حرکت پیٹھا رہا۔ ریو اور کی ٹال اس کی کپٹی سے ہٹائے بغیر ہی عمران میز

سے پھسل کر نیچے آیا تھا اور شہزاد کے پہلو میں کھڑا ہو گیا تھا۔

”ان دونوں میں سے اگر کوئی بھی باہر گیا تو تمہاری موت کی ذمہ داری مجھ پر نہ ہوگی۔!“

عمران نے کہا۔ ”ائز کوم کے ذریعے ہیڈ ویٹر کو ہدایت دو کہ میرے ساتھی کو بھی یہیں لے آئے۔!“

شہزاد نے کسی سحر زدہ آدمی کے سے انداز میں عمران کے مشورے پر عمل کیا تھا۔ ”تم دونوں دروازے کے پاس سے ہٹ کر ادھر کھڑے ہو جاؤ۔!“ عمران نے دونوں آدمیوں سے کہا۔

”وہی کرو جو کہہ رہا ہے!“ شہزاد نے پھلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ ”میرا بہت پرانا یار ہے۔... کبھی بھی سنک جاتا ہے۔!“ وہ دونوں بائیں جانب والے گوشے میں سرک گئے۔

”یہ ہوتی ناپیار کی بات۔!“ عمران بولا اور ریو اور کپٹی سے ہٹا کر گدی پر رکھ دیا۔ اور اس طرح کھڑا ہو گیا کہ باہر سے کسی آنے والے کی نظر ریو اور پر نہ پڑ سکے۔

جلد ہی دروازے پر ہلکی سی دستک ہوتی تھی اور عمران بلند آواز میں بولا تھا۔ ”آ جاؤ۔!“ دروازہ کھلا اور صدر کمرے میں داخل ہوا۔ اس نے جھرت سے چاروں طرف دیکھا تھا۔

”ان دونوں کے بغلی ہو لشڑ سے ریو اور کپٹی کا نکال لو۔!“ عمران نے شہزاد کے آدمیوں کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

صدر نے ان کے ہاتھ دیوار پر رکھا ہے تھے اور ہو لشڑوں سے ریو اور کپٹی کا نکال لے تھے۔

”تم آخر کرنا کیا چاہتے ہو۔!“ شہزاد نے اپنی آواز میں کر خلکی پیدا کرنے کی کوشش کی۔ ”معاملے کی بات۔ لیکن کسی کھلے میدان میں۔ جہاں میرے اور تمہارے علاوہ اور کوئی نہ ہو۔!

”میں تیار ہوں۔!“

”تو اٹھو۔... اور جس طرف میں لے جانا چاہتا ہوں اسی طرف چلو۔!“ شہزاد اچپ چاپ اٹھا تھا۔ عمران کا ریو اور کوٹ کی جیب میں چلا گیا۔ اور اس کی ٹال شہزاد کے پہلو میں مجھے لگی۔!

”تمہارے ریو اور شہزاد صاحب کے ساتھ وابس آجائیں گے۔!“ عمران نے اس کے آدمیوں سے کہا تھا۔

پھر وہ شہزاد سے لگ کر چلتا ہوا باہر آیا۔ صدر اس کے پیچے تھا۔ اور پوری ہوشیاری سے عمران کے باڈی گارڈ کے فرائض انجام دے رہا تھا۔

وہ عمارت سے نکل آئے تھے عمران شہزاد کو صدر کی گاڑی تک بڑھا لایا۔ صدر نے پچھلی نشست کا دروازہ کھولا تھا۔ عمران کے ریو اور کادباڈ شہزاد کے پبلو پر کسی قدر بڑھ گیا۔۔۔! ”ڈیڑھ لاکھ بہت ہیں۔ میں پہلے ہی آگاہ کئے دیتا ہوں!“ شہزاد گاڑی میں بیٹھتا ہوا بولا۔ عمران اس کی طرف توجہ دیئے بغیر صدر سے بولا۔“ہیڈ کوارٹر!“ ”لک.... کیا مطلب!“ شہزاد چوک پڑا۔ ”چپ چاپ بیٹھے رہو!“ عمران ریو اور کادباڈ بڑھاتا ہوا بولا۔“ پولیس ہیڈ کوارٹر نہیں کہہ رہا۔ میرے گرے پاگل خانے کو ہیڈ کوارٹر کہتے ہیں۔“

”تمہیں پچھتا پڑے گا۔ تم میری قوت سے واقف نہیں ہو!“ ”تمہاری قوت سے واقف نہ ہو تا تو سیدھا تمہارے پاس کیوں آتا!“ ”لیکن جو حرکت تم نے اس وقت کی ہے تمہیں بہت مجھنگی پڑے گی۔ تمہارے باپ کا اثر و رسوخ بھی کام نہ آسکے گا!“

”باپ کا قوت نام ہی نہ لو۔ ہر بلیک میلہ اس بھری بُری دنیا میں تھا ہے۔۔۔ باپ کے لائق ہوتا تو گھر کیوں چھوڑتا۔ ویسے کیا تم بتائیتے ہو کہ اگر میں ان ساتوں کو پولیس کے حوالے کر دوں تو کس کی گردان پھنسنے کی!“

شہزاد کچھ نہ بولا۔ اب اس کی آنکھوں میں فکر مندی ظاہر ہونے لگی تھی۔ ”میں نے پوچھا تھا کہ کس کی گردان پھنسنے والی ہے!“ عمران نے پھر سوال کیا۔ ”زندگی میں پہلی بار مجھ سے ایک حادثہ سے ایک حادثہ سے ایک حادثہ سے آہستہ بڑھ لیا۔“ ”کسی حادثے؟“

”مجھے تم کو نظر انداز کر دینا چاہئے تھا!“ ”میں اس لئے نہیں آیا تھا کہ تم مجھے نظر انداز کرو۔ کہی نہیں سکتے تھے جبکہ میں نے پہلی بار تمہارے ہوٹل میں قدم رکھا تھا!“

شہزاد خاموش رہا۔

”ابتدہ تمہیں معاملے کی بات فوراً ہی نہیں شروع کر دینی چاہئے تھی۔“ عمران ہی بوتا رہا۔ ”بہر حال اب میں بر اور است صاحب معاملہ ہی سے بات کروں گا!“

”صاحب معاملہ تم کے سمجھتے ہو!“

”تمہیں کیوں بتاؤ۔۔۔ ویسے حقیقت یہ ہے کہ تم سے حادثہ ہی سرزد ہوئی ہے!“

”مجھے اعتراف ہے۔۔۔ جلد بازی سے کام نہ لیماجا ہے تھا۔۔۔! تم نے دام بڑھا دیے!“

”میاں پوچھ سکتا ہوں کہ تمہیں ان ساتوں سے کیا سر و کار ہو سکتا ہے!“ عمران نے سوال کیا۔

”کسی بلیک میلہ کو پولیس والوں کے سے انداز میں سوالات کرنے کا کیا حق پہنچتا ہے!“

ٹھیک اسی وقت ایک تیر فرار موڑ سائکل باسیں جانب اتنے قریب سے گزری تھی کہ صدر گز برا گیا تھا۔ اور عمران کے کان جھنجھنا اٹھے تھے۔

”شہزاد اگلی سیٹ کی پشت گاہ پر ڈھلک گیا۔ اس کی باسیں کئی سے خون کا فوارہ چھوٹ رہا تھا۔ صدر نے پورے بریک لگائے۔ گاڑی جھینکنے سے رکی تھی۔

”آحمد!“ عمران دہڑا۔ ”چلو۔ اور نہ وہ باتھ سے جائے گا!“

”لک... کیا ہوں!“ صدر ہکلایا۔

”فارکر گیا ہے۔۔۔ شہزاد.... ختم ہو گیا!“

صدر نے ایکسی لیٹر پر دباؤ ڈالا۔۔۔ گاڑی نے چھلانگ سی لگائی تھی۔

چالیس۔۔۔ پچاس۔۔۔ ساٹھ۔۔۔ اور پھر اسپیڈ و میٹر کی سوئی ساٹھ اور ستر کے درمیان جھوٹے گئی!

”اور تیرز....!“ عمران غریا۔

لیکن موڑ سائکل کا کہیں پہانے تھا۔

”پندرہ منٹ بعد عمران شہزادی سائنس لے کر بولا۔“ بے کار ہے وہ کسی کچے راستے پر مزگیا۔۔۔ تم بھی گاڑی سڑک سے اتار کر کسی میلے کی اوٹ میں لے چلو!“

اور پھر جب گاڑی رکی تھی تو ان کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اب کیا کرنا چاہئے۔ شہزاد شہزاد ہو چکا تھا۔ موڑ سائکل سوار کے فائز سے اس کی باسیں کئی میں سوراخ ہو گیا تھا!

”بڑی پر پڑے ہوئے خون کے دھبے صاف کرو....!“ عمران نے صدر سے کہا۔ ”اب اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں کہ اس لاش کو انتہائی احتیاط سے سائکل کو منشن لے چلیں اور سر دخانے میں رکھ دیں!“

”وہ کون ہو سکتا ہے؟“ صدر بربادی۔  
”میا تم اس کا چہرہ دیکھ سکتے تھے۔“  
”نہیں!“  
”میں بھی نہیں دیکھ سکتا تھا۔“ عمران بولا۔

کہا تھا اور زبان انگلش استعمال کی تھی۔ گواس سے اچھی طرح واقف تھا۔ لیکن جوزف کو اس کی بخل شناساؤں کی سی نہیں لگی تھی۔

”اچھا مسر!“ اس نے طویل سانس لے کر کہا اور انگلے دروازے کے پینڈل کی طرف ہاتھ پر ہادیا۔ لیکن اس سے پہلے ہی دروازہ بخل گیا تھا۔

جوزف نے بے چارگی سے قابل کی پچھلی سیٹ والا بے حد ہوشیار آدمی معلوم ہوتا تھا۔ گاڑی چلن پڑی.... اور پچھلی سیٹ والے نے کہا۔ ”میں جاگ رہا ہوں اسے اچھی طرح ذہن نہیں رکھتا۔“

”لیکن مسر.... قصہ کیا ہے! میں تو بہت شریف آدمی ہوں۔ کبھی غنڈہ گردی وغیرہ میں بھی ملوٹ نہیں رہتا!“

”باتیں بھی نہیں کرو گے!“ پچھلی سیٹ والا غریب۔

”تمہاری مرضی.... میرے ہاتھ صاف ہیں!“

”لیکن بغلی ہو لشمن میں ریو اور موجود ہے!“

”دُریوں اور بیک وقت رکھ سکتا ہوں۔ اجازت نامہ ہے میرے پاس مسر على عمران کا باذی گارڈ ہوں!“

”ٹھیک ہے۔ زبان بذرکھو اور دونوں ہاتھ اٹھا کر سر پر رکلو!“

”میری تو ہیں نہ کرو۔ معاملات کو سمجھے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھاؤں گا۔ وعدہ کرتا ہوں۔“

ویسے سر پر ہاتھ رکھ کر چلے پر مر جانے ہی کو ترجیح دوں گا۔“

پچھلی سیٹ والے نے خاموشی اختیار کر لی۔ وہ عقب نما آئینے میں جوزف کا چہرہ بغور دیکھتا رہا۔ شام ہو رہی تھی۔ گاڑی شہر کی متعدد سڑکوں سے گذرتی ہوئی شاہدار اولی سڑک پر ہوئی۔

پھر کچھ دیر بعد ایک کچے راستے پر مڑ گئی تھی۔ اوچی اوچی جہاڑیوں کے درمیان خاصا کشادہ

راستہ تھا۔ سفر کا اختتام ایک چھوٹی سی ساغورہ عمارت کے سامنے ہوا۔۔۔ ابھی فضاء میں اتنی

اجلاہت موجود تھی کہ عمارت کی ساخت کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا تھا۔

جوزف سے اتنے کو کہا گیا۔ پچھلی سیٹ والا پہلے ہی نیچے اتر گیا تھا۔ اور پتوں کی نال جوزف کی کھوپڑی کی طرف اٹھی ہوئی تھی۔

جوزف کو ایک بار پھر مایوسی کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ کیونکہ وہ دونوں بے غیرت تھوڑی دیر بعد پھر آپس میں ہنسنے بولنے لگے تھے۔ اور سلیمان کا لپٹا ہوا بستر دوبارہ بخل گیا تھا۔

جوزف تو سمجھا تھا کہ اس بار ذرا کچھ نامناسب سی ہوئی ہے۔ لہذا سلیمان ضرور بھاگ نکلے گا۔ وہ تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ سلیمان اس حد تک ڈھیٹ ہو گیا ہے کہ کسی ہیڈ کا نیسل کے حوالے پر بھی اس کی اناکو نہیں نہ لگے گی۔

”بے غیرت.... بے غیرت....!“ اس کے ذہن نے سکرار شروع کر دی۔ اور وہ آکتا کہ گھر سے نکل بھاگا۔ عمران بھی موجود نہیں تھا۔ صرف انہی دونوں کے قبیقے پورے فلیٹ میں گونج رہے تھے۔ جوزف نے سوچا تھا کہ نیشن کی طرف جانکلے گا۔ اور کچھ دیر کے لئے اس کی عقل مندی کی باتوں سے جی بھلانے کی صورت نکال لے گا۔

کئی منٹ تک سڑک کے کنارے کھڑا رہا۔ لیکن کوئی خالی نیکسی نہ ملی۔ لہذا جلا کر پیدل ہی چل پڑا۔ دینے الگے موز پر نیکسی مل جانے کی بھی موقع تھی۔

وختا ایک گاڑی اس کے قریب ہی رکی۔ بریک چڑپڑائے تھے۔ اور وہ اسکی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔ گاڑی سے اس کا فاصلہ بیشکل دوست رہا ہو گا۔

پچھلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے آدمی سے نگاہیں چار ہوئی تھیں۔ اور اس نے یہ بھی دیکھا تھا کہ اس کے ہاتھوں میں دبے ہوئے کپڑے کے بندل سے کوئی سیاہ ہی چیز جھاٹک رہی ہے۔

پتوں کا سائلنر پیچان لینے میں لکنی دیر گئی۔ اس نے متحیرانہ انداز میں پلکیں جھپکائیں۔

”چپ چاپ ڈرائیور کے پاس بیٹھ جاؤ!“ پچھلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے آدمی نے سرد بجھ میں

”بھائی!“ دھنٹا وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ”تم سمجھتے ہو گے کہ شائد میں نے تم سے پتوں چینی کی کوشش کی تھی۔ ایسا ہر گز نہیں ہوا تھا۔!  
”کیا کہنا چاہتے ہو....!“

”پینے کو کچھ ہو تو لاو۔ میرا نشہ اکھڑ رہا ہے۔!  
”میا تم سے کوئی سو شل وزٹ سمجھتے ہو۔“ پتوں والا خس کر بولا۔

”میں سرے سے کچھ سمجھتا ہی نہیں۔ یہ تواب تم لوگ سمجھاؤ گے کہ اس تکفیں دھی کا مقصد کیا ہے؟“  
”وہ ساتوں کہاں ہیں!“ کسی نادیدہ آدمی کی آواز آئی۔ جوزف بوکھلا کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔ لیکن کوئی دھکائی نہ دیا۔

”میا مجھ سے کچھ پوچھا جا رہا ہے۔“ جوزف نے رازدارانہ انداز میں پتوں والے سے سوال کیا۔

”ہاں... جواب دو!“ پتوں والا بولا۔

”کن ساتوں کے بارے میں پوچھا جا رہا ہے۔ میں کچھ نہیں سمجھا!“  
”وہ ساتوں طالب علم جن میں ایک لڑکی بھی شامل ہے۔!  
”یقین کرو... میں کچھ بھی نہیں جانتا!“

”اچھی بات ہے... تو پھر مرنے کے لئے تیار ہو جاؤ!“ نادیدہ آدمی کی آواز آئی۔!  
”لیکن میں خواہ مخواہ مارا جاؤں گا۔ اگر جانتا ہو تاون بتا کر مجھے بختی خوشی ہوتی اس کا تم اندازہ بھی نہیں کر سکتے!“

”عمران کہاں ہے؟“

”جب میں گھر سے لکھا ہوں اس وقت کہیں گئے ہوئے تھے۔!  
”اس کے دوسرے ٹھکانوں کے پتے دو!“

”ان کے ٹھکانے!“ جوزف کے لمحے میں حیرت تھی۔ پھر وہ غناک آواز میں بولا۔ ”جب سے باورچی کی شادی ہوئی ہے بالکل یہی بے ٹھکانہ ہو گئے ہیں۔“

”اگر تم نے نہ بتایا تو تمہارے سارے ناخن ایک ایک کر کے کھینچ لئے جائیں گے۔!“

”میں ہاتھ اٹھاو اُپر۔ بیہاں جمارے علاوہ اور کوئی دیکھنے والا نہیں ہے۔!“ پتوں والے نے کہد ”مجھے کوئی اعتراض نہیں!“ جوزف ہاتھ اٹھاتا ہوا بولا۔ ”لیکن ایک ہی جگہ کھڑے کھڑے گھنٹوں ہاتھ اٹھائے رہ سکتا ہوں۔!  
”داہیں مڑو... اور چل پڑو...!“

”مجھے بات تو پوری کر لینے دو۔ میں یہ کہنا چاہتا تھا کہ ہاتھ اوپر اٹھا کر چلنے میں مجھے دشواری ہوتی ہے۔ اگر گر پڑا تو خواہ مخواہ تمہیں دشواری ہو گی۔“

”چلو!“ وہ دھماڑا۔ اور جوزف سال سو سال کے کسی بچے کے سے انداز میں لڑکھرا تاہماں عمارت کی طرف بڑھنے لگا۔

اور پھر تجھ چڑھی پڑا ہوتا۔ اگر پتوں والے نے آگے بڑھ کر اپنے بائیں ہاتھ سے سہارانہ دیا ہوتا۔ بس اتنا ہی کافی تھا۔ جوزف نے پلٹ کر اس کے پتوں پر ہاتھ ڈال دیا۔ لیکن دوسرے یہ لمحے میں اسین گن کا تھقہہ سناتھا۔ اور اس کے قریب ہی زمین سے دھول کا مرغول فھا میں بلند ہونے لگا تھا۔... بڑی پھر تھی سے ایک طرف ہٹ کر اس نے پھر ہاتھ اٹھا دیئے۔ صدر دروازے کے قریب ایک تاریک ہیولی اسین گن سنجا لے کر اٹھا۔

جوزف ہاتھ اٹھائے آنکھیں چھاڑ چھاڑ کر اسے دیکھ رہا تھا۔

”اندر چلو...!“ پتوں والے نے اسے دھکا دیا۔ وہ چل پڑا تھا۔ لیکن چال میں پہلے ہی کی کی لڑکھڑاہٹ تھی!“

جوزف کو ایک کرے میں لایا گیا۔ جہاں تمن بڑے کیڑوں میں یمپ روشن تھے۔ وہ چند ہیلائی ہوئی سی آنکھوں سے چاروں طرف دیکھنے لگا۔

اسین گن والا ساتھ نہیں آیا تھا۔! جوزف نے ان دونوں کی طرف ہاتھ اٹھایا تھا۔ جو اسے بیہاں تک لائے تھے۔

”کیا بات ہے!“ پتوں والے نے غصیلے لمحے میں کہا۔ ”اپنے ہاتھ اوپر اٹھائے رکھو۔“ پھر اس نے اپنے ساتھی سے کہا تھا کہ وہ جوزف کے ہولٹر سے ریو اور نکال لے۔... جوزف نے بے چون وچ اسے ریو اور نکالنے دیا تھا۔ اچھی طرح جانتا تھا کہ وہ آدمی غافل نہ ہوا جس نے اسین گن سے فائز کئے تھے۔

اشین گن کے فائزوں کی آوازیں پہلے کی نسبت اب کچھ دور کی معلوم ہونے لگی تھیں۔  
ریا اور ووں کے بھی کئی فائزائی دیئے۔ اور پھر جوزف نے اس آدمی پر چلا گک لگادی۔  
جس نے اس کے بغیر ہولش سے ریا اور نکالا قدر ریا الورا بھی سک اس کے ہاتھ میں تھا۔  
”خبردار... خبردار....!“ پستول والا جوزف کو دھمکیاں دیتا ہوا پیچے ہٹا لیکن اتنی دیر میں  
وہ نہ صرف اپنے ریا اور پر قبضہ کر چکا تھا بلکہ دوسرے آدمی کو ڈھال بناتا ہوا پستول والے سے بولا  
تھا۔ ”پستول زمین پر ڈال دو!“

وہ شواری میں پڑ گیا۔ جوزف پر فائز کرنے کے لئے اپنے ساتھی ہی کو چھیدنا پڑتا۔  
و فیضا بہر سنا چھا گیا۔ نہ اشین گن کے فائزائی دیئے تھے اور نہ کسی اور قسم کی آواز...!  
”کیا تم نے سن نہیں....!“ جوزف غریباً اور ریا اور کی نال اپنے شکار کی کپٹی پر رکھ دی۔  
”پھر... پھریک دو پستول....!“ شکار ہکایا۔

بالآخر اس نے پستول فرش پر ڈال دیا تھا اور اپنے دونوں ہاتھ اور اٹھادیے تھے۔  
اچانک کوئی اس کرے میں داخل ہوا۔ اور یہاں کی پچویش دیکھ کر دروازے کے قریب  
نیک گیا۔

”سنجل کر مسٹر صدر...!“ جوزف نے دانت نکال دیئے۔  
صدر نے سب سے پہلے فرش پر ڈاہو پستول اٹھایا تھا۔  
جوزف نے اپنے شکار کو دھکایا اور وہ دوسرے آدمی سے جا گکرا یا۔  
”اشین گن کس نے چلائی تھی!“ صدر انہیں گھورتا ہوا بولا۔  
”ان میں سے کوئی بھی نہیں تھا۔!“ جوزف بولا۔ ”کیا وہ تیرا آدمی ہاتھ نہیں آیا۔ اسی کے  
پاس اشین گن تھی!“

”انہیں لے چلا ہے!“ صدر ان دونوں کی طرف ہاتھ اٹھا کر بولا۔!  
انہی کی نائیوں سے ان کے ہاتھ پشت پر باندھ گئے تھے۔  
”کیا تم تھا ہو مسٹر!“ جوزف نے صدر سے پوچھا۔

”نہیں۔ چلو کلو جلدی۔... وہ لوگ تیرے آدمی کی جلاش میں ہیں!“  
اس کرے سے نکل کر وہ صدر دروازے کی طرف بڑھے تھے۔ صدر نے پہلے باہر نکلنا چاہا تھا

”سنبھالی اگر مجھے علم بھی ہوتا تو مقصد معلوم کے بغیر ہرگز نہ بتاتا۔ ویسے اگر تم کہو تو خود  
ہی اپنے سارے ناخن کھینچ کر تمہاری ہتھیلی پر رکھ دوں۔“

”تم شاکنڈہ درگور ہی ہونا چاہتے ہو!“  
”میں صرف ان کے دو ٹھکانوں سے واقف ہوں ایک فلیٹ اور دوسرا۔...“ جوزف جملہ  
پورا کئے بغیر خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا۔

”ہاں دوسرا!“  
”مپ ٹاپ ناٹ کلب....!“  
”دہاں رہنے کا انتظام نہیں ہے!“  
”میرا مطلب تھا جس رات گھر پر نہیں ہوتے کلب میں ہوتے ہیں۔ ان کے علاوہ بھی کوئی  
اور ٹھکانہ ہو تو مجھے علم نہیں!“

”تمہاری کیا حاشیت ہے!“  
”میں ان کا بادی گارڈ ہوں!“  
”اے بادی گارڈ کئے کی کیا ضرورت ہے!“  
”نام کا بادی گارڈ ہوں مسٹر۔ انہوں نے مجھ میسے نہ جانے کتنے پال رکھے ہیں!“

”آتنا پہہ کہاں سے آتا ہے!“  
”میں نے کبھی معلوم کرنے کی ضرورت نہیں محسوس کی!“  
”کیا یہ غلط ہے کہ وہ لوگوں کو بلیک میل کرتا ہے۔ اور اگر وہ اس کے مطالبات پورے نہیں  
کرتے تو وہ پولیس کو ان کی راہ پر لگا دیتا ہے!“  
جوزف کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔ اور وہ سر ہلاکر بولا تھا۔ ”تمہارا  
خیال اس حد تک درست ہے کہ ہر قسم کے لوگوں کو نہیں بلکہ صرف ان مجرموں کو بلیک میل  
کرتے ہیں جو بظاہر اچھی سوچل پوزیشن کے حامل بھی ہوتے ہیں۔!“

ٹھیک اسی وقت دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز نمائی دی تھی اور ایک بار پھر اشین گن کے  
فائز نہ ہوئے تھے۔ جوزف نے مجرم مجرمی کی دوں گمراں بھی کسی قدر متوضہ سے  
نظر آنے لگے تھے۔ پھر ایسا محسوس ہوا جیسے کچھ لوگ دھماکہ چھٹ پر کو دے ہوں۔

لیکن جوزف نے اسکا بازو پکڑ کر کھینچنے ہوئے کہا۔ ”ٹھہر و مشر۔ اتنی جلدی بھی ٹھیک نہیں ہے۔“  
”کیا بات ہے!“ صدر جھنجڑا گیا۔

”پہلے ان دونوں کو پاہر نکالو۔ تم دیکھتے نہیں کہ کتنا ندھیر آہے۔“  
”اوہ....!“ صدر کو عقل آگئی۔

”ہم نہیں لٹکیں گے۔“ ان میں سے ایک بولا۔  
”کیوں....!“ صدر غرایا۔

”تم شاندار ندھر ہے دو۔ لیکن وہ....!“  
”پوری بات کرو۔!“

”ہمارا بس اپنے آدمیوں کو دوسروں کے قبضے میں زندہ نہیں رہنے دیتا۔“  
”تو وہ تمہارا بس تھا جس نے اشیں گن سے فارٹنگ کی تھی۔“ جوزف نے پوچھا۔

”ہاں بس تھی تھا۔!“  
”وہ کون ہے۔!“

”مالک ہے....!“  
”میں نام پوچھ رہا ہوں....!“  
”شنورو....!“

”نام نیا ہے....!“  
”نام لینے کا حکم نہیں صرف بس کھلاتا ہے....!“

”کہاں رہتا ہے....!“  
”ہم نہیں جانتے....!“

”چلو.... نکلو بہر.... ہمارے آدمی بھی ہیں۔!  
”یہ باڑی گارڈ آپ سے زیادہ تجربہ کار ہے.... بس کہیں آس پاس ہی موجود ہو گا وہ ہمیں  
لوگوں کے ہتھے نہیں چڑھنے دے گا۔ آج تک اُس نے اپنے کسی آدمی کو بے بس نہیں ہونے  
کہتا ہے کہ بے بسی سے موت اچھی۔!  
صدر کچھ کہنے تی والا تھا کہ اس کا دم گھٹ کر رہ گیا۔ ایسا ہی زبردست دھماکہ تھا وہ سب اُ

کے اوپر ایک ڈھیر ہوتے چلے گئے تھے۔ اور کسی کو اس کا ہوش نہیں رہا تھا کہ اس کے اوپر چھٹ کا  
سنٹا لمبہ گرا تھا۔!

کسی پر کچھ بھی بیٹی ہو۔! لیکن جوزف نے ہوش میں آتے ہی سب سے پہلے صدر کو آواز دی  
تھی اور اسکے بیٹھنے کی کوشش کی تھی۔ آنکھوں سے کچھ بھائی نہیں دیتا تھا۔.... پھر آہستہ  
مدھم سی روشنی کا احساس ہوا تھا اور یہ روشنی بتدریج تیز ہوئی گئی تھی۔ پھر وہ کراہنے لگا تھا۔ کیونکہ  
بات پوری طرح سمجھ میں آگئی تھی.... وہ کسی ہسپتال کے کمرے میں تھا قریب ہی زس کھڑی  
نظر آئی۔

”اٹھنے کی کوشش مت کرو۔ تمہاری ناگ ک پر پلاسٹر پڑھا ہوا ہے....!“

”ہاں.... شام کے..... کیا کئی ٹکڑے ہو گئے ہیں ناگ کے....!“

”نہیں ایک سپل فر کچھ ہے۔ پریشانی کی بات نہیں۔!“

”اور میرے ساتھی....!“

”ایک صاحب اور ہیں جن کے بازو کا گوشت اوہڑ گیا ہے۔!“

”کیا نام ہے۔!“ جوزف نے مضطربانہ انداز میں پوچھا۔

”مشر صدر....!“

”اور وہ دونوں....!“

”بس یہاں آپ ہی دونوں ہیں۔!“ رس نے کہا تھا اور قریب ہی رکھے ہوئے فون پر کسی کو  
جوزف کے ہوش میں آجائے کی اطلاع دی تھی۔

اور پھر پندرہ ہیاتیں منٹ بعد جوزف عمران کی ٹھیک دیکھتے ہی کھل اٹھا تھا۔

”سب ٹھیک ہے۔!“ عمران سر ہلا کر بولا۔ ”تیری خواہش تھی تاکہ قلیث سے نکل بھاگے۔  
بل اب یہیں پڑا رہے....!“

”لیکن یہ سب کیا تھا بس! اس بار تم نے مجھے کچھ بھی نہیں بتایا تھا۔!“

”بس ہے ایک خطرناک جانور.... ایک بار پھر ہاتھ سے نکل گیا۔!“

”کیا وہ دونوں زندہ ہیں۔“

”بالکل محفوظ ہیں۔ جسموں پر ہلکی سی خراش بھی نہیں آئی۔ صرف بیو ش ہو گئے تھے۔“

”هم دونوں کے نیچے تھے۔ سارا المیر تو ہمیں دونوں پر گرا تھا۔“

”ایک تر چھے گرنے والے شہیر نے ملے کا زیادہ حصہ نیچے نہیں آنے دیا تھا ورنہ کوئی بھی نہ پچھا!“

”لیکن تم تھیک اسی جگہ کیسے آپنچھے تھے...!“

”فیصل کی مگر انی کر اتا رہا تھا۔ نہ صرف فیصل کی بلکہ تیری اور سلیمان کی بھی!“

”تو گویا تمہیں پہلے ہی سے شہید تھا...!“

”حرکتیں ہی ایسی ہوتی ہیں میری کہ خود ہی اپنا خیال بھی رکھنا پڑتا ہے! بہر حال پہلے“

”اسین گن سے فائزگ کرتا رہا تھا۔ اور پھر تھوڑی دیر بعد ستی بم پھیلنے شروع کر دیئے تھے!“

”میں نے اس کی شکل نہیں دیکھی تھی!“ جوزف نے کہا ”صرف آواز ستارہ تھا۔ وہ تمہیں بلکہ مسئلہ سمجھتا ہے تمہارے ٹھکانے پوچھ رہا تھا۔ کہہ رہا تھا کہ جو مجرم تمہارے ہاتھوں بلکہ میں ہونے پر تیار نہیں ہوتے انہیں تم پولیس کے حوالے کر دیتے ہو...!“

”یہ بڑی اچھی اطلاع ہے میرے لئے!“

”انہوں نے اس کا نام شہزاد بتایا تھا!“

”اور خاصی خوفناک شکل والا ہے۔ کوئی خونخوار قسم کا ہبھی معلوم ہوتا ہے ان دونوں کے بیان کے مطابق۔!“

”تو تم بھی اس کی شکل نہیں دیکھ سکتے تھے۔“

”نہیں.... لیکن شاکر جلد ہی دیکھ سکوں!“

”محاط رہنا باس.... بے حد خطرناک آدمی معلوم ہوتا ہے!“

”فکرنا کرو....!“

”اس کا ٹھکانہ بھی معلوم ہوا ان لوگوں سے....!“

”نہیں.... ان کا بیان ہے کہ اس کی اصل قیام گاہ سے کوئی بھی واقف نہیں ہے۔ اور“

”کبھی کبھی ان کے سامنے آتا ہے۔“

”خاصاً سلحہ بھی معلوم ہوتا ہے اس کے پاس۔!“

”ہاں تباہ ہو جانے والی عمارت سے آدھے فرلاگ کے فاصلے پر ایک چھوٹے سے غار میں“

اسلے کا ذخیرہ ملا ہے....!“

جوزف خاموش ہو کر چھت کی طرف دیکھنے لگا۔ اس کی آنکھوں سے گہری فکر مندی ظاہر ہو رہی تھی....!

”بن اب سیکھ پڑا رہنے بھر تک....!“ عمران تھوڑی دیر بعد بولا۔

”لیکن باس۔ میری بو تکوں کا کیا ہو گا!“

”کیوں شامت آئی ہے.... ہبتال میں پہنچنے گا جہاں ہر وقت ملک الموت کی آمد و رفت جاری رہتی ہے۔!“

”یہ نہیں ہو سکتا باس.... اس سے تو ہبھری ہوتا کہ گردن ہی کی ہڈی ٹوٹ جاتی۔“

”یہاں ناممکن ہے.... بکواس مت کرو۔“

”خدا کے لئے باس۔!“

”میں کچھ نہیں کر سکت!“ کہتا ہو اعمران کمرے سے نکل گیا۔

جوزف کا داماغ پھکرانے لگا تھا۔ یہ سوچ کر کہ یہاں کے دوران قیام میں شراب نہیں ملے گی! قرباً آدھے گھٹے بعد سے آنکھیں کھولنی پڑی تھیں۔ کوئی آیا تھا۔

”آہا تم ڈونوں!“ جوزف کے دانت نکل پڑے۔

”ہائے کائیں بھیا۔ تجھے میری بھی عمر لگ جائے۔“ گرخ روہانی ہو کر بولی تھی۔

ایک وزنی سی باسک اس کے ہاتھ میں تھی۔ شامہ جوزف کے لئے پھل لائی تھی۔ سلیمان مر جھکائے کھڑا تھا۔

”ارے بیٹھو۔ ٹم ڈونوں....!“ جوزف بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

”بیٹھ جائیں گے....“ سلیمان نہ اسامدہ بنا کر بولا۔ سالے کتنی بار تجھے سمجھایا ہے کہ کھانا پکانا سکھ لے۔ کہیں بادر پری گلوادوں گا.... ایسے کاموں میں تو یہی ہوتا ہے۔ کسی دن بڑے صاحب کا بھی شایی کتاب بنا پڑا ہو گا!“

”چپ رہ کیسی بدقال زبان سے نکالتا ہے....!“ گلرخ بگزگنی۔

”چپ پ.... چپ پ.... یہاں نہیں لری گا ٹم ڈونوں۔“ جوزف گھکھلیا۔

اس نے گلرخ نے قرباً ایک فٹ لمبی اور چھپی سی پلاسٹک کی بوتل باسک سے نکالی تھی۔

اور جوزف سے بولی تھی۔ ”چکے سے بتر کے نیچے رکھ لو۔“  
”یہ کیا ہے۔“

”تمہاری دو بو تلمیں اسی میں الٹ لائی ہوں۔ صاحب کونہ معلوم ہونے پائے....!“  
جوزف نے بوتل اسی کے ہاتھ سے چپٹ کر چادر میں چھپائی تھی اور پھر اس کی آنکھیں  
بھینکنے لگی تھیں۔!

”میں نے سلیمان سے کہا تھا کہ بے موت مر جائے گا کالیا بھیا کوئی تدبیر کرو....!“  
”تم میرا ستر ہے تم میرا بیٹی ہے۔“ جوزف نے بھرا تھی ہوتی آواز میں کہا۔ دو موڑ  
موٹے قطرے اس کی آنکھوں سے ڈھلک گئے تھے۔

”ابے... ابے یہ کیا۔“ سلیمان بولا۔  
”سلیمان بھائی میرے کو معافی ڈو۔!“

”ابے کا ہے کی معافی....!“  
”میں تم پر جو گسا کرتا....!“  
”ابے چل سب ٹھیک ہے۔ بہت بڑا ہے دل میرا.... لیکن بیٹا ذرا ذرا سی پینا.... اور بڑا  
اعظیاط سے ورنہ اگر بھائڑا بچھوٹ گیا تو ہم کہیں کے نہ رہیں گے....!“

”ہم چوری چوری پینے گا۔ ذرا سی پینے گا۔!“  
گلرخ میز پر چل رکھ رہی تھی۔ جوزف نے اس کی طرف دیکھا اور آنکھیں بند کر لیں۔  
”جیسے آنسوؤں سے بھیگتا رہا....!“

## فرشته کا دستمن

(دوسری حصہ)

عمران سیریز نمبر 90

## پیشہ س

کیوں نہیں سوچا کہ ”خبیث“ یہ چاہتا ہے کہ اُس پر ”جینس“ کا دھوکا ہو۔ آپ یہ نہ سمجھیں کہ ”خبیث“ کو ”س“ سے لکھ دیا گیا ہے بلکہ یہ گمان گز رے کر کہیں ”جینس“ کے لئے اور شوٹے بے ترتیب نہ ہو گئے ہوں۔ بعض خبیث یہی چاہتے ہیں کہ انہیں جینس سمجھا جائے۔ (خدا کرے آپ راقم المحرف کو جینس نہ سمجھتے ہوں)۔

اب آئیے ایک خاص قسم کے خط کی طرف ایک ”ایم۔ اے“ بھائی نے ”علامہ دہشت ناک“ میں عمران کے ایک مکالمے کو میرے نظریات کی تبدیلی پر محوال کیا ہے۔ عمران.... عمران ہے جناب! ایک ایسی لڑکی کو ڈھب پر لانا چاہتا تھا جو اس کی ہم مسلک نہیں ہے۔ لہذا سر کے مل بھی کھڑا ہو سکتا ہے۔ وہ عمران کے جملے ہیں۔ ابن صفی کے نہیں۔ میں نے کردار نگاری اور اظہارِ واقعیت کا حق ادا کرنے کی کوشش کی ہے اور یہ اُسی وقت ممکن ہے جب مصنف اپنے ذاتی نظریات سے لا تعلق ہو جائے۔ ویسے کوئی بھی اس امثل حقیقت سے انکار نہیں کر سکتا کہ نظریات کا.... اختلاف ہی دو افراد کے درمیان دیوار بنتا ہے اور نظریات کے بغیر زندگی بسر کرنا بھی مشکل۔ نظریات نہ ہوتے تو یہ دنیا آج بھی جنگل ہوتی۔ لہذا میری طرف سے دل صاف کیجئے اور ناول کو ناول ہی رہنے دیجئے۔!!

والسلام

ابن صفحہ

۱۹ مارچ ۱۹۷۶ء

زیر بحث ہے اس کتاب کا اشتہار جو ”علامہ دہشت ناک“ میں شائع ہوا تھا اور اس بحث میں پڑنے سے پہلے یہ عرض کروں کہ ... ”فرشے کا دشمن“ پورے اشتہار پر محيط نہیں ہے۔ وجہ ظاہر ہے! کہانی پھیلاو اغتیار کر گئی ہے، اس حد تک کہ ایک عدد خاص نمبر کا مطالبہ کر رہی ہے۔ عام شمارے سے کام نہیں چلے گا۔ لہذا اگلا ناول خاص نمبر کی صورت میں پیش کروں گا۔

بہت دنوں بعد ایک ایسا کردار ہاتھ لگا ہے جس سے فوراً ہی پیچھا چھڑا لینے کو دل نہیں چاہتا.... ایسی ہی خواہش کا اظہار زیادہ تر پڑھنے والوں کی طرف سے بھی ہوا ہے۔ یعنی علامہ کو مختصر مدت میں پیٹا دینے سے گریز کیا جائے۔ ہاں تو اشتہار کی اس ”غلطی“ کی طرف بہتوں نے توجہ دلائی ہے کہ خبیث کا المادرست نہیں ہے۔ پروف ریڈرن نے اُسے ”خوبیں“ ہی رہنے دیا ہے! غلط کتابت کی اصلاح نہیں فرمائی۔

بھائی! آپ یہ کیوں نہیں سوچتے کہ ”خبیث“ میک اپ میں بھی ہو سکتا ہے۔ آخر ایک پُر اسرار کہانی کا اشتہار تھا۔ آپ نے یہ

وہیں مقیم تھے کہ حوالی پر وہ ملا نازل ہوئی۔ پھر انہیں وطن واپس آنا پڑا تھا!

وہ اب بھی پہلے ہی جیسے نرم دل اور نیک طبیعت تھے۔ قلمی نے وسیع النظری بھی عطا کر دی تھی اور وہ قبیلے کے دوسرے افراد کو حقیر نہیں سمجھتے تھے۔ اگر کسی کو ان کی مدد کی ضرورت ہوتی تو انہیں دامے درمے قدے خنہ ہر طرح تیار پاتا۔ قبیلے والوں کا خیال تھا کہ شیاطین کے درمیان ایک فرشتہ اتنا را گیا اور شیاطین اٹھائے گئے۔

میاں تو قیر محمد صورت سے بھی معصوم لگتے تھے! آنکھوں میں بلا کی نرمی تھی۔ اور لمحے میں اتنی محسوس تھی کہ بس وہ بولتے رہیں اور سننے والے سنتے رہیں!

موجودہ حکمرانوں میں بھی وہ قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ حکمران پارٹی کے ایک سرگرم کارکن بھی تھے۔ اور اپنے صلح کی شاخ میں چیزیں میں کا عہدہ رکھتے تھے۔ اور صحیح معنوں میں انہی پر عوام کا خادم ہونا صادق آتا تھا۔ حوالی کی رہائش ترک کر دی تھی! تمیں کروں کے ایک چھوٹے سے مکان میں ایک ملازم کے ساتھ قیام پذیر تھے!

انہیں اعتراف تھا کہ ان کے اجداد اجھے لوگ نہیں تھے۔ اسی لئے شادی نہیں کی تھی کہ اس نسل کو اپنی ہی ذات پر ختم کر دینا چاہتے تھے..... کھل کر کہتے تھے ہو سکتا ہے ان کی اولاد اجداد ہی کے سے خالماںہ رجھاتا لے کر پیدا ہو۔ لہذا خطرہ مول لینے سے کیا فائدہ۔

کچھ ایسے بھی تھے جو یہ سمجھتے تھے کہ خاندان میں پے در پے اموات کے صدمے سے میاں صاحب صحیح الدماغ نہیں رہ گئے۔ ورنہ سانپ کے بچے سانپ ہی ہوتے ہیں۔

جب دبے خدمتِ خلق کا یہ عالم تھا کہ بارشوں میں بیکٹے پھرتے تھے۔ یہ دیکھنے کے لئے کہ قبیلے کی مکان کو بارش سے نقصان تو نہیں پہنچا۔ کسی کو ان کی مدد کی ضرورت تو نہیں۔ ان کے مزار عین گویا ملک کے خوش قسم ترین مزار عین میں سے تھے۔ ان کی حالت سدھر گئی تھی کبھی خوشحال ہو گئے تھے۔ میاں صاحب نے پشت ہاپٹ سے چلے آنے والے سارے قرضے معاف کر دیے تھے۔ اپنے کارندوں کو سختی سے ہدایت کر دی تھی کہ ان کی زمین پر بننے والوں سے بے گارنٹی جائے.... اجر تین فوراً ادا کی جائیں....!

بہر حال وہ بھی خوش تھے۔ اور قبیلے والے بھی کہ اچاک قبیلہ جھریام میں سو شیا لوگی کی طالبات کا ایک گروپ فیلڈورک کے لئے وارد ہوا جس کی میزبانی کے فرائض میاں صاحب ہی کو

میاں تو قیر محمد جھریام خوش شکل جامد زیب اور صحت مند آدمی تھے۔ عمر تیس اور چالیس کے درمیان رہی ہو گی۔ ضلع احمد پور کے بڑے روسامے میں شمار ہوتا تھا.... لیکن تنہا تھے قبیلہ جھریام کی سب سے بڑی قلعہ نما عمارت میں بالکل تنہا.... گولمازوں کی بہتات تھی۔ لیکن ”نہایت جو خون کے رشتوں سے یا ذہنی لگاؤ کی بنا پر رفع ہوتی ہے بدستور برقرار رہتی تھی۔

بھرپوری حوالی چند ماہ کے اندر اندر ویران ہو گئی تھی.... سارے افراد کی نہ اسرار و بابکے شکار ہوئے تھے۔ عجیب وباء تھی کہ صرف میاں صاحب کے افراد خاندان کو چٹ کر گئی تھی۔ نہ تو کوئی ملازم اس کی لپیٹ میں آیا تھا اور نہ قبیلے ہی کا کوئی فرد۔

شائد میاں تو قیر محمد اس لئے محظوظ رہے تھے کہ ان دونوں ان کا قیام اس حوالی میں نہیں تھا! ملک ہی میں نہیں تھے! یوکے میں مقیم تھے!

اوھ جھریام کے باشندے اسے خدا کا قبر سمجھتے تھے جو بالآخر اس خاندان پر نازل ہی ہو گیا تھا.... اتنے خالم لوگ تھے اس حوالی کے میں کہ ان کے مظلوم کی داستان بھی صرف سرگوشیوں میں بیان کی جاتی تھی۔ قبیلے میں کون تھا جو ان کے آگے سراخا کستا۔ حوالی کے میں قبیلے کی تھی آبادی کو اپنی رعلیا سمجھتے تھے۔

وہ بالکل تھا اس قبیلے کے! علاقے کا تھا نے دار بھی ان سے آنکھیں ملا کر گفتگو نہیں کر سکتا تھا لیکن میاں تو قیر محمد ابتداء ہی سے نیک دل اور خدا ترست تھے۔ شائد اسی لئے ہوش سنجائے کے بعد سے جھریام میں کبھی نہیں نکلے تھے۔ احمد پور شہر میں مقیم رہ کر میڑک تک تعلیم حاصل کی تھی اور پھر پیر و ملک نکل بھاگے تھے۔ بقیہ تعلیم یو۔ میں رہ کر مکمل کی تھی۔ اور ابھی

ادا کرنے تھے۔

گروپ کی انسٹرکٹر ایک خاصی دل کش عورت تھی۔ عمر پچیس اور تمیں کے درمیان رہی ہو گی۔ گداز جسم اور نیخلی آنکھوں والی تھی۔

پتہ نہیں کیوں اس پر نظر پڑتے ہی میاں صاحب کو چاہ بابل کے فرشتے یاد آگئے تھے حالانکہ اس کا نام زہرہ نہیں تھا۔ فرحانہ جاوید کہلاتی تھی۔

وہ کچھ بھی رہی ہو لیکن کیا ضروری تھا کہ میاں صاحب کی ذات میں شدت سے دل جسم بھی لینے لگتی۔ میاں صاحب جب بھی اس کی طرف متوجہ ہوتے۔ اسے اپنی ہی جانب مگر ان پاتے اور پھر دیکھنے کا انداز ایسا ہوا تا جیسے سو جان سے ان پر فدا ہو جائے گی۔

میاں صاحب نے کئی سال یو۔ کے اور یو پر کے دوسرا ممالک میں گزارے تھے عورت ان کے لئے کوئی عجوبہ نہیں تھی۔ ہر چند کہ محتاط زندگی بر کرتے رہے تھے۔ لیکن بہر حال مختلف قسم کی خواتین میں امہنا بیٹھنا بھی رہتا تھا۔۔۔ لیکن یہ عورت۔۔۔ ان جانے کیوں ان کے حواس پر چھائی جا رہی تھی۔

میاں صاحب نے اس گروپ کے قیام کا انتظام حوالی میں کیا تھا۔ لیکن ان کے ساتھ خود بھی دیں منتقل نہیں ہو گئے تھے۔ مہماں کو اس پر حیرت تھی کہ میاں صاحب اتنی شاندار اور آرام وہ حوالی کو خیر باد کہہ کر ایک معمولی سے مکان میں کیوں جا بے ہیں۔

”مجھے عام آدمیوں کی طرح زندگی بر کرنا پسند ہے۔“ انہوں نے فرحانہ جاوید کے استفار کے جواب میں کہا تھا۔

”آپ حیرت انگیز ہیں جناب۔“

”نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔“ میاں صاحب شرما کر بولے تھے اور وہ قربان ہو جانے والے انداز میں ان کی طرف دیکھتی رہی تھی۔

فیلڈ ورک کے دوران میں اس گروپ نے خصوصیت سے میاں صاحب کے بارے میں معلومات حاصل کی تھیں۔ اور نہ جانے کیوں فرحانہ جاوید نے فیلڈ ورک کی مدت ایک ہفتے سے بڑھا کر دس یوم کر دی تھی۔

فرحانہ جاوید سو شیالوچی کی لیکچر ار تھی اور وہ سب اس کی طالبات تھیں۔ لہذا اس کو پروگرام

میں روبدل کرنے کا اختیار حاصل تھا۔ اس نے پروگرام میں اس تبدیلی کی اطلاع دی تو وہ غیر شوری طور پر کھل اٹھے۔

”مجھے خوشی ہے کہ آپ کی میزبانی کا شرف کچھ دن اور حاصل رہے گا!“ انہوں نے کہا۔

”میں تو سوچ رہی تھی کہ خواہ جواہ ہم لوگ آپ پر باربٹے ہوئے ہیں۔“

”ہرگز نہیں۔ ہرگز نہیں۔ یہ کہہ کر آپ مجھے تکلیف پہنچا رہی ہیں!“

”آپ واقعی عظیم ہیں!“

”ارے نہیں.... اس عظیم کائنات کا ایک حقیر ترین ذرہ!“

”مکمل ترین انسان!“ فرحانہ ان کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی مسکراتی اور میاں صاحب کے دل میں عجیب قسم کی لگدگدی سی ہونے لگی۔

وہ رات انہیں آنکھوں میں کامی پڑی تھی۔ پتا نہیں کیسی خلش تھی۔ بار بار سوچتے تھے کہ بالآخر ایک دن وہ چلی جائے گی؟ پھر کیا ہو گا؟ آخر وہ ایسی باتیں کیوں سوچ رہے ہیں!

دوسری صبح پھر ایک اچنچھا سامنے کھڑا تھا۔ ریلوے اسٹیشن کا خصوصی ہر کارہ ان کے لئے ایک میلی گرافک پیغام لایا تھا جو کسی مس جولیانا فنٹر واٹر کی طرف سے تھا۔ جولیانا فنٹر واٹر نے انہیں اطلاع دی تھی کہ وہ پانچ بجے والی ثرین بے جھرمی ریلوے اسٹیشن پر پہنچ رہی ہے۔ اس کی رہنمائی کے لئے کسی کو بھیجا جائے۔

پہلے تو میاں صاحب یہی سمجھے تھے کہ وہ بھی اس گروپ سے تعلق رکھنے والی کوئی لڑکی ہو گی۔ جو اس وقت اس گروپ میں شامل نہ ہو سکنے کی بنا پر پیچھے رہ گئی تھی۔ لیکن جب فرحانہ جاوید نے اس کی طرف سے لاعلی کا اظہار کیا تو ان کی تشویش بڑھ گئی۔ آخر یہ کون ہے!

جو لیانا فنٹر واٹر....؟ یادداشت پر زور دینے لگے۔ لیکن یہ نام یاد نہ آسکا۔

وہ ساری خواتین ایک ایک کر کے یاد آئیں جن سے یو کے یادداشت پر ملاقات ہوئی تھی۔ لیکن جولیانا فنٹر واٹر.... اس نام کی تو کوئی بھی نہیں تھی۔ یا پھر رہی ہو۔ اور وہ صرف صورت آشنا ہوں۔ نام یاد نہ رہا ہو۔ شکل دیکھتے ہی یاد آجائے۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ لوگوں کے نام ذہنوں سے نکل جاتے ہیں۔ لیکن اچاک کہیں ملاقات ہو جانے پر سب کچھ یاد آ جاتا ہے!

وہ دن بھر اسی اور حیر بن میں پڑے رہے تھے۔ پھر شام کو انہوں نے اپنے مخبر کو ملی۔ اشیش بھیجا تھا! انه صرف میاں صاحب بلکہ ان کے مہمان بھی بڑی بے چینی سے اس انہی عورت کے منتظر تھے۔ اجنبی۔ بالکل ہی نیا چہرہ ثابت، ہوا تھا میاں صاحب کے لئے اور وہ سفید قام غیر ملکی عورت جو لیانا فنٹر واٹر ان سے اس طرح ملی تھی۔ جیسے برسوں ساتھ رہا ہو۔

”حیرت نہ سمجھے جتاب!“ وہ نہ کربولی۔ ”میں آپ کے بارے میں بہت کچھ سنتی روی ہوں۔ اس لئے کم از کم خود اجنبیت نہیں محسوس کر رہی!“ جو لیانا فنٹر نے نہ کر کہا تھا۔

”کس سے سنتی روی ہیں آپ؟“ میاں صاحب نے تذبذب کے ساتھ پوچھا۔ ”اوہ شاائد آپ پیرس کے لا میریے خاندان کو بھول گئے!“

”ہرگز نہیں.... کبھی نہیں۔ وہ سب تو میرے گھرے دوست ہیں!“

”تو جناب میں آپ کو اطلاع دیتی ہوں کہ میں مادام سائیموں دی لا میریے کی بھائی ہوں۔ میرے باپ سوئیں تھے!“

میاں صاحب یک بیک مغموم نظر آنے لگے اور بھرائی ہوئی آواز میں بولے۔ ”مجھے اس نیک دل خاتون کی موت کی اطلاع مل چکی ہے۔ کاش میں ان کی آخری رسوم میں شرک کر سکتا!“

”ہاں وہ بہت اچھی تھیں!“ جو لیانا فنٹر واٹر نے بھی مخفی سانس لی!“ بھر حال انہی لوگوں نے مجھ سے کہا تھا کہ اس سفر کے دوران میں آپ سے ضرور ملوں۔ پتا بھی دیا تھا اور خوش قسمتی ہے کہ بآسانی آپ تک پہنچ گئی۔ آپ تو بہت مشہور آدمی ہیں یہاں!“

”محض سیاسی کیریئر کی وجہ سے اور نہ ایسی کوئی خاص بات نہیں!“

”میں دراصل یہاں اس لئے آئی ہوں کہ آپ کے ملک کی دیہی زندگی سے متعلق ایک کتاب لکھوں!“ جو لیانا فنٹر کہا۔

”بڑی خوشی ہوئی.... میں اپنے تعاون کا یقین دلاتا ہوں محترمہ۔! جب تک دل چاہے یہاں کام کر سکے اور میں سے اپنا کام جاری رکھے!“

فرحانہ جاوید نے بُرا سامنہ بنا لیا تھا۔ لیکن کچھ بولی نہیں تھی۔ میاں صاحب نے اس کا تعارف کرایا۔

”مزید خوش نصیبی!“ جو لیانا فنٹر کر رہی تھی۔ ”میرے ستارے اچھے ہیں کہ آپ سے بھی ملاقات ہو گئی۔ خاصی مدد مل کے گی آپ سے!“

”لیکن میری مدت قیام زیادہ نہیں ہے۔ صرف چھ دن اور قیام کر سکوں گی!“ فرحانہ جاوید نے کہا۔

”چھ دن بہت ہوتے ہیں۔ میں محض دو دن میں آپ سے اپنی مفید مطلب معلومات حاصل کروں گی!“

میاں صاحب نے اس کے قیام کا انتظام بھی جو طی عی میں کیا تھا۔ چار دن میں فرحانہ نے ان کے ذہن پر پوری طرح قبضہ جمالیا تھا۔ اور وہ جو لیانا تک آمد سے تردید میں پڑ گئے تھے انہوں نے محسوس کر لیا تھا کہ فرحانہ کو اس کی موجودگی پسند نہیں آئی۔ جب وہ نہیں کر میاں صاحب سے گفتگو کرتی تھی تو فرحانہ اسے قبر آکوں نظر دیں سے گھورنے لگتی تھی!

میاں صاحب کے لئے یہ تجربہ نیا تھا۔ کوئی عورت ان کے لئے کسی دوسری عورت کو نفرت کی نگاہ سے دیکھ رہی تھی۔ عجیب سی لذت محسوس کی تھی میاں صاحب نے.... بالکل نئی پہلویں سے دوچار ہوئے تھے۔



عمران خاموش بیٹھا تویر کو گھورے جا رہا تھا۔ اور تویر کی زبان قیچی کی طرح چل رہی تھی۔ ایکس ٹو کوئر ابھلا کہہ رہا تھا۔ جس نے جو لیانا کو تھا کسی مہم پر شہر سے باہر بھیج دیا تھا اور خوش یار تویر صاحب!“ عمران بالآخر بولا۔ وہ کسی شخص صاحب کی اہل خانہ تو نہیں کہ اسے کوئی نہ لے گا.... تم اس کے بارے میں اپنے ماحول کے مطابق کیوں سوچتے ہو!“

”تمہیں کیوں نہ الگ رہا ہے!“

”تمہاری خیر و عافیت نیک مطلوب ہے۔ اگر کسی طرح علم ہو گیا سے کہ تم تشویش میں بتلا ہو تو کیا ہو گا!“

”اگر اسے علم بھی ہوا تو ذریعہ صرف تم ہو گے۔ کیونکہ اس وقت تمہارے علاوہ یہاں اور کوئی نہیں ہے....!“

"میرے دل گردے کی داد دو کہ تم جیسے ندیدے آدمی کے ساتھ تھا ہوں۔!"

"مجھے علم ہے کہ وہ بہتیرے کام تمہارے مشورے کے بغیر نہیں کرتا۔"

"پلوٹ لیم ہے پھر۔!"

"مجھے یقین ہے کہ تمہارے ہی مشورے پر اس نے اسے کہیں بھیجا ہے۔!"

"اڑے تو کیا جو لیا میری خالہ لگتی ہے کہ مشورہ نہ دیتا۔"

"تم نے مجھوں یا ہے۔!"

"مجھوں اتوسی نے ہے البتہ مشورہ دینے کی غلطی مجھ سے سرزد ہوئی تھی۔ دراصل اس نے کئی سو میل دور جا کر ایک آدمی سے عشق کر لیا ہے۔!"

"کیا؟" توریدہاڑ کر کھڑا ہو گیا۔

"یہی بات ہے!" عمران نے مخصوصیت سے کہا۔

"کہاں بھیجا ہے۔!"

"جلدہ اس نے مجھے نہیں بتائی تھی۔ صرف اتنا کہا تھا کہ جو لیا سے عشق کرانا چاہتا ہے....!"

"کیا بکواس ہے....!"

"تمنی دیکھو۔ اب وہ بھی کوئی گائے بھینس ہو گئی۔!"

"میں تمہاری زندگی تیخ نکر دوں گا۔!"

"کر کچکے ہو....! حیرت ہے کہ تمہیں اس کی اطلاع بھی نہیں.... تمہیں کیا پا کہ جب ہونٹ بھیجن کر مسکراتے ہو تو میرے دل پر کیا گزر تی ہے....!"

"نکل جاؤ میرے کمرے سے!" توریدہاڑ اٹھا کر دہاڑ۔

"یہ دن بھی دیکھنا تھا۔!" عمران نے اٹھنے ہوئے طویل سانس لی۔ پھر جماں بھی لی تھی۔ کاہلوں کے سے انداز میں چلتا ہوا کمرے سے نکل گیا تھا۔

اس وقت وہ سائیکو میشن میں مڑ گشت کرتا پھر رہا تھا۔ توریدہ کمرے سے نکل کر اس نے آپریشن روم کی راہ لی تھی۔

آپریشن روم میں جو لیا فائزرا اور کا کوڈڈا لائلکلی پیغام موصول ہوا تھا۔ اس نے وہیں ایک طرف بیٹھ کر اسے ڈی کوڈ کرنا شروع کیا۔

"پچھے کی اطلاع دے چکی ہوں میرے پچھے سے چار دن قبل سو شیا لوگی کی طالبات کا ایک گروپ میاں تو قیر محمد کا مہمان ہوا تھا۔ ہنوز مقیم ہے اور جھریام میں فیلڈورک کر رہا ہے۔ گروپ کی رہنمای سو شیا لوگی کی ایک لکچر مس فرخانہ جاوید ہے....! اس کا تعلق علامہ دہشت ہی والی یونیورسٹی سے ہے۔ اس کے پاس سے مجھے علامہ کی ایک کتاب ملی ہے جو پدرہ سال پہلے شائع ہوئی تھی۔ اس میں وہ سب کچھ موجود ہے جو وہ اپنے مخصوص طلباء کے تھے۔ کہتا رہتا ہے حتیٰ کہ اس تیم پر کی کہانی بھی بطور مثال تحریر کی گئی ہے۔ جس کا نہیں زندہ جل گیا تھا۔ کتاب کا نام ہے "انفرادی سے اجتماعی انتقام نک" تو قیر محمد اور فرخانہ جاوید کے درمیان میں کچھ محسوس کر رہی ہوں۔" بہر حال اس نے وہ کتاب سائیکو میشن کے ماہر قانون کے حوالے کر دی تھی اور ریڈی میڈی میک اپ میں وہاں سے نکل کرڑا ہوا تھا۔

فرخانہ جاوید سے متعلق چھان میں کرنی تھی.... سب سے پہلے رانا پلیس کے قیدیوں سے پوچھ گچھ کی جن سے یہ تو معلوم ہو گیا کہ فرخانہ بھی علامہ کی شاگرد تھی لیکن اس کی تصدیق نہ ہو سکی کہ خصوصی شاگردوں میں بھی شمار کی جاتی تھی یا نہیں۔!

"تم لوگ آخر ہو کون؟" پیڑا ایک بار پھر عمران سے الجھ پڑا۔

"اچھے لوگ نہیں ہیں۔" عمران نے مایوسی سے کہا۔

"اگر مجھ سے کوئی جرم سرزد ہوا ہے تو مجھے پولیس کے حوالے کر دو۔ یہاں کیوں بن کر رکھا ہے۔!"

"پولیس؟" عمران بنس پڑا۔

"کیا مطلب؟"

"بدمعاشوں نے بھی کبھی بدمعاشوں کو پولیس کے حوالے کیا ہے۔!"

"میں نہیں سمجھا۔"

"بدمعاشوں کی جیب کاٹنا ہمارا پیشہ ہے۔!"

"یعنی کہ تم لوگ بیک میلر۔"

"براگھٹا لفظ استعمال کیا ہے تم نے.... علامہ دہشت جیسے لوگ تو پروفیسر کھلا میں اور ہے جیسے اسکن پسند بیک میلر۔"

شیلانے عجیب نظروں سے اسے دیکھا تھا۔ اور میر اسامہ بنا کر بولی تھی! ”تو اور لڑکیاں بھی تم  
ے ایسی باتیں کرتی رہی ہیں...!“  
”ہاں.... تبھی تو پتہ چلا ہے آنٹوں کی فرق کا... ذاکر کہتے ہیں کہ تمہارے پیٹ میں کئے  
کی آنٹیں معلوم ہوتی ہیں!“  
”نہیں کہتے کی نہیں ہو سکتیں!“ وہ غصیلے لہجے میں بولی! ”کہتے کی ہوتیں تو تم بھی کسی ایک  
کے ہو رہتے!“

”ڈم کہاں ہے میرے۔ ڈم نہ ہونے سے بھی فرق پڑتا ہے!“  
”غیر اسے چھوڑیے۔ آخر یہ قصہ کب ختم ہو گا!“  
”آجکل کوئی قصہ ختم نہیں ہوتا۔ قطلوں میں چلتا رہتا ہے۔“  
”تم نے مس فرحانہ کے بارے میں کیوں پوچھ گئی کی تھی!“  
”اب تو علامہ کی ساری شاگردوں ہی کو دیکھنا پڑے گا!“  
”میں نے اسے مخصوص شاگردوں کے حلقے میں کبھی نہیں دیکھا!“  
”تم سے پہلے رہی ہو گی۔ اب وہ پیکر رہے۔ اور تم محض طالبہ!“  
”ہاں یہ ممکن ہے!“ وہ کچھ سوچتی ہوئی بولی۔ ”کیا اس کے خلاف بھی کوئی مواد ہاتھ  
اگایا ہے!“

”مجھے اس کے زیادہ سے زیادہ مخصوص شاگردوں کی تلاش ہے!“  
”میں تو کہتی ہوں کہ اب ہم سکھوں کو پویں کے حوالے کر دو!“  
”کوئی فائدہ نہ ہو گا۔ جب تک پیٹر جیسے جان شمار موجود ہیں کوئی اس کا بال بھی پیکانہ کر سکے گا۔  
جو کچھ وہ تم لوگوں کی تعلیم و تربیت کرتا رہا ہے وہی سب کچھ کتبی صورت میں بھی شائع کر چکا ہے!“  
”پھر آخر کیا ہو گا!“

”کچھ اور انتظام!“ عمران اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرا یا۔  
”گھٹ کر مر جاؤں گی ان چھتوں کے نیچے۔ کب سے کھلا آسمان نہیں دیکھا۔ مجھ بھی سیلانی  
لڑکی کے لئے یہ حالت عذاب سے کم نہیں!“  
”اس کی ایک صورت ہے۔ پھر ہم دونوں پورے شہر میں گھومتے پھریں گے۔“

”آخر مجھ سے کیا چاہتے ہو!“  
”تحریری اعتراف کہ تم علامہ دہشت کی ایماء پر غیر قانونی حرکات کے مرکب ہوئے  
رہے ہو!“

”یہ غلط ہے....!“  
”اگر یہ غلط ہے تو پھر یہیں بند رہو۔ آخر تکلیف کیا ہے تمہیں!“  
”مجھے علم نہیں تھا کہ رانا تھور علی....!“  
”رانا صاحب کا نام بھی نہ لو۔ ورنہ ختم ہی کر دیا جائے گا تمہیں!“  
”کسی بات کا اعتراف مجھ سے کسی طرح بھی نہ کر اسکو گے!“  
”ابھی جلدی بھی نہیں ہے مجھے اپڑے رہو آرام سے!“  
”عمران اس کے کمرے سے نکل کر شیلان کے پاس پہنچا تھا۔  
”آئیے.... آئیے.... کریم چوکلیٹ صاحب!“ وہ ہنس کر بولی۔  
”چھپھڑی.... چھپھڑی نے کی نہیں ہوتی!“ عمران ہکلا یا تھا۔  
”میں سوچتی ہوں کہ تمہارے بغیر کیسے جیوں گی تو دم گھٹنے لگتا ہے!“  
”ایسی باتیں کرو گی تو تمہارے گھر چھوڑ آؤ گا!“  
”پیڑ تو ناکام رہا تھا تمہاری وجہ سے۔ لیکن اب تم خود ہی مجھے پاگل بنادو گے!“  
”وہ زہر ضائع ہو گیا تھا!“  
”لیکن وہ زہر جو تمہاری شخصیت میں ہے!“  
”مم.... میں نہیں سمجھا!“  
”تم وہ ہرگز نہیں ہو جو نظر آتے ہو!“  
”اور تمہاری باتیں میری سمجھ میں نہیں آتیں!“  
”آئی لو یو ڈار لنگ....!“  
”ارے باپ رے....!“ عمران پیٹ پکڑ کر کراہ۔  
”کیا ہوا....؟“  
”جب کوئی لڑکی مجھ سے ایسی باتیں کرتی ہے تو میری آنٹیں فرق کرنے لگتی ہیں۔“

”جلدی بتاؤ۔ کیا صورت ہے....!“  
 ”ہم دونوں ہی بن جائیں۔ تمہاری آنکھیں کرخی ہیں اور بال سرفی مائل ہیں۔ بڑی آسانی  
 سے غیر ملکی بن سکتی ہو۔!“  
 ”شکل تو پچانی جاسکے گی۔!“  
 ”سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ گل بکاؤلی فلم اسٹوڈیو میں پانچ سال تک میک اپ میں بھی رہ  
 چکا ہوں۔!“

”تم تو پہ نہیں کیا کیا رہ چکے ہو۔! کبھی عورت بھی رہے ہو۔!“  
 ”بُس رہتے رہتے رہ گیا ہوں گا....! شہزاد کو جانتی ہو۔!“  
 ”کون شہزاد۔!“

”خوفناک شکل والا اور دیوزاد قسم کا ایک ہی ہے۔!“  
 ”سنوا میں صرف سیلانی اور آزاد خیال ہوں۔ نئی نسل کے جانوروں سے کبھی دل بھی نہیں  
 رہی۔ بال بڑھانے والوں سے تو گھن آتی ہے مجھے۔ میں نے یہ نام بھی نہیں سنتا۔!“  
 ”شہزاد کو جانتی ہو....!“  
 ”یہ نام بھی میرے لئے نیا ہے۔!  
 ”گرین بیچ ہوٹل کا الک ہے۔!

”سری سی جگہ ہے! میں وہاں قدم رکھنا بھی گوارانہ کروں گی۔!  
 ”خیر.... آؤ.... میرے ساتھ۔!  
 وہ اس کمرے میں لے گیا تھا جہاں میک اپ کا سامان تھا۔ وہ حیرت سے چاروں طرف  
 دیکھتی ہوئی بولی۔!

”خدا کے لئے مجھے بتاؤ۔ آخر ہو کیا چیز۔!  
 ”چیز نہیں۔ آدمی ہوں۔!  
 ”کبھی کبھی خوف معلوم ہونے لگتا ہے تم سے۔!  
 ”بچ تو مٹھکہ اڑاتے ہیں میرا.... انہیں خوف معلوم نہیں ہوتا ہے۔ واہ بھئی۔!  
 اس کے بعد اس نے اسے بولنے سے منع کر دیا تھا۔ اور اس کے چہرے پر اپنی مشائی کے لئے

بھانے لگا تھا اور پھر جب اس نے تھوڑی دیر بعد آئیہ دیکھا تھا تو جیچ پڑی تھی۔  
 ”بھوٹم کون ہو۔!“  
 ”اب ہیں جملہ انگریزی میں امریکن بجھ کے ساتھ دہرا دے۔!“ عمران نے کہا۔  
 ”پہاڑیں تم کیا کرنا چاہتے ہو۔!“  
 ”میں اس ایڈو بجھ کے تصور سے تمہارے جسم میں سنتی نہیں دوڑی آخر تم کسی آزاد خیال  
 اور سیلانی ہو۔!“

”کیا تم یہ سمجھ رہے ہو کہ میں خائف ہوں۔!“  
 ”تم ہی بتاؤ گی میں کیا جانوں۔....!“  
 ”قطعی خائف نہیں ہوں .... مقصد معلوم کرنا چاہتی ہوں۔!“  
 حالانکہ کچھ دیر پہلے ہی کھلی فضاء میں سانس لینے کی خواہش ظاہر کی تھی۔ اب مجھ سے مقصد  
 پوچھ رہی ہو۔! کہیں تم سو تو نہیں رہیں مس شیلا۔!  
 ”بُس اتنی سی بات کے لئے....!“

”نبیادی خیال بھی ہے ویسے اسی بہانے شائد کچھ کام بھی ہو جائے۔ میں تمہیں مختلف قسم  
 کے لوگوں کے درمیان لے جاؤں گا۔ اور تم ان میں سے ایسے افراد کی شافت کرو گی جنہیں کبھی  
 علامہ کے ساتھ بھی دیکھا ہو۔!  
 ”یہ ہوئی نابات.... اچھا اب تم بھی تو وہ حلیہ دکھاؤ جس میں میرے ساتھ چلو گے۔!  
 آدھے گھنٹے بعد وہ راتاپیس سے روانہ ہوئے تھے تو شائد ہی وہاں کا کوئی فرد انہیں پہچان سکا  
 ہو۔... عمران بھی پہی بن گیا تھا۔... لیکن دیسی... البتہ شیلا کسی سفید قام نسل کی معلوم ہوتی تھی۔  
 عمران ایک شکستہ حال اور بہت پرانے ماڈل کی گاڑی ڈرائیور کر رہا تھا۔

”پیشے کے اعتبار سے علامہ کو اتنا دو لست مندنہ ہونا چاہتے ہے۔!“ عمران نے کہا۔  
 ”خود مجھے بھی اس پر حیرت ہے۔!“ شیلا بولی۔ ”لیکن ہمارے درمیان کبھی یہ مسئلہ زیر بحث  
 نہیں آیا۔!  
 ”لیکن سوچتے کبھی ہوں گے۔!  
 ”میں سوچتی ہوں تو دوسرا سے بھی سوچتے ہوں گے۔! تمہارا کیا خیال ہے۔ کہاں سے آئی

”تو کیوں۔ پھر میری آنکھیں قرق کرنے لگیں گی۔ میں تو اسی دھم سے فلمیں بھی نہیں رکھتی۔ دوسروں کو بھی کچھ کرتے دیکھ کر آنکھیں قرق کرنے لگتی ہیں۔!“

”تمہارے سر پر پھر مار دوں گی۔ اگراب تم نے قرق کی!“ شیلا بھنا کر بولی۔  
”اف فوہ....!“ عمران اٹھتے اٹھتے رُک گیا۔

”کیا بات ہے!“  
”اہبی بیٹھو....!“ وہ اس کی طرف مڑ کر بولا۔ ”ہم نے کچھ کھایا تو ہے ہی نہیں۔!  
”مجھے بھوک نہیں ہے....!“

”ورددتی کھاؤ....! یہاں جھیگے بہت اچھے تلے جاتے ہیں۔!  
”جھینکوں سے گھن آتی ہے مجھے۔!  
”ہاتھی کھاؤ گی۔؟“ عمران نے جلنے غور توں کے سے انداز میں ہاتھ نچا کر پوچھا۔

”ارے.... ارے....!  
”کیا ارے ارے....! جھینکوں سے گھن آتی ہے کہہ کر تم نے میری توہین کی ہے۔  
”کیا بات ہوئی۔!  
”ایک آدمی تمہیں بہت غور سے دیکھ رہا ہے۔!“ عمران آگے جگ کر آہستہ سے بولا۔“ تم

جس طرح بیٹھی ہو.... بیٹھی رہو....!  
”کلدھر ہے....!  
”بائیں جانب.... تھوڑی دیر بعد اسڑیوں نبی رواردی میں دیکھنا شائد جان پہچان کا ہو۔!  
”تم کہاں ہو۔!“ وہ مسکرا کر بولی۔ ”کیا مجھے وہ حال میں پہچان سکا ہو گا۔!  
”بعض عاد توں کی وجہ سے بھی لوگ ہر حال میں پہچان لئے جاتے ہیں۔! یہ جو تم اپنی بات

پوری کر کے جس طرح سر ہلاتی ہو ٹیلی ویژن پر خبریں پڑھنے والوں کے علاوہ اور کسی کے بس کا روگ نہیں۔!  
”کیا چرس کے دھوئیں نے تمہیں پچکرا دیا ہے بیارے....!  
”پپ۔... پیارے.... قرق۔... بیچ!“ عمران پیٹ پکڑ کر رہ گیا۔

”شیلانے بائیں جانب دیکھا تھا.... اور پھر جلدی سے عمران کی طرف سر گھما لیا تھا۔

اتنی دولت۔!

”پچھے نہ کچھ جواز تور کھاتا ہی ہو گا۔ میرا خیال ہے کہ بعض غیر ملکی پبلیشورز نے بھی اس کی پکڑ کر تباہیں چھاپیں۔!  
”کئی کتابیں.... اور وہ مقبول ہوئی ہیں.... ایک کتاب میں تو اس نے ایک ایسی ڈیٹیٹر شرپ کا تصویر دیا ہے جس پر جمہوریت کا دھوکہ ہوتا ہے۔!  
”تم ذرا مجھے اس کی ساری کتابوں کے نام لکھ کر دے دینا۔!  
”اچھی بات ہے۔!

گاڑی ساطھی علاقے کی طرف جا رہی تھی اور شیلا کی آنکھوں میں تشویش کے آثار تھے۔

”سب سے پہلے ہم گرین بیچ ہوٹل چلیں گے۔!“ عمران بولا۔

”چرس کے دھوئیں سے دم گھٹ جائے گا۔!  
”اس کے باوجود بھی چہرے پر ناگواری کے آثار پیدا نہ ہونے دینا۔!  
”کوشش کروں گی۔!“ وہ پر تفکر لجھے میں بولی۔ ”تم نے کسی شہرور کے بارے میں بھی پوچھا۔ وہ کون ہے۔!  
”شائد علامہ کا کوئی بہت ہی خاص مد و گار ہے۔!  
”تمہیں اس کے بارے میں کیسے علم ہوا۔!  
”شائد اسے بھی تم ساتوں کی تلاش ہے۔!  
”جب تو علامہ ہی کا آدمی ہو گا۔!  
”علامہ۔!“ عمران طویل سانس لے کر رہا گیا۔

وہ گرین بیچ ہوٹل پہنچ تھے اور شیلانے ایک نئے باز عورت کی او اکاری شروع کر دی تھی۔ لیکن اس مقصد میں کامیابی نہ ہو سکی۔ جس کے لئے یہاں آئے تھے۔ اس بھیز میں کوئی ایسا نہ دکھائی دیا جسے کبھی شیلا نے علامہ کے ساتھ بھی دیکھا ہو۔

”اب کیا کریں۔!“ شیلانے پوچھا۔

”اہبی بھیری جگہیں باقی ہیں۔! چلوا ٹھو!“ عمران بولا۔

”مجھے یہ دن ہمیشہ یاد رہیں گے۔ آج تک تم جیسا کوئی نہیں ملا۔!  
”

”کیا خیال ہے....!“ عمران نے پوچھا۔  
”پہلے تو نہیں تھا.... شاکرا بھی آیا ہے!“  
”کون ہے۔“

”علامہ کا باور پی..... میں تو تصور بھی نہیں کر سکتی کہ باہر اتنے ٹھاٹ بائٹھ سے رہتا ہو گا!“  
”باور چیزوں ہی کے تو مزے ہیں! تم نے میرے باور پی کو نہیں دیکھا!“  
”میرے خیال سے تواب چلو۔ بور ہونے لگی ہوں!“  
”اُبھی وہ صرف شے میں جتنا ہے۔ اپنی چال دکھا کر یقین بھی دلانا چاہتی ہو کیا۔ مجھے تو یہ شخص صرف نام کا باور پی معلوم ہوتا ہے....!“  
”میں نہیں بھی!“

”قاضی کے گھر کے چوہوں کے بارے میں تو تم نے سنای ہو گا!“  
”وہ ڈاکٹر آف لٹرپرنس نہیں ہے!“  
”میرا باور پی بھی نہیں ہے! لیکن بہر حال میرا باور پی ہے!“  
”تمہاری کوئی بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔“  
”کیا کھاؤ گی!“  
”کچھ بھی نہیں!“

”خواہ مخواہ بیٹھے رہنا تو مناسب نہیں ہو گا!“ عمران نے کہا اور اٹھ کر کاؤنٹر کی طرف چلا۔  
شیلا بہت کوشش کر رہی تھی کہ اس آدمی کی طرف نہ دیکھے جسے علامہ کے باور پی کی حیثیت سے پہچانا تھا۔ لیکن بار بار اس کی طرف نظر اٹھ جاتی تھی۔  
دفعتہ دفعتہ اسے آنکھ مار کر مسکرا رہا تھا۔ اور شیلا بوکھلا کر دوسرا طرف دیکھنے لگی تھی قطعاً بھول گئی کہ اسے ایک امریکین بھی لڑکی کا روول ادا کرتا ہے۔  
وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور شیلا کے قریب آکھڑا ہوا۔  
”میں تمہیں کس زبان میں مخاطب کروں!“ اس نے انگلش میں پوچھا تھا۔ اور شیلا چوک پڑی تھی۔ تصور بھی نہیں کر سکتی تھی کہ وہ انگلش بھی بولتا ہو گا۔

”مم.... میں امریکن ہوں!“ اس نے بدقت کہا۔  
”یہاں کے ہی فقیر ہوتے ہیں۔ ان سے تمہیں کیا ملتے گا!“  
”میں نہیں کچھ تم کیا کہنا چاہتے ہو!“  
”میرے پاس پیسہ بھی ہے اور چرس بھی!“ وہ ایک کری پر بیٹھتا ہوا بولا۔  
”اُشو۔ یہاں سے! اکیاں فقیر ہوں۔ تمہیں جرأت کیسے ہوئی!“  
انتہے میں عمران بھی واپس آگیا تھا اور خاموش کھڑا ان کی گفتگو ستارہ تھا۔ اجنبی کی پشت تھی اس کی طرف اور وہ اسے نہیں دیکھ سکا تھا۔  
”مجھے تم سے ہمدردی ہے۔ تمہارا ساتھی تمہیں کسی کے ہاتھ فروخت کر دے گا۔ یہاں یہی ہوتا ہے۔ کب پہنچی ہو یہاں....!“  
”بس اب خاموش رہو اور یہاں سے چلے جاؤ!“  
”نہیں نہیں بیٹھنے دو!“ عمران خود بھی بیٹھتا ہوا بولا۔ ”میں تمہارے ساتھ ہی اسے بھی فروخت کر دوں گا!“  
شیلا اس کی بدلتی ہوئی آواز پر چوک پڑی تھی۔ عمران کی آواز تو تھی ہی نہیں۔  
اجنبی نے تھقہہ لگایا اور عمران کے زانوں پر ہاتھ مار کر بولا۔ ”یار میں تو مذاق کر رہا تھا!“  
یہ جملہ اس نے اردو میں ادا کیا تھا۔  
”میرا بھی یہی خیال تھا!“  
”مگر ہے وفادار.... میں نے آنکھ ماری تو مُر امان گئی!“  
”اچھا تو آپ نے آنکھ بھی ماری تھی!“  
”اور پرانے کی بھی کوشش کی تھی.... لیکن پڑھ پر ہاتھ ہی نہیں رکھنے دیتی۔!“  
”میں رکھوادوں....!“ عمران نے بے حد محظوظ ہوتے ہوئے پوچھا۔  
”لئنے پیے لو گے!“  
”سات پیسے۔“  
”کوئی مذاق کر رہے ہو....!“  
”یقین کرو.... لیکن تمہیں ہمارے ساتھ چنان پڑے گا!“ عمران نے سنجیدگی سے کہا۔

”بلکہ باورچی خانہ....پورے گھر میں پھیل کر کیا کرو گی!“

”تم ذہیت بھی ہو.... تمہاری موجودگی میں ایسی باتیں کو کے چلا گیا اور تمہارے کان پر جوں تک نہیں رکنگی!“

”ارے تو کیا جج کوئی گندہ ہی ہوں کہ کان پر جوں رینگے گی۔ ویسے مجھے یقین ہے کہ وہ ہمارے چھپے ضرور آئے گا... پھر دیکھ لیں گے۔ بڑی فرا انگریزی بولتا ہے میرا باورچی اتنا قابل نہیں ہے!“

”اور تمہاری ایک نئی صلاحیت بھی سامنے آئی ہے!“

”اچھا۔ وہ کیا ہے!“

”سرک چھاپ لفٹگوں کے سے انداز میں بھی گفتگو کر سکتے ہوں!“

”عوای انداز کہو!“

شیلا بر اسامنہ بنائے دوسری طرف دیکھنے لگی۔

تحوڑی دیر بعد ویثر مطلوبہ ڈش لایا تھا۔ شیلانے اس میں ذرہ برابر بھی دل جسمی نہ لی۔ اس کا موڈ خراب ہو چکا تھا۔

”ارے کھاؤنا!“ عمران منہ چلاتا ہوا بولا۔

”بھوک نہیں ہے۔ پہلے ہی کہہ چکل ہوں...!“

”تمہاری سرضی!“

کھانے کے سلسلے میں عمران نے جلد بازی کا مظاہرہ کیا تھا۔ بالآخر دونوں اٹھ کر باہر آئے تھے۔ اور گاڑی میں بیٹھ گئے تھے۔

عمران نے علامہ کے باورچی کو بھی باہر نکلتے دیکھا۔ شیلا کی نظر عقب نما آئینے پر تھی۔ اس نے بھی اسے دیکھا اور مفترضہ بانہ انداز میں بولی! ”کچھ دہ بھی باہر نکلا ہے!“

”میرے اندازے کم تھی غلط ہوتے ہیں!“

”اب کیا ہو گا!“

”ایلووچر۔ خاموشی سے دیکھتی رہو۔ مجھے تو دیکھنا ہے کہ جو شخص ایک کامیاب انسورنس ایجنس بن سکتا تھا باورچی کیوں بن گیا۔!“

”کہاں....؟“

”جہاں ہم لے جائیں!“

”مگر سات پیے....!“

”میراٹوٹکا ہے.... آج سچھر ہے نا۔!“

”کس مذہب سے تعلق رکھتے ہو!“

”اے تم گھاس تو نہیں کھا گے۔ بات حراثی پن کی ہو رہی تھی۔ یہ مذہب کہاں سے آکو دا!“

”کیا بک رہے ہو۔ کیا حراثی پن!“

”پھر اور کیا ہے۔ پہلے بے چاری کو آنکھ ماری۔ پھر پانے دوڑے.... اور اب سات پیے پر راضی ہو رہے ہو۔! مخلل تو دیکھو اپنی ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کوئی تم رسیدہ بکری جلدی میں پر دے کر بھاگ کھڑی ہوئی ہو۔!“

”اچھی بات ہے بیٹا۔ میں تمہیں دیکھ لوں گا!“ وہ اٹھتا ہوا بولا اور پھر اپنی جگہ پر جا بیٹھا۔

”میں تصور بھی نہیں کر سکتی تھی!“ شیلا مٹھیاں بھیجن کر آہستہ سے غرائی۔

”میرا خیال غلط تھا۔“ عمران نے سر ہلا کر کہا۔ ”اس نے تمہیں پہچانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ بلکہ غیر ملکی ہی لڑکی سمجھ کر ہی آیا تھا۔“

”لیکن کیا کوواس کر رہا تھا!“

”غیر ملکی ہی لڑکیاں سنتے داموں مل جاتی ہیں بسا اوقات تو صرف چس کے ایک سگرٹ کے عوض!“

”چلو۔ بس میں یہاں نہیں ٹھہر سکتی۔ میرا دم گھٹ رہا ہے!“

”میں نے کاؤنٹر پر اپنی فیورٹ ڈش کی فرماش کی تھی۔! آرہی ہو گی۔ آرڈر پیس کر کے بھاگے اور دھرے گئے....!“

”کمخت اب بھی ادھر ہی دیکھے جا رہا ہے!“

”دیکھنے دو۔ تم مت دیکھو ادھر۔.... ورنہ سمجھے گا کہ تم راضی ہو۔ میں ہی اڑنا گا رہا ہوں۔!“

”خدا معاف کرے مجھے۔ اگر اس بھنوڑ سے نکل گئی تو اب گھر سے باہر قدم بھی نہ نکالوں گی۔ مشرقی عورت کا صحیح مقام گھر ہی ہے۔!“

عمران نے انہی اشارت کیا اور گاڑی آگے بڑھ گئی۔ شیلانے عقب نما آئینے میں اس اولیٰ کو ایک موڑ سائکل اشارت کرتے دیکھا۔

اور پھر عمران کا اندازہ درست ہی نکلا تھا۔ موڑ سائکل گاڑی کا تعاقب کرتی رہی تھی۔  
”میا تم اسے راناپیلس تک لے جاؤ گے!“ شیلانے پوچھا۔

”سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔۔۔ کسی ویرانے میں لے جا کر مرا جنمہ کروں گا!“  
”کس طرح...!“

”وقت پر جیسی بھی سوچ گئی.... پبلے سے پلانگ کرنے کی عادت نہیں ہے!“  
”میری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ شخص واحد...!“

”واجد نام ہے اس کا؟“

”ہاں.... علامہ کی کوٹھی میں پھٹے حالوں رہتا ہے۔ لیکن اس وقت قسمی سوٹ بھین رکھا ہے  
اور جس انداز میں انگلش بول رہا تھا۔ میرے لئے خواب کی سی بات ہے!“

عمران کچھ نہ بولا۔ اس کی نظر بار بار عقب نما آئینے پر جاتی تھی۔ ساحلی تفریح گاہ کی حد  
سے نکتے ہی عمران نے اپنی گاڑی شاہدار اوالی سڑک پر موڑ دی۔  
”یہ کدر چلے...!“ شیلانے پورا ہی بولی۔

”اس سڑک پر ایک جگہ اس سے چھیڑ چھڑا کی تھہری ہے۔“

”کہیں وہ مسلخ بھی نہ ہو!“

”فکر نہ کرو...!“

”کیسی مصیبت میں پڑ گئی ہوں!“

”میں نے تمہیں مجبور تو نہیں کیا تھا۔ تم خود ہی کھلی فنا میں نکنا چاہتی تھیں!“

”تو اس طرح!“

”دوسری طرح نکلنے سے اس سے بھی بڑے خطرات کا سامنا ہوتا۔ علامہ کو سب سے زیاد  
فکر تمہاری ہی ہے!“

”کچھ سمجھ میں نہیں آتا...!“

”ایسی صورت میں کسی دوسرے پر اعتماد کرنا ہی پڑتا ہے!“

”میں نے کب کہا کہ مجھے تم پر اعتماد نہیں ہے۔!“

”اگر ہے تو سب کچھ مجھ پر چھوڑ دو۔ اگر میں نہ ہوتا تو تم پیڑ کے زہر کا شکار ہو چکی تھیں۔!“

”اوہ... خوب یاد آیا۔ تم نے آج تک یہ نہ بتایا کہ اس کی وہ حرکت تم نے کہاں سے اور کیسے  
رکھی تھی۔ میں وہیں اس کرے میں موجود تھی لیکن مجھے علم نہیں ہوا کہا کہ کب اس نے  
تراب میں زہر ملایا۔“

”اس کرے میں کئی زادیوں سے شارٹ سرکٹ کے نیوی کیسے پوشیدہ ہیں۔ جن کے  
ذریعے ہر وقت ان لوگوں پر نظر رکھی جاتی ہے۔“

”اور پھر بھی تم کہتے ہو کہ تم لوگوں کا تعلق کسی سرکاری ادارے سے نہیں ہے۔!  
”کیوں نہ کہوں۔ جبکہ ایسا ہرگز نہیں ہے۔!“

”پھر کیا بلا ہو تم لوگ۔!“

”تمہاری ہی طرح ایڈوچر کے رسایہ ہیں۔ لیکن ہمارا ایڈوچر کسی قدر مہلک بھی ثابت ہوتا  
ہے بسا وقات۔!“

”ٹھیک اسی وقت عمران نے اپنی گاڑی ایک کچے راستے پر موڑی۔ تھی! لیکن موڑ سائکل  
سڑک پر آگے نکلی چلی گئی۔

”وہ تو گیا!“ شیلانے ساختہ بولی۔

”ہاں... آں... آں...!“ عمران نے کہا۔ لیکن گاڑی اسی راستے پر آگے بڑھتی رہی۔  
”تو پھر اب کہاں جا رہے ہوں۔!“

”بہاں یہ راستہ دوبارہ اسی سڑک سے مل جائے گا۔!“

”کیا فائدہ ہوں۔!“

”وہ وہیں ہمارا منتظر ہو گا۔ خاصا چالاک آدمی معلوم ہوتا ہے۔ اور غالبا یہ بھی جانتا ہے کہ  
ادھر کے کچے راستے کتنی اطراف میں جاتے ہیں۔!“

”میں تو کہتی ہوں گاڑی سیمیں سے موڑ کرو اپس چلو۔۔۔ اس سے الجھ کر کرو گے۔!“

”محترم شیلان یو ی آپ یہ کیوں بھول جاتی ہیں کہ مجھے علامہ کے خلاف ایسے شواہد کی تلاش  
ہے جن کی بنا پر وہ قانون کی گرفت میں آجائے۔ اس کے لئے مجھے بڑے پھر وہ کے ساتھ ہی

غرفہ ریزے بھی اتنے پڑیں گے!“  
”میں تو اب آتا چکلی ہوں....!“  
”اکتا ہٹ ہی کے پاٹخت سے تفریق کے متشے پھوٹتے ہیں۔“  
”ختم کرو۔ ایکچھ دیر خاموش رہنا چاہتی ہوں۔!“

لیکن وہ خاموش نہ رہ سکی۔ افرواؤ بولا شروع کر دیا تھا۔ کیونکہ واجد کی موڑ سائیکل سانے سے آتی دکھائی دی تھی اور کچھ اس انداز میں جیسے سیدھی آکر گاڑی سے مکرا جائے گی۔ عمران نے بریک لگائے۔ اور ہر وہ تھوڑا سا کترناکر موڑ سائیکل سمیت ڈرائیورگ سائندواز دروازے سے آ لگا۔

”مجھ سے بھاگ کر کہاں جاؤ گے۔!“ وہ عمران کو خونخوار نظروں سے دیکھتا ہوا بولا تھا۔  
”لکھ.... کیا مطلب۔!“ عمران نے نروس ہو جانے کی او اکاری کی۔

”اس سے کہو کہ گاڑی سے اتر کر میرے پیچے بیٹھ جائے۔!“  
”اکیلے تو نہیں جائے گی۔ مجھے بھی ساتھ لے چلو۔!“  
جواب میں عمران کو ایک بڑی گندی کی بات سننی پڑی تھی۔

اس نے موڑ سائیکل اس طرح روکی تھی کہ اس طرف کا دروازہ کھوننا ممکن تھا۔  
”تم اتر جاؤ۔!“ عمران نے شیلا سے انگلش میں کہا۔  
”کیوں....؟“ شیلا بچھ نروس ہو گئی تھی۔

”تم اترو توڑا میں اس شریف آدمی سے کچھ بات کرنا چاہتا ہوں۔ یہ خود کو جتنا بڑا ظاہر کرنا ہے اتنا بڑا معلوم نہیں ہوتا۔“  
واجد نے اسے عجیب نظروں سے دیکھا تھا لیکن کچھ بولا نہیں تھا۔ شیلا چپ چاپ دوسری طرف اتر گئی تھی۔ پھر دوسرے ہی لمحے میں عمران بھی اسی دروازے سے باہر نکل گیا۔... ایہ کرنے میں اس نے برق کی سرعت دکھائی تھی۔

پھر قبل اس کے کہ واجد معاطلے کی نوعیت کو سمجھ سکتا۔ عمران اس کے سر پر سوار تھا۔  
بلغوں میں ہاتھ دے کر موڑ سائیکل سے گھیٹ لیا۔ اور موڑ سائیکل بائیں جانب الٹ گئی۔  
واجد نے پٹ کر پٹ پڑنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔ آکٹوپس کی گ

زفت تھی۔! گردن میں قینچی بھی پڑی ہوئی تھی اور عمران کے بازوؤں کے درمیان اس کی پلیاں بھی ترخنے لگی تھیں۔ کھو پڑی سینے کی طرف جھکتی چلی جا رہی تھی۔

”اب کیا خیال ہے....!“ عمران نے بڑے پیار سے پوچھا۔

”ابے گردن ٹوٹ جائے گی.... میں تو تمہارا بزرگ نس کرنا چاہتا تھا۔!“

”شرافت سے بات کب کی تھی تم نے....!“

”اب کروں گا.... اب کروں گا.... گردن چھوڑو....!“

”تمہارے پاس پستول تو نہیں ہے۔!“

”نہیں.... نہیں.... خود دیکھ لو....!“

عمران نے اسے دھکا دیا تھا۔ منہ کے بل دور جا گرل۔ پھر اٹھنے بھی نہیں پایا تھا کہ عمران اسے پٹ کر سینے پر سوار ہو گیا۔

”اے.... اے.... اب کیا کر رہے ہو....!“

”تمہاری چھاتی پر سوار ہو کر چرس پیوں گا۔!“

”اٹھنے دو مجھے....!“

”اُنگریزی میں کہو۔!“ عمران اس کے گالوں پر ہاتھ پھیر کر بڑے پیار سے بولا۔

”اے.... کیا تم پاگل ہو۔!“ واجد حلک کے مل دھاڑک

”نہیں پاگل تم ہو کہ اتنے قابل ہونے کے باوجود بھی خانساماں ہو۔!“

”لکھ.... کیا.... مم.... مطلب۔!“

”کیا تم علامہ دہشت کے باور پری نہیں ہو۔!“

”تھت.... تم کیا جانو۔!“

”تمہیں اسی طرح علامہ کے پاس لے جاؤں گا۔!“

”ہرگز نہیں۔!“

”اے واہ.... کیا تم مجھے روک لو گے....!“

”مجھے اٹھنے دو....!“

”انٹ کر کیا کرو گے.... یونہی پہنچا دوں گا۔!“ عمران نے کہا۔ اور دونوں ہاتھوں سے اس کی

کپیاں دبائی شروع کیں۔

”ارے... ارے...!“

پھر تیرسی پار ”ارے“ کہہ کر اس نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔ عمران اسے چھوڑ کر لانچ گلہر  
”یہ کیا ہوا...!“ خیال مختصر بانہ انداز میں بوی۔

”بیویوں ہو گیا ہے... میں اسے پچھلی سیٹ پر ڈالتا ہوں۔ گاڑی تم ڈرائیور کرو گی۔“  
”میاں جع علامہ کے پاس لے جاؤ گے!“

”میری ہربات پر یقین نہیں کیا جاسکتا۔ اچلو پچھلی سیٹ کادر واڑہ کھولو!“



اندھیرا بھی ایسا کہہتا تھا کہ کوہا تھے نہیں بھائی دیتا تھا۔ اس کا سیاہ لبادہ اُسی تاریکی میں مدغم ہو کر رہ گیا تھا۔ خوفناک شکل والا ہبی شہزادہ غیر مطہر زمین پر ایسی ہی آسانی سے چلا جا رہا تھا جیسے خود بھی اسی اندھیرے کا ایک متحرک جزو ہو۔!

راستہ اس قدر ناہموار تھا کہ روزِ روشن میں اس کا طے کیا جانا آسان نہ ہوتا۔ لیکن وہ کسی دشواری کے بغیر چل رہا تھا۔

شامِ تین فرلانگ کا فاصلہ طے کر کے وہ ایک جگہ رک گیا۔ تھوڑی دیر قبل ایک لانچ اسے اس دورانِ قدوہ ساحل تک لا لی تھی اور وہ لانچ سے اُتر کر سیدھا اسی طرف چلا آیا تھا۔

لانچ میں بھی وہ تھا ہی تھا۔ خود ہبی لانچ کو چلاتا ہو ساحل تک لا یا تھا!

یہاں اس ویرانی میں پیچ کر کچھ دیر توہہ اندھیرے میں آنکھیں پھاڑتا رہا تھا۔ پھر آہستہ آہستہ تین بار سیئی بجائی تھی۔

دفعہ ایک درازِ قد کا کسی طرف سے نمودار ہوا اور اس کے گرد اچلنے کو دنے لگا۔ ساتھ ہی اس کے حلقو سے ایسی آوازیں نکل رہی تھیں جیسے دیر سے آنے کا شکوہ کر رہا ہو۔

”کام ڈاؤن ٹریکی... کام ڈاؤن....!“ اس نے آہستہ آہستہ سے کہا۔ ”ایڈ کم الانگ۔“  
وہ پھر اسی طرف مر گیا۔ جدھر سے آیا تھا۔ کتابس کے پیچے چل رہا تھا۔ کبھی کبھی اس سے

آئے نکل کر راستہ روکنے لگتا اور وہ اسے ہاتھ سے دھکیل کر ایک طرف کر دیتا۔  
اس طرح وہ پھر لانچ تک آیا تھا۔ جیسے ہبی لانچ پر بیٹھا کتے نے بھی لانچ پر چلا گک لگائی۔  
لانچ کا انجم اشارت ہوا تھا اور وہ ایک طرف روانہ ہو گئی تھی۔ کتابی کی پشت سے نیک لگا  
کر لیت گیا۔ ایک گھنٹے تک یہ سفر جاری رہا تھا اور پھر لانچ ایک بار پھر ویسے ہبی ویران اور تاریک  
ساحل سے جاگی تھی۔  
اسے ساحل کہنا بھی مناسب نہ ہو گا۔ کیونکہ جیسے ہبی نے تاریج روشن کی تھی روشنی کا  
وارہ ایک سیدھی کھڑی ہوئی چنان پر رینگتا چلا گیا تھا۔... گوئنگلی تک پہنچنے کے لئے کم از کم میں  
ن اونچی سیڑھی دو کار ہوتی۔ اس نے تاریج بجھا دی۔ شامِ تین یہ ویکھنا چاہتا تھا کہ ٹھیک ہی جگہ پر  
لانچ روکی ہے یا نہیں۔!

تاریج روک کر اس نے کتے کی گردن پکڑی تھی اور اسے چھوڑ کر بولا تھا۔ ”میں“ دوسرے ہی  
لئے کتے نے بھوکنا شروع کر دیا تھا۔  
اس کی آواز غیر معمولی جنم والی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ کسی لااؤڈا سپیکر پر بھونک رہا ہو۔  
جلد ہی چنان کے اوپر روشنی دکھائی دی اور اس کا فوکس نیچے کی جانب ہو گیا تھا۔ چنان کا  
بیشتر حصہ روشن ہو گیا۔ اور پھر رسیوں کی ایک سیڑھی اوپر سے پھیلی گئی تھی۔ جس کا نچلا حصہ  
لانچ پر جھولنے لگا تھا۔ کتے کو لانچ ہی پر چھوڑ کر وہ انی سیڑھی کے ذریعے اوپر پڑھتا چلا گیا۔ کتے  
نے اس کا ساتھ نہ چھوڑنے کیلئے اچھل کو دنیں چاہی تھی۔ خاموش بیٹھا بانٹا کے ہاتھ رہا تھا۔  
اوپر پہنچ کر ہبی نے سامنے کھڑے ہوئے آدمی سے کہا تھا۔ ”میرے پاس وقت کم ہے۔  
درداروں کو بینیں بیچ دو!“

”اوکے باس!“ کہہ کر وہ کسی تدریخ ہوا تھا اور دوسرا طرف ڈھلان میں اترتا چلا گیا تھا۔  
ہبی وہیں کھڑا رہا۔ تھوڑی دیر بعد ایک آدمی آیا تھا اور بڑے ادب سے اُسے سلام کر کے  
خاموش کھڑا رہا تھا!

”برنارڈ!“

”لیں باس!“

”تم کو بھی میرے ساتھ چلتا ہے! یہاں کا چارچ دلاور کو دے دو...!“

”اوکے باس....!“

”میں یہیں منتظر ہوں۔ اداور کو اتھارج بنانکر واپس آ جاؤ۔!“

”لیکن باس اداور اس وقت موجود نہیں ہے۔!“

”اس کے لئے ایک تحریر چھوڑ آؤ۔!“

”بہت بہتر۔!“

برنارڈ چلا گیا۔ پسی وہیں کھڑا رہا۔ کچھ دیر بعد برنارڈ واپس آیا تھا۔ اس کے ساتھ وہ آدمی بھی تھا جس نے پسی کے لئے سیر ہیں لٹکائی تھی۔

پھر برنارڈ اور پسی سیر ہی سے لاقچ پر اترنے تھے اور سیر ہی اوپر کھینچ لی گئی تھی۔

کتاب غائب نہ لگا تھا اور پسی نے ”کام ڈاؤن“ کہہ کر اسے خاموش کرا دیا تھا۔

لاقچ کا انجن اسٹارٹ ہوا اور وہ واپسی کے لئے موڑی گئی۔

”شہزاد اچاک غائب ہو گیا ہے۔!“ پسی کچھ دیر بعد بولا۔ ”گرین نیچ ہوٹل کے کافنڈات کے مطابق تم شہزاد کے ساتھ برابر کے حصے دار کی حیثیت رکھتے ہو۔“

”مم.... مجھے علم نہیں تھا بس!“ برنارڈ ہکلا کر رہا گیا۔

”تمہارے دستخط موجود ہیں کافنڈات پر۔!“

”تو پھر ایسا ہی ہو گا بس! ہم تو حکم کے بندے ہیں۔!“

”اور یہی نہیں۔ شہزاد ہی کی طرح اب تم میرے قائم مقام ہو گے۔!“

”شکریہ بس!“

”در اصل.... میں کسی قدر دشواری میں پڑ گیا ہوں۔! شہر کا ایک بلیک میلر ہماری راہ پر لگ گیا ہے۔ ایک ہفتہ ہوں۔ وہ شہزاد کو اپنے ساتھ کھینچ لے گیا تھا۔ اس کے بعد سے شہزاد کا کوئی نہیں۔“

”جیعت ہے وہ بلیک میلر ابھی تک زندہ ہے بس۔!“

”احتیاط سے کام لینا پڑے گا کیونکہ وہ محلہ سراغ رسانی کے ڈائریکٹر جزل کا بیٹا بھی ہے۔!“

”آپ عمران کی بات تو نہیں کر رہے بس۔!“

”ہاں.... وہی....! انہی نا لائقوں کی بناء پر مسٹر رحمان نے اسے قریب قریب عان۔“

کر دیا ہے۔!“

”وہ تو کریک ہے بس! اور کبھی کبھی پاگل معلوم ہونے لگتا ہے۔!“

”لیکن میں ایسا نہیں سمجھتا۔ اس کے معاملے میں بے حد سمجھیدہ ہوں۔ وہ پولیس کے لئے بھی کام کرتا ہے۔ پہلے لوگوں کو بلیک میل کرنے کی کوشش کرتا ہے اگر وہ قابو میں نہیں آتے تو پھر

پولیس کو ان کی راہ پر ڈال دیتا ہے۔!“

”ای کو تو میں پاگل پن سمجھتا ہوں۔!“

”کچھ بھی ہوا سے ٹھکانے لگانے میں احتیاط سے کام لینا پڑے گا۔!“

برنارڈ کچھ نہ بولا۔ تھوڑی دیر بعد پسی نے کہا۔ ”واجد تمہارے ہی یونٹ کا آدمی ہے۔...!“

”جی ہاں۔!“

”میں نے اسے ایک جگہ باور پی کی حیثیت سے کام کرنے کا حکم دیا تھا۔ قریباً ایک سال سے

وہاں کام کر رہا ہے۔ آنے سے میرا بھی ایک کام کرنا تھا۔ لیکن وہ مقررہ وقت پر نہیں پہنچا۔ ایسا

پہلے کبھی نہیں ہوا۔ آخری بار وہ ساڑھے بارہ بجے دن تک گرین نیچ ہوٹل میں دیکھا گیا تھا۔ اس

کے بعد سے اس کا کوئی پتہ نہیں۔! ہو سکتا ہے وہ بھی عمران کے ہاتھ لگ گیا ہو۔!“

”میں دیکھوں گا عمران کو۔ آپ فکر نہ کر جئے۔!“

”کیا تم دونوں ایک دوسرے سے واقف ہو۔!“

”میری دانست میں تو ایسا نہیں ہے۔ اصرف میں اسے جانتا ہوں۔ وہ مجھے نہیں جانتا۔!“

”لیکن صورت میں تم ہوٹل سے دور رہو گے۔ لیکن ہوٹل تمہارے ہی چارچ میں رہے گا۔

استثنی فجر کو فون پر احکامات دے سکو گے۔!“

”بھی آپ کی مرضی۔!“

”عمران کے قبضے میں میرے دو آدمی اور بھی ہیں۔! لیکن میں نہیں جانتا کہ اس نے انہیں

کہاں رکھا ہے۔ ایک حادثے میں زخمی ہو جانے کے باعث وہ اس کے ہاتھ لگے تھے۔!“

”تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس نے بہت سر اٹھا رکھا ہے۔!“

”میں نے اس کے بارے میں پہلے ہی سے سن رکھا تھا۔ لیکن اس حد تک نہیں سمجھتا تھا۔ خیر

دیکھوں گا۔!“

”واجد۔!“  
 ”میرا خیال ہے کہ میں نے پہلے بھی تمہیں کہیں دیکھا ہے۔!  
 ”دیکھا ہو گا۔!“ واجد نے لارڈ اسٹی سے کہا۔ پھر سنپھل کر عمران کو گھورتا ہوا بولا۔ ”تم نے  
 مجھ کی ہسپتال میں کیوں نہیں پہنچایا۔“  
 ”مناسب نہیں سمجھا۔!“ عمران نے شرم اکر کہا۔  
 ”کیا مطلب۔!“  
 ”تمہارے پاس ہی ایک لڑکی بھی بیہو ش پڑی تھی! میں نے کہا۔ پتا نہیں کیا بات ہو۔ کہیں  
 پولیس کیس نہ بن جائے ہسپتال پہنچانے میں۔!  
 ”کیا کہہ رہے ہو.... کسی لڑکی۔!  
 ”جیسی ہوتی ہے... بالکل عام لڑکی.... نہ اس کے سر پر سینگ تھے اور نہ دم ہی رکھتی  
 تھی۔!“ عمران نے اعتماد انداز میں کہا۔  
 ”کہاں ہے وہ۔!  
 ”دوسرے کمرے میں...!  
 ”اس نے کیا بتایا ہے....!  
 ”وہ بھی بوکھلا گئی تھی یہ سن گر کسی بیہو ش مرد نے پاس خود بھی بے ہوش پڑی تھی۔!  
 ”مجھے تمہاری بات پر یقین نہیں آ رہا۔ کیا وہ کوئی غیر ملکی لڑکی ہے۔!  
 ”ہرگز نہیں۔ سونپھد دیسی لڑکی.... ویسے ہے خوبصورت۔!  
 ”میں اسے دیکھنا چاہتا ہوں۔!  
 ”کیا بیہو شی سے پہلے نہیں دیکھا تھا۔!  
 ”ایک پیسی سے میری لڑائی ہوئی تھی۔ وہ دلکی ہی تھا۔ لیکن اس کے ساتھ ایک غیر ملکی پیسی  
 بھی تھی۔!  
 ”تو کیا تم لڑائی ہی کے دوران میں بے ہوش ہو گئے تھے۔!  
 ”ایسا ہی کچھ یاد پڑتا ہے۔ مجھے اس لڑکی سے ملواؤ۔“  
 ”وہ تمہیں جانتی ہے۔ تم سے پہلے ہوش میں آئی تھی۔ اور تمہارا نام واجد ہی بتایا تھا اور یہ

”عمران کا معاملہ مجھ پر چھوڑ دیجئے۔ میں دیکھ لوں گا۔!“ برادر ڈبولا۔  
 ”تمہارا قیام ہے نمبر ایک سو بیاسی میں ہو گا۔ وہ گرین ٹیچ ہوٹل سے زیادہ دور نہیں ہے اور  
 اسی ساحل پر میں تمہیں وہ جگہ بھی دکھادوں گا جہاں طلب کئے جانے پر تم مجھ سے مل سکو گے۔!  
 ”بہت بہتر۔!  
 لاج کے انہن کا شور اندھیرے میں گونجتا رہا۔

◆

واجد کی آنکھ کھلی تو بوكھلا کر اٹھ بیٹھا۔ حیرت سے چاروں طرف دیکھتا رہا تھا۔ نہ وہ دیرانہ تو  
 اور نہ وہ دونوں، سیلیتے سے سجائی ہوئی ایک خوابگاہ تھی۔ وہ بستے کو دکر فرش پر آیا تھا۔ اور ہنا  
 دروازے کی طرف جھپٹتا تھا۔ بڑی تندی سے دروازے کے ہینڈل پر زور آزمائی کرتا رہا۔ لیکن  
 دروازے نے جنپش نہ کی۔ تھک ہار کر پھر بستر پر آبیٹھا۔  
 آنکھوں میں شدید ترین ابھسن کے آثار پائے جاتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے جلد  
 پاگلوں کی طرح چینخا چلانا شروع کر دے گا۔ لیکن وہ سختی سے ہونٹ سنجھنے بیٹھا رہا۔  
 تھوڑی دیر بعد پھر اٹھا تھا اور دونوں ہاتھوں سے دروازہ پیٹھنا شروع کر دیا تھا۔  
 دروازہ کھلنے میں دیر نہیں لگی تھی اور ایک ہونق سا آدمی کمرے میں داخل ہوا تھا۔  
 ”اچھا تو تم جاگ پڑے۔“ اس نے چک کر پوچھا۔  
 ”ہاں میں جاگ پڑا ہوں۔ لیکن وہ مرد و دہپی کہاں ہے۔ اسے اطلاع دے دو کہ میں ذرہ بھی خاکہ نہیں ہوں! بس وہ اچاک آپڑا تھا۔ اگر اب ہاتھ آجائے تو ہمیں ریزہ ریزہ کر کے  
 دوں۔!  
 ”کس پی کی بات کر رہے ہو۔!“ ہونق آدمی نے حیرت سے کہا۔ ”میں نے تو تم  
 شاہدارا والی سڑک پر بیہو ش پیٹھا تھا۔!  
 ”اوہ.... اور.... میری موڑ سائکل۔!  
 ”ہاں کوئی موڑ سائکل نہیں تھی۔ میرا نام عمران ہے.... اور تمہارا....!“

”تم بے ہوشی کے عالم میں ہمکرت کے ڈائیاگ بول رہے تھے۔ اُس کے بعد انفرنو کے کئی بندشائے تھے۔“  
 ”میں یقین نہیں کر سکتا۔ تم اسی حرمازدادے پی کے کوئی ساتھی ہو۔! اچھا ثابت کرو کہ شیلا میرے پاس ہی بیویش پڑی تھی۔!“  
 ”شام کو ابھی اپنے گھرنے گئی ہو۔ بلوانے لیتا ہوں۔!“  
 ”تہاری باتیں میری سمجھ میں نہیں آرہیں۔!“  
 ”یہ تہاری سمجھ کا قصور ہے۔ میرا نہیں۔ دیے مجھے بھی دراصل ایک عرصہ سے ایسا اے پاس بار پی کی تلاش تھی۔ لیکن انگلش والا۔ اردو والا تو مشنوی زہر عشق پکا کر رکھ دے گا۔“  
 ”میں کیا کروں۔“ واجد نے بھنا کر اپنے سر پر دھخڑا مارا۔  
 ”علامہ کو چھوڑ کر میرے پاس چلے آؤ۔!“  
 ”مجھے یقین ہے کہ تم اسی بھی کے ساتھی ہو۔!“  
 عمران کچھ نہ بولا۔ اب وہ اسے قہر آکوں نظر وہیں سے گھورے جا رہا تھا۔ کچھ دیر قبل والے احقدانہ تاثرات چھرے سے غائب ہو گئے تھے۔  
 واجد بھی گز برا گیا۔ کچھ کہنا چاہا تھا لیکن صرف ہونٹ مل کر رہ گئے تھے۔ آواز نہیں نکلی تھی۔!  
 ”تم نے میرے دوست کی توہین کی تھی۔!“ وہ بالآخر غریا۔ ”تم نے اس سے ایسی باتیں کی تھیں جیسے اسے عورتوں کا دلال سمجھتے ہو۔!“  
 ”وہی بات نکلی تا آخر؟ تم اسی بھی کے ساتھی ہو۔!“  
 ”اور اب تمہیں بتیری باتوں کی دضاحت کرنی ہے۔!“  
 ”میں کسی بات کا بھی جواب نہیں دوں گا۔ مجھے باہر جانے دو۔!“  
 ”باہر نکلنے کی کوشش کر کے دیکھو۔!“  
 ”تم مجھے نہیں روک سکو گے۔“ واجد دروازے کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ لیکن دوسرا ہے یہ لمحے میں عمران کا اللہا تھا اس کے منہ پر پڑا تھا اور وہ کئی قدم پیچھے ہٹ گیا تھا۔  
 اس غیر متوقع بر تاؤ نے اسے غصے سے پاگل بنادیا۔ وحشیانہ انداز میں عمران پر ٹوٹ پڑا تھا۔  
 لیکن یہ اور بات ہے کہ سامنے والی دیوار سے جا نکل ریا ہو۔ عمران تو بڑی پھرتی سے ایک طرف ہٹ

بھی بتایا تھا کہ شاہزاد تم بیونی و رشی کے کسی پروفیسر کے خانہ میں ہو۔!“  
 ”مشعر۔۔۔ خدا کے لئے مجھے اس لڑکی سے جلد ملواد بجھے۔!“  
 ”کچھ بھی ہو۔ لیکن اسے اس پر حیرت ہے کہ وہ تمہارے قریب کیوں نکر بے ہوش پڑی ہے۔  
 ”کیونکہ وہ تو اپنے گھر میں سورہی تھی۔!“  
 ”خواہ خواہ۔۔۔ میری دھشت میں اضافہ نہ کرو۔۔۔ فوراً مجھے اس سے طواد۔“  
 ”اس لڑکی کا نام شیلا دھنی رام ہے۔! اسی پروفیسر کی شاگرد ہے۔ اسکے بیہاں جاتی رہتی ہے۔“  
 ”شیلا دھنی رام۔!“ اس نے حیرت سے کہا۔ ”میرے پاس بیویش پڑی تھی۔!“  
 ”تم جانتے ہو اسے۔۔۔!“  
 ”بالکل جانتا ہوں۔ وہ علامہ دھشت کے پاس آتی رہتی ہیں۔!“  
 ”ہاں یاد آیا۔ اس نے پروفیسر کا یہی نام بتایا تھا۔!“  
 ”میری عقل چکر اسی ہے۔ آخر شیلا کا میرے پاس کیا کام۔!“  
 ”اس بے چاری کو بھی حیرت ہے۔ لیکن اب وہ بیہاں موجود نہیں اپنے گھر جا بچکی ہے۔!“  
 ”تم جھوٹے ہو۔“ واجد دہلاز۔ ”تم اس بھی کے ساتھی معلوم ہوتے ہو۔ خواہ خواہ شیلا کا نام۔ رہے ہو۔!“  
 ”بھلا میں ایسا کیوں کرنے لگا۔ نہ بھی کی جان نہ پچان! تم نے میرا کیا بگلا ہے کہ۔۔۔ تمہارے ساتھ فراڈ کروں گا۔!“  
 ”اس بھی نے بھی کہا تھا کہ مجھے علامہ کے پاس لے جائے گا۔!“  
 ”میں کسی بھی وپی کو نہیں جانتا۔ جو کچھ گذری ہے وہی سنارہا ہوں۔!“  
 ”شیلا کا نام کیوں لیا تم نے۔ تم کسی طرح بھی ثابت نہیں کر سکتے کہ وہ میرے پاس ہے۔  
 ہوش پڑی پائی گئی تھی۔۔۔!“  
 ”میں ثابت کر سکتا ہوں۔ لیکن اس سے پہلے یہ بتاؤ کیا تم نے انگلش میں ایسا کیا تھا۔“  
 ”کیا بات ہوئی۔!“  
 ”جبور ایسے سوال کیا ہے۔!“  
 ”کیا مطلب۔!“

واجد کے حلق سے ملاقات کا طوفان امنڈ پر۔ اس نے پھر حملہ کیا تھا۔ اس بار عمران نے جھکائی دے کر اس کے پیٹ پر مکار سید کر دیا۔ پیٹ دبائے ہوئے دھرا ہوا تو دونوں ہاتھوں کی مٹھیاں پشت پر پڑیں۔ اور وہ منہ کے بل فرش پر چلا آیا۔ اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا کہ عمران نے سواری کاٹھ دی۔

”اور اب تم بتاؤ گے کہ علامہ کے لئے حقیقتاً کیا کرتے ہو۔!“ اس نے اسے رانوں اور بازوں سے جکڑتے ہوئے کہا۔

واجد نبڑی طرح چینخے لگا تھا۔

”پھر بات معلوم کئے بغیر نہیں چھوڑوں گا۔ خواہ تمہاری ایک آدھ پسلی کی ہڈی ہی کیوں نہ ٹوٹ جائے۔!“ عمران اپنے دباؤ کو بتدریج بڑھاتا ہوا بولا۔  
”چھوڑو.... چھوڑو.... بتاتا ہوں۔!“

عمران نے گرفت ڈھیل کر دی لیکن اس پر سے ہٹا نہیں تھا۔

”مم.... میں حقیقتاً شہزاد کا ملازم ہوں۔ اسی کے حکم سے میں بنے علامہ کی ملازمت اختیار کی تھی۔!“

”شائد تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ گرین بیچ ہول کے باور پر ہو۔!“

”میں باور پر ہی نہیں ہوں۔! بازار پر چیز رکی حیثیت سے تقریر ہوا تھا۔! اگر بیجویٹ ہوں۔ چونکہ تجوہ مقول سے بھی کہیں زیادہ تھی اس لئے اس ملازمت کو بہتر سمجھا تھا۔ لیکن پچھے ہی دونوں کے بعد شہزاد نے مجھے علامہ کے گھر بھجوادیا۔ اس طرح میری اصل آمدی میں علامہ کی طرف سے ملنے والی تجوہ کا بھی اضافہ ہو گیا۔... کیا فرق پڑتا ہے اس سے کہ میرا کام مخفی باور پر ہانے کی نگرانی کرتا ہے۔... ورنہ۔ سبھی جانتے ہیں کہ علامہ اپنا کھانا خود پکاتا ہے۔ میں مہماںوں کے لئے چائے وائے بنادیا کرتا ہوں۔ اور آمدی کے اعتبار سے پورے ملک کا کوئی گریجویٹ میرا مقابلہ نہیں کر سکتا۔!“

”اس نے تمہیں علامہ کے گھر کیوں بھجوادیا تھا۔!“

”علامہ کے ملنے جلنے والوں پر نظر رکھنے کے لئے روزانہ رپورٹ شہزاد کو دینی پڑتی ہے۔!“

صرف ناموں کی فہرست پر مشتمل ہوتی ہے۔!“

”کیسے نام۔!“

”یعنی کہ اس دن علامہ کے پاس کون کون آیا۔... اور دوسرا کام یہ ہے کہ ہر سپتھر کی شب کو ایک غیر ملکی ہپی لڑکی کا انظام کرنا۔!“  
”کس کے لئے۔!“

”یہ میں نہیں جانتا۔...! گرین بیس میں ایک ہٹ ہے جس کا نمبر ایک سو بیسی ہے۔ سپتھر کی شب کو کسی غیر ملکی ہپی عورت کو دہاں پہنچانا پڑتا ہے۔ میں نے دہاں کبھی کسی کو نہیں دیکھا۔ جب میں عورت سمیت دہاں پہنچتا ہوں تو ہٹ خالی ملتا ہے۔! حکم ہے کہ جیسے ہی گھنٹی کی آواز سنوں عورت کوہٹ میں چوڑ کر خود باہر چلا جاؤ۔ اور یہ معلوم کرنے کی کوشش ہرگز نہ کروں کہ اس ہٹ میں کون رہتا ہے۔“

”یہ ساری ہدایات تمہیں شہزاد سے ملتی ہیں۔!“

”یہ ایک مستقل آرڈر ہے۔ روز رو ہدایات نہیں ملتیں۔!  
”شہزاد کا آرڈر۔!“

”ہاں۔ اسی کا آرڈر ہے۔!“

”کل کی رات تو خالی گئی۔ پھر کیا ہو گا۔!“

”میں نہیں جانتا شہزاد بھی تو پچھلے ہفتے سے غائب ہے۔ کوئی نہیں جانتا کہ وہ کہاں ہے۔!“

”شہزاد نامی کسی آدمی کو جانتے ہو۔!“

”نہیں۔... یہ نام میرے لئے نیا ہے۔!“

”کیا خیال ہے؟ شہزاد اپنے ہی لئے ہپی عورتیں ملکوں اتھے۔!“

”سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ وہ ایک نذر اور بے باک آدمی ہے۔ اتنی سی بات کے لئے اتنی رازداری کی کیا ضرورت ہے۔!  
”تو پھر۔!“

”اُسے اب تو ہٹو۔... چھوڑو مجھے دم گھٹ رہا ہے۔ خدا جانے کس عذاب میں پھنس گیا ہوں۔  
اگر تم پولیس کے آدمی ہو تو میری آنکھیں حوالات میں کیوں نہیں کھلیں۔ یہ اتنا شاذ کمرہ۔!“

”میں نہیں سمجھا!“ واجد ہکلایا۔  
چھپی رات تم ہٹ نمبر ایکسو بیاسی میں پسی عورت نہیں پہنچا سکے تھے اور علامہ کے گھر سے  
بھی عجب رہے ہو۔ کیا یہ خلافِ معمول نہیں ہے!“  
”بالکل خلافِ معمول ہے۔ جب سے یہ کام سونپا گیا ہے بھی نامہ نہیں ہوا!“  
”بُن تو پھر سمجھ لو تمہاری موت ہی آواز دے گی۔ اگر تم نے ان لوگوں کی طرف واپس  
جانے کی کوشش کی!“  
واجد کسی سوچ میں پڑ گیا۔ اس کے چہرے سے سر ایسکی ظاہر ہو رہی تھی۔



کیپن خاور نے فون پر عمران کے نمبر ڈائل کئے تھے۔ اور دوسری طرف سے سلیمان کی  
آواز سن کر عمران سے گفتگو کی خواہش ظاہر کی تھی۔

”وہ تو کوئی دن سے غائب ہیں جناب!“ سلیمان نے جواب دیا۔  
خاور نے سلسلہ منقطع کر کے سائیکو مینشن کے نمبر ڈائل کئے تھے۔ یہاں عمران سے گفتگو  
ہوئی گئی۔

”کیا تصدی ہے!“ عمران نے پوچھا۔  
”ایک ٹوکی ہدایت کے مطابق تمہیں اطلاع دی جا رہی ہے کہ گرین ہٹ نمبر ایک سو بیاسی  
میں جوزف بر نارڈ نام کا ایک دیسی عیسائی مقیم ہے! بُن میں ہے۔ تبدیلی آب و ہوا کی غرض سے  
بہاں آیا ہے۔ چھپی ہی رات کو یہاں پہنچا ہے۔ اس سے پہلے ہٹ خالی تھا!“

”کہاں سے آیا ہے!“  
”رجیم آباد سے.... وہاں اس کا قابیں بافی کا کارخانہ ہے!“  
”اس پر نظر رکھو!“

”اس کے لئے مجھے کوئی ہٹ کرائے پر لیتا پڑے گا!“  
”آس پاس کوئی ہٹ خالی ہے!“ عمران نے پوچھا۔

عمران اسے چھوڑ کر ہٹ گیا۔ واجد کچھ دیر فرش ہی پر بیٹھا ہاپتار ہا۔ پھر اٹھ کر منہری پر  
بیٹھ گیا۔

”میرا تعلق پولیس سے نہیں ہے!“ عمران اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔  
”تو پھر اس کا کیا مطلب ہو سکتا ہے!“ واجد نے تھنے پھلانے تھے۔  
”جب دو بد معاش آپس میں مگراتے ہیں۔ جب بھی بھی ہوتا ہے!“  
”اوہ.... تو تم شہزاد کے کوئی کاروباری حریف ہو!“  
”یہی سمجھ لو!“

”شہزاد کہاں غائب ہو گیا!“

”چھپتا پھر ہاہے۔ ہم لوگوں کے ڈر سے!“ عمران نے لاپرواہی سے کہا۔ ”میں اس کے  
آدمیوں کو اس لئے گھیر رہا ہوں کہ اس کا سراغ مل سکے!“  
”لیکن وہ ٹاپ میں نہیں ہے!“ واجد نے کہا۔ ”سارے ملازم میں جانتے ہیں کہ اس کے اوپر  
بھی کوئی ہے!“

”ہو سکتا ہے!“ عمران نے لاپرواہی سے شانوں کو جنم دی۔  
”اگر مجھے کوئی معقول ملازمت مل جائے تو شہزاد پر لعنت بھیج سکتا ہوں!“ واجد نے عمران  
کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

”ہم اپنے حریفوں کے آدمیوں کو ملازم نہیں رکھتے!“  
”کافی میں بات ڈال دی ہے!“ واجد نے بے تکلفانہ لہجہ اختیار کرتے ہوئے کہا۔ ”اگر بھی  
خیال ہو تو مجھے تیار پاؤ گے!“  
”تمہیں اب جانا کہاں ہے؟“

”کیا مطلب!“ واجد چوک پڑا۔  
”جب تک شہزاد ہاتھ نہ آجائے تینیں بندر ہو گے۔ نکل بھاگنے کی کوشش کی تو گولی مار دی  
جائے گی!“

”آخر مجھے روکے رکھنے سے کیا فائدہ!“  
”میں چاہتا ہوں کہ تم زندہ ہو!“

”ایک بہستا سی نمبر... خالی ہے!“  
 ”پندرہ دن کے لئے حاصل کرلو!“  
 ”اس کے لئے ایکس ٹو سے بدایت لینی پڑے گی!“  
 ”میں کہہ رہا ہوں۔ میری ذمہ داری ہے۔ اگر ایکس ٹو نے اخراجات کی ادائیگی سے انکار کریں تو میں ادا کروں گا!“  
 ”بہت بہتر! جوزف اور صدر کس حال میں ہیں!“  
 ”تیزی سے صحت یاب ہو رہے ہیں۔ فکر نہ کرو!“  
 ”اور کوئی خاص بات!“  
 ”کچھ نہیں۔ برناڑ کی کڑی نگرانی ضروری ہے۔ میرا خیال ہے کہ تم تھا کافی نہ ہو گے سارجنٹ نعمانی کو بھی میلا لو!“  
 ”اچھی بات ہے۔!“ خاور نے کہا اور سلسلہ منقطع ہی کرنے والا تھا کہ عمران کی آواز آئی۔ ”ایک بات اور ہے۔“  
 ”وہ بھی جلدی سے بتادو!“  
 ”ہشت نمبر ایک سو بیا سی میں ٹیلی فون ہے یا نہیں!“  
 ”آٹھار توپائے جاتے ہیں!“  
 ”اس کا فون شیپ کرنے کا بھی انتظام کرو!“  
 ”اس طرح تم آدمی ہو جائیں۔ میں، نعمانی اور ٹکنیشن...!“  
 ”کوئی فکر کی بات نہیں!“  
 ”تو خود ہی وہاں سے کسی کو بھیج دو!“  
 ”اچھی بات ہے! میں دیکھتا ہوں!“  
 خاور سلسلہ منقطع کر کے ٹیلی فون بو تھے سے باہر آگیا۔ تھوڑی دیر بعد ہشت نمبر ایک ستاری کا معاملہ بھی طے ہو گیا تھا۔  
 اور پھر دو گھنٹے کے اندر ہی اندر سارجنٹ نعمانی بھی ایک ٹکنیشن سمیت وہاں پہنچ گیا تھا۔  
 ”یہ کام تواریخ کی کو ہو سکے گا....!“ ٹکنیشن نے بتایا۔

”اچھی بات ہے....! اس کے لئے کسی مخصوص وقت کا تعین نہیں کیا گیا۔ لہذا جب تمہیں آسانی ہو!“ خاور بولا۔  
 ”بہت دنوں کے بعد کوئی ڈھنک کا کام ہاتھ آیا ہے۔!“ نعمانی نے رائے ظاہر کی۔  
 ”یعنی تم ساحل سمندر پر چھٹیاں گزارنا فرض کرلو گے!“ خاور بولا۔  
 ”مفروضات ہی کے سہارے زندگی گذری جادہ ہے۔!“  
 ”وہ ہٹ سے ابھی تک باہر نہیں نکلا!“  
 ”کون...!“ نعمانی نے پوچھا۔  
 ”برناڑ نام کا ایک بزرگ میں ہے! نام بھی نہ معلوم ہو سکتا لیکن میں نے وہی امراض کے ایک عحتی سر کاری ڈاکٹر کا روپ ادا کیا تھا۔ برادرست اُسی سے اُس کے بارے میں سوالات کے تھے۔!  
 ”لیکن یہ طریقہ....!“ نعمانی کے لمحے میں تشویش تھی۔  
 ”اس کے علاوہ اور کوئی چارہ ہی نہیں تھا۔ آس پاس والوں نے لا علی ظاہر کی تھی۔ ظاہر ہے کہ پچھلی رات ہی کو تو یہاں آیا ہے۔!“  
 ”عمران کا خیال ہے کہ ہمیں بہت محتاط رہنا پڑے گا۔!“ نعمانی بولا۔  
 ”عمران کو پوری طرح مسلط کر دیا گیا ہے ہم پر۔!“  
 ”تمہارا خیال درست ہے۔!“ نعمانی نے کہا۔ ”جو لیا ہی کے توسط سے اسے ایکس ٹو کے پیغامات ملتے ہیں۔!“  
 خاور کچھ نہ بولا۔  
 دن بھر وہ ہشت نمبر ایک سو بیا سی کی نگرانی کرتے رہے تھے۔ لیکن کوئی باہر نہیں نکلا تھا۔  
 ”پھر کو کسی ہوتل کا اوپر برناڑ کے لئے کھانا پہنچا گیا تھا۔ اور پھر برلن بھی واپس لے گیا تھا۔!  
 ”اگر یہ شخص تفریق کی غرض سے یہاں آیا ہے تو پھر اس گوشہ نشینی کی وجہ سبھی میں نہیں آتی۔!“ نعمانی خاور کو دیکھ کر بولا۔ ”کیا وہ صورت سے بیمار لگتا تھا۔!  
 ”نہیں ایسی کوئی بات میں نے مارک نہیں کی تھی۔!“  
 جس ہٹ میں انہوں نے قیام کیا تھا اس میں فون نہیں تھا۔ اس لئے خاور کو پھر ٹیلی فون بو تھے تک جانا پڑا تھا۔ اور اس کی ضرورت یوں پیش آئی تھی کہ خاور نے محسوس کیا تھا کہ خود ان

کی بھی نگرانی کی جارہی ہے۔  
عمران سائکو میشن ہی میں ملا تھا۔ خاور نے اسے صورت حال سے آگاہ کرتے ہوئے کہا۔ ”اب اس کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کہ فون ٹیپ کیا جاسکے؟“  
”میکنیشن کو واپس بھیج دو۔ لیکن تم دونوں دہیں ٹھہر و گے۔!“ دوسرا طرف سے عمران کی آواز آئی۔ ”کوئی بے احتیاطی ہوئی ہے؟“  
”میا مطلب!“

”جب وہ شخص بچھلی رات ہی کوہاں پہنچا ہے تو پھر تم نے اس کے بارے میں معلومات کر طرح حاصل کی تھیں!“  
”خود اس سے۔ اوابی امراض کا گشی سر کاری ڈاکٹر بن کر!“  
”بہت اپھے.... قیام تو ہو نہیں سکتا۔ سر کاری ڈاکٹر وہ جیسے بے چارے مڑ گشی کیا فرمائیں گے۔ اس دولت مند ملک میں گشی ڈاکٹر جیسی گھیاچیز نہیں پائی جاتی۔ برادرست پوچھ چکہ کرنی تھی تو پیشہ در عورتوں کے دلال بن گئے ہوتے۔ بکثرت پائے جاتے ہیں یہاں!“

”کیوں بکواس کر رہے ہو؟“  
”یہ حکمت کی باتیں ہیں۔ بکواس نہیں۔ چیف سے پوچھوں گا کہ آخر اس کے باضابطہ انت سن یونیکو کوب پہنچیں گے!“

”کام کی بات کرو گے یا بند کر دوں فون!“ خاور جھنجھلا کر بولا۔  
”کام کی بات یہ ہے کہ اب واپس جا کر ہٹ سے باہر مت نکلن۔ درنہ چیف بھی تمہاری زندگیوں کی صفات نہیں دے سکے گا....! ٹھہر و سنو۔ ابھی شائد میں نے کہا تھا کہ میکنیشن کو واپس بھیج دو۔ لیکن اب اسے بھی اپنے ساتھ ہی روکے رکھو!“  
”کیا تم سمجھدہ ہو؟“

”ای طرح جیسے موت برحق ہے!“  
”تو ہم صرف ہٹ ہی ملک مدد دھو کر رہ جائیں...!“  
”مناسب ہی ہو گا.... تمہارے طریق کارنے کھیل گاڑ دیا ہے۔ یا پھر....!“  
”کہو.... کہو.... رُک کیوں گئے!“

”کچھ نہیں“ کہہ کر عمران نے سلسلہ منقطع کر دیا تھا۔  
خاور نے ناگواری سے سر کو جبکش دی تھی اور رسیور بک سے لگا کر باہر نکل آیا تھا۔ واپسی پر اُنے تعاقب کا احساس ہوا تھا۔ اور اس بات کی تصدیق ہو گئی تھی کہ تعاقب کرنے والا انہی دو آدمیوں میں سے تھا جو خود ان کے ہٹ کی نگرانی کر رہے تھے۔!

خاور بہت دھرم نہیں تھا۔ اسے پوری طرح احساس تھا کہ برادرست قسم کی چھان میں بہر حال طریق کار کی خانی ثابت ہوتی ہے! لیکن اب کیا ہو سکتا تھا تیر کمان سے نکل چکا تھا۔ اور بظاہر اس غلطی کا ازالہ ممکن نظر نہیں آتا تھا۔ ہٹ میں پہنچ کر اس نے اپنے ساتھیوں کو صورت حال سے آگاہ کر دیا۔

”ٹھیک ہے!“ نعمانی سر ہلا کر بولا۔ ”یہووا طمینان سے.... دیکھا جائے گا۔!“

”بھوکے مر جائیں گے۔! یہاں تو فون بھی نہیں ہے کہ مسٹر بر ناد کی طرح کسی ہوٹل کی اکٹر ٹول سروس طلب کر لیں گے۔!“

”اندھیرا پھینے دو..... میں کھانا لاوں گا۔!“ نعمانی نے کہا۔ ویسے تم نے اچھا کیا کہ یہاں کی پوچیش سے ہٹڈی کو اکٹر کو آگاہ کر دیا۔!“

”کیسی چاہات سرزد ہوئی تھی مجھ سے۔!“

”سب چلتا ہے۔!“

اور پھر آٹھ بجے کے قریب نعمانی ہٹ سے باہر نکلا تھا۔ اور ایک ساٹھی ہوٹل کی طرف چل پڑا تھا۔ اپنی دوست میں خاصا چوکنا بھی تھا۔ لیکن جب ایک دران گوشے میں اچاک دو آدی اس پر نوٹ پڑے تو بغلی ہو لستر سے روپور نکال لینے کا بھی موقع نہ مل سکا۔!

گردن پر کسی وزنی چیز کی ضرب پڑی تھی اور وہ اونچے مندرجہ مدرسیت پر ڈھیر ہو گیا تھا۔ ضرب ایسی ہی شدید تھی کہ ہوش دھواس برقرار رکھنے کے لئے ڈوبتے ہوئے ذہن سے جنگ کرنی پڑی تھی۔ لیکن پوز ہیں کر تارہ تھا جیسے گرتے ہی بے حس و حرکت ہو گیا ہو۔

”اخلاذ است!“ ایک کو دوسرے سے کہتے سننا۔

”گاڑی دور ہے۔! کسی نے دیکھ لیا تو زحمت ہو گی۔ تم گاڑی اوہر ہی لاو۔!“ دوسرا بولا تھا۔

”ٹھیک ہے.... میں جا رہا ہوں.... تم بھی اس کے قریب ہی لیٹ جاؤ.... تاکہ دیکھے نہ

حاں کو!“

”فکر نہ کرو... جاؤ...!“

پھر سننا چاہیا۔ ریت پر قدموں کی آواز بھی نہیں سنائی دی تھی۔ ویسے نعمانی نے میں اندازہ لگایا کہ ان میں سے ایک وہاں سے چلا گیا ہے۔

دوسرے آدمی نے اپنے ساتھی کے مشورے پر عمل کرنے کی بجائے نعمانی کے قریب، زانو بیٹھے جانے کو ترجیح دی تھی۔ پھر وہی جھک کر شامندیہ دیکھنے لگا تھا کہ نعمانی ہوش میں تو نہیں آ رہا۔ نعمانی کے نزدیک کچھ کر گزرنے کے لئے ایک بہترین موقعہ تھا۔ لہذا اُس نے اچھل کر اپنی کھوپڑی اُس کے ناک پر رسید کر دی۔

”اووف...!“ خوفزدہ سے انداز میں کراہ کر دوسری طرف الٹ گیا۔ دوسرے ہی لمحے نعمان اس پر چڑھا بیٹھا گردن پر دبا داں رہا تھا۔

”ارے کیا کر دیا سیتا اس!“ قریب ہی سے آواز آئی۔ اور اگر نعمانی آواز پہچان نہ لیتا تو اس کے ہول سر سے روی والوں بھی نکل آیا ہوتا۔ یہ عمران کی آواز تھی۔

”چھوڑو... ہٹو...!“ وہ قریب پہنچ کر بولا۔

نعمانی نے فوراً اس مشورے پر عمل کیا تھا۔ انہیں میں عمران کی شکل نظر نہیں آئی تھی۔ لیکن وہ اس کے قریب ہی موجود تھا۔

”بیہو ش ہو گیا!“ عمران پر تشویش لجھ میں بولا۔ ”اگر تم ہی بیہو ش ہو جاتے تو کیا حرج تھا!“

”لیما مطلب!“

”تمہیں لاوارشوں کی طرح تو نہیں چھوڑ دیا گیا تھا! میں دیکھتا کہ آخر وہ تمہیں کہاں سے جاتے ہیں!“

”تو پھر اب کیا کیا جائے؟“

”تم ہکھکو یہاں سے... میں اس کے برابر لیٹا جاتا ہوں۔ اسے بھی وہ تمہارے برابر یہ جانے کا تو مشورہ دے گیا ہے!“

”میدان صاف ہے! ان دونوں کے علاوہ اور کوئی تمہاری گمراہی نہیں کر رہا تھا تم خار!“

لیکن کو ساتھ لے کر اب یہاں سے چلے جاؤ۔ ہیڈ کو ارت میں میرا منتظر کرنا!“

”بہت بہتر...!“ نعمانی بھرتی سے اٹھا تھا اور واپسی کے لئے مڑ گیا تھا۔ اس بات کو بھی تو

ٹوپڑ رکھنا تھا کہ کہیں محلہ آور کے دوسرے ساتھی سے نہ مدد بھیڑ ہو جائے۔

گردن پر لگنے والی چوٹ اب تکلیف وہ ہوئی جا رہی تھی۔ شدید درد تھا۔

بہر حال کسی نہ کسی طرح بہت تک پہنچا تھا اور جلدی جلدی، اپنی روزادہ ہر اکر بولا تھا! ”جتنی

جلد ممکن ہو یہاں سے نکل چلو!“

”عمران تھا تھا؟“ خاور نے پوچھا۔

”میری دانت میں تھا تھا!“

”کیا یہ مناسب ہو گا کہ اسے تنہا چھوڑ دیا جائے!“

”یار کیوں وقت ضائع کر رہے ہو۔ نکلو یہاں سے...!“

وہ بھاگم بھاگ اس جگہ پہنچ تھے جہاں تفریق کے لئے آنے والے اپنی گاڑیاں پارک کرتے

تھے۔ ان کی گاڑی بھی وہیں کھڑی تھی۔



وہ دونوں ابھی تک بے ہوش تھے۔ اور عمران ان کے قریب ہی ایک آرام کر سی پر نہیں دراز

علامہ دہشت کی ایک کتاب کا مطالعہ کر رہا تھا۔ کچھ دیر قبل نعمانی کی وجہ سے وہ نہیں ہو سکا تھا جو

عمران کے ذہن میں تھا۔ لہذا پھر یہی ہوا تھا کہ اُس نے بے ہوش آدمی کے دوسرے ساتھی کو بھی

بے بُل کر کے بیہو ش کیا تھا اور دونوں کو سائیکو میشن اٹھالا یا تھا!

دونوں کی بے ہوشی اندازے سے زیادہ طویل ہو گئی تھی۔

وہ کچھ دیر اور انتظار کر تارہ تھا۔ پھر انہیں اسی حالت میں چھوڑ کر کمرے سے باہر آگیا تھا۔

اپنے کمرے میں پہنچ کر اس نے فون پر اپنے فلیٹ کے نمبر ڈائل کیے۔ لیکن فوری طور پر

جو اپنے نہ مل۔ گھڑی دیکھی گیا رہ بچے تھے۔ اسوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا کہ سلیمان اتنی جلدی سو گیا

ہو۔ فلم دیکھنے بھی نہیں جا سکتا تاکہ یونکہ عمران نے قلیٹ ہی تک محدود رہنے کے لئے تھتے تاکید کی تھی۔

اس نے پھر نمبر ڈائل کئے۔ تیری پار سلیمان کی بھرائی ہوئی سی آواز سنائی دی تھی۔  
”ابے کیا اتنی جلدی سو گیا تھا۔!  
”افیون کھائی تھی۔!  
”دماغ تو نہیں چل گیا۔!

”بाहر بھی تو نہیں جا سکتے۔ اور نہ ہر وقت کامیں کامیں ہی سنی جاتی ہے اس لئے دھوکے

اسے بھی افیون دے دیتا ہوں۔ اور خود بھی ٹھوڑی سی۔!  
”گھر بھی لٹوائے گا! اور خود جان سے بھی جائے گا۔!

”پھر کیا کروں۔؟ کہاں سردے ماروں۔...!  
”آج کتنی کالیں آئی تھیں۔...!

”صرف ایک آدمی کئی بار فون کر چکا ہے اور ایک ہی جملہ کہہ کر رسیور رکھ دیتا ہے۔...!  
”کیا کہتا ہے؟

”عمران سے کہہ دو کیوں شامت آئی ہے۔!  
”تو پھر کہہ دے۔!

”کیا کہہ دوں۔!  
”وہی جو وہ کہتا ہے۔!

”کہہ تو دیا۔!  
”اچھی بات ہے۔ اور کل تم دونوں کو ٹھی ٹپے جاؤ۔!

”کیوں؟ کیوں۔!

”بس یونہی جوزف بھی قلیٹ میں موجود نہیں ہے۔ اس لئے تم دونوں کی طرف  
تشویش رہتی ہے۔ کوئی کچھ پوچھ جو تو کہہ دینا کہ میں نے نکال باہر کیا ہے۔!

”آخر کیوں۔!  
”اس بار جس سے یادِ اللہ ہوئی ہے بے حد کمینہ معلوم ہوتا ہے۔ میرے جسم پر زینتے والا

”پوچھ کر بھی زندہ نہیں چھوڑے گا۔ اگر میرا پکھنہ بکار سکا۔!  
”اس کا پتہ بتایے۔ گلرخ کو اس کے پیچھے لگادوں گا۔!  
”مت بکواس کر۔ جو کچھ کہا ہے اس پر صحیح عمل ہونا پاپا ہے۔ قلیٹ میں تالا ڈال دے۔!  
”ایسا تو کبھی نہیں ہوا۔!  
”بکواس ہی کئے جائے گا۔!  
”کوئی کس منہ سے جاؤں۔!  
”گلرخ سے کہہ۔ وہ کوئی تیر کر لے گی۔!  
”بڑی مشکل میں ڈال دیا ہے آپ نے۔...!  
”جوزف ہو تا تو ٹکرنا ہوتی۔!  
”اچھی بات ہے۔! سلیمان نے مردہ سی آواز میں کہا۔  
”عمران نے سلسلہ مقطوع کر کے رانا پیلس کے نمبر ڈائل کئے تھے۔ ٹھوڑی دیر بعد بیک زیر  
کی آواز سنائی دی۔  
”لیا خبر ہے۔!“ عمران نے پوچھا۔  
”سب ٹھیک ہے! واحد بے حد خائن ہے! خوشابدیں کر رہا ہے کہ اسے باہر نکلنے پر مجبور نہ  
کیا جائے۔!  
”مرنا نہیں چاہتا! جس سے بھی سابقہ پڑا ہے بے حد چالاک آدمی ہے! اہٹ نمبر ایک سو  
یا کی کو ہمارے لئے ٹریپ بنانے کی کوشش کی تھی۔ مجھے یقین ہے کہ ہماری باخبری کا احساس  
ہوتے ہی بزرگ ڈہاں سے غائب ہو جائے گا۔!  
”کیا کوئی خاص واقعہ پیش آیا ہے۔!  
”بہت ہی غاص۔ یہ تینوں بال بال نئے گئے۔!“ عمران نے کہا اور اہٹ نمبر ایک سو بیاسی کی  
کہانی دہرانے لگا۔!  
”خاور کی بے اختیاطی کہئے۔...!  
”بیک زیر والا آخر بولا تھا۔  
”اس سے کوئی فرق نہ پڑتا۔ ٹریپ تو پہلے ہی سے تیار تھا۔ واحد کے غائب ہو جانے کا علم  
کوستہ ہی اس نے وہ ٹریپ ہمارے لئے تیار کیا ہو گا۔ خاور کی جماعت تو میرے لئے الارم بن گئی۔

ورنہ شاہد کچھس ہی جاتا۔!

”میری دانست میں علامہ کی فلیڈ اتی و سیع نہیں ہو سکتی۔!

”شہزاد بھی تو ایک نام ہے۔ ان دونوں میں کیا تعلق ہے۔ یہ دیکھنا ہے کہ دونوں میں سے کون کس کا زیر دست ہے۔!

”شہزاد کی گمشدگی کی اطلاع پولیس کو دے دی گئی ہے۔!

”کس کی طرف سے۔!

”ہوش کے اسٹرنٹ فیجر کی طرف سے۔!

”ٹھیک ہے چلنے دو۔!

”اس کی لاش کا کیا ہو گا۔!

”فکر نہ کرو۔ وہ سر دخانے میں آرام سے ہے۔!

”آپ علامہ اور شہزاد میں سے کس پر زیادہ زور دے رہے ہیں۔!

”فی الحال کسی پر بھی نہیں۔ زیادہ فکر اس کی ہے جس کے لئے جو لیا کویہاں سے بھیجا گیا ہے۔

”وہ تو علامہ ہی کا معاملہ ہے۔!

”سوال تو یہ ہے کہ شہزاد میرے اور اس کے درمیان کیوں آگیا ہے۔!

”جی ہاں! یہ دیکھنے کی بات ہے۔!

”اور دونوں کے درمیان کس قسم کا تعلق ہے۔ علامہ جیسے لوگ کسی کے زیر دست ”پسند نہیں کرتے۔ اور شہزاد کے بارے میں جتنی بھی معلومات حاصل ہوئی ہیں ان کی روٹ ایسا ہے بھی ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ کسی کی بالادستی پسند نہیں کرے گا۔“

”ایک ہی شخص کے دروب پ بھی ہو سکتے ہیں۔!

”اس کا بھی امکان تھا! لیکن واحد کی دریافت نے اس نظریے پر بھی نہیں جنے دیا۔ وہ شہزاد کے علاوہ اور کسی کو نہیں جانتا۔ بھلا علامہ اتنے گھماو پھر اور اولے راستے کیوں اختیار کرے گا۔“

”میں نہیں سمجھا۔!

”فرض کرو! علامہ اور شہزاد ایک ہی شخصیت کے دروب پ ہیں۔ شہزاد شہزاد کا باس۔

اس صورت میں یہ سوچو کہ واحد کا علامہ کے گھر یا اور پی کی خیثیت سے رہنا کیا معنی رکھتا ہے۔

کے پیان کے مطابق شہزاد ہی نے اُسے اس کام پر لگایا تھا۔!

”اتفاق کسی نتیجے پر پہنچنا آسان نہیں معلوم ہوتا۔!

”دوسری طرف شہزاد بھی علامہ کے مخصوص شاگردوں میں سے تھا۔!

”تو پھر اب برثارڑ کے سلسلے میں کیا ہو رہا ہے۔!

”خاور اور نعلیٰ کو وہاں سے ہٹا کر صدقی اور چوہاں کو اس کی گمراہی پر ماحور کر دیا گیا ہے۔ وہ

برادر است تھیں رپورٹ دیں گے۔!

”بہت بہتر۔ میں جاتا رہوں گا۔!

عمران نے سلسلہ منقطع کر دیا۔ اب وہ پھر اسی کمرے کی طرف جا رہا تھا۔ جہاں ان دونوں کو چھوڑا تھا۔

وہ ہوش میں آپکے تھے اور گرد نیں ڈالے ہوئے پڑے تھے۔ عمران کو دیکھ کر اٹھنے کی

کوشش کی تھی۔ لیکن عمران ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”نہیں اسی طرح آرام سے لیٹے رہو۔!

”ہم کہاں ہیں۔ ایک نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔!

”پتا نہیں کہاں ہوتے اگر میں ٹھیک وقت پر نہ پہنچا ہوتا۔ عمران مسکرا کر بولا۔ ”یا تم

لوگ رات کا کھانا کھا چکے تھے۔!

”موقع ہی نہیں ملا تھا۔!

”کھانے سے پہلے کیا پیٹو گے۔!

”اُرے اس کی تکلیف نہ بیجھے۔!

”نہیں کچھ بکلی پھلکی سی..... بیس مر گنواؤں....!

”تکلیف ہی کر رہے ہیں تو جو مگوا بیجھے۔!

”ابھی لو۔!“ عمران نے کہا اور اسٹر کوم کے قریب بیجھ کر بولا۔ ”بہمان خانے میں جن اور

کوڈا پہنچا اور کھانے کے لئے بھی کچھ.....!

”وہ دونوں تذبذب کے عالم میں اسے دیکھے جا رہے تھے۔ عمران ان کی طرف مڑا تو وہ گز بڑا

گئے اور ان میں سے ایک ہکلایا۔ ”آخر ہم میں کہاں۔!

”دوسروں کے درمیان۔ اس لئے زیادہ جانے کی کوشش نہ کرو۔!

انہوں نے اسے بھی خشن میں شریک کرنا چاہا تھا۔ لیکن عمران سر ہلاکر بولا۔ ”شکریہ میں ہوت نہیں پیتا۔“  
دوسری بار گلاس بریز کرتے وقت ان میں سے ایک چکا۔ ”اب جان میں جان آئی ہے۔!  
”بے تکلفی سے پیٹا۔!“ عمران نے کہا۔ ”اور بے تکلفی ہی سے مزید طلب کرو۔ دیسے ایک بات سمجھ میں نہیں آئی۔!  
”کون کی بات۔!  
”جب تم سے صرف تعاقب کرنے کو کہا گیا تھا تو تم اس پر ٹوٹ کیوں پڑے تھے۔!  
”اوہ.... یہ بھی تو کہا گیا تھا کہ اگر ان میں سے کوئی ہاتھ لگ سکے تو اسے بے بس کر کے تنام ہاؤز پہنچا دیا جائے۔!  
”تنام ہاؤز۔!“ عمران کچھ سوچتا ہوا بڑھا۔ پھر انہیں غور سے دیکھتا ہوا۔ ”ضرور کوئی غلطی ہوئی ہے۔!  
”کیسی غلطی؟“  
”یہ تنام ہاؤز ہے کہاں۔!“ عمران نے سوال کیا۔  
”بڑیور وڈ پلیس سینما کے سامنے۔!  
”اوہ.... اچھا.... اچھا....!  
پھر وہ خاموشی سے پیتے رہے تھے اور عمران بھی کچھ سوچنے لگا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے کہا۔ ”اس کا حکم ہے کہ تمہیں یہیں روکے رکھا جائے۔ تو قیکہ وہ تیوں ہاتھ نہ لگ جائیں۔!  


رات کے سانٹے میں کلاک ٹاور کا گھنٹہ دوبارہ گونجا تھا۔ اور اس کے بعد یہ سناتا کچھ اور زیادہ گمراخجوس ہونے لگا تھا۔

عمران تنام ہاؤز کی عقبی گلی میں داخل ہوا۔ یہ ایک بڑی عمارت تھی۔ جس کے چھانک پر مرف ایک ہی نیم پلیٹ نظر آئی تھی جس کے مطابق یہاں کوئی نادر سلمانی ایڈو کیٹ رہتا تھا۔

”کیا وہ بھی پکڑا گیا ہے۔?  
”نہیں وہ نکل گیا۔!  
”ہم نے پوری پوری کوشش کی تھی۔!  
”مجھے علم ہے.... اور میں اسی لئے وہاں بھیجا گیا تھا کہ تمہاری لا علمی میں تمہاری حفاظت کرتا رہوں۔!  
وہ کچھ نہ بولے خاموشی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر رہ گئے تھے۔

”باس بہت باخبر آدمی ہے۔!“ عمران بولا۔  
”باس!“ تھیج آمیز لمحے میں کہا گیا۔ ”کیا وہ ہم چھوٹے آدمیوں کے احوال سے بھی باخبر رہتا ہے۔!  
”بالکل۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو میں تمہیں ان لوگوں کے چنگل سے کیسے نکال سکتا۔ لیکن کبھی کبھی باس کا یہ طریق کارکام کرنے والوں کو دشواری میں بھی ڈال دیتا ہے۔!  
وہ دونوں اسے ایسے انداز میں دیکھنے لگے جیسے بات سمجھ میں نہ آئی ہو۔ عمران سر کو جبڑ دے کر وضاحت کرنے لگا۔

”جس نے بھی تمہیں اس کام پر لگایا تھا اسے باس سے مسلسل رابطہ رکھنا چاہئے تھا۔ لیکن ایسا نہیں ہوا۔ تمہیں کس نے ہٹ نمبر ایک سو بیاسی کی گمراہی کرنے کا حکم دیا تھا۔!  
”برنارڈ صاحب نے۔!  
”بالاشانہ۔!  
”نہیں فون پر۔!  
”تمہیں معلوم ہے کہ ہٹ نمبر ایک سو بیاسی میں کون رہتا ہے۔!  
”ہمیں نہیں بتایا گیا دراصل ہم سے کہا گیا تھا کہ ان لوگوں پر نظر رکھیں جو ہٹ کی گمراہ کر رہے ہیں۔ اگر ان میں سے کوئی کہیں اور جائے تو اس کا تعاقب کریں اور پوری رپورٹ فون، برنارڈ صاحب کو دیں۔!  
عمران کچھ اور کہنے والا تھا کہ شراب اور اس کے لوانات آگئے۔  
”پہلے پیاس بھجاو۔ پھر باتیں ہوں گی۔!“ عمران مسکرا کر بولا۔

عقبی گلی میں عمارت کے مقابلہ ہی کوئی موڑ گیراج تھا جس کی وجہ سے گلی میں دور تک پہنچ سکتا تھا۔ عمران گلی میں داخل تو ہو گیا تھا لیکن عمارت میں داخل ہونے کی کوئی صورت نہ دیکھ کر پھر پلٹ آیا۔ دراصل موڑ گیراج کا جو کیدار بہت ہی جو کس رہنے والا آؤ معلوم ہوتا تھا۔ اور اسے وہاں سے ہٹانے کی کوئی تدبیر مزید الہجاء پیدا کر سکتی تھی۔ وہ پھر پلٹ سینما والے فتح پر چلا آیا۔ جہاں اس نے اپنی گاڑی پارک کی تھی۔ گاڑی میں بھی بیٹھ گیا لیکن انہی اشارات کرنے کی بجائے اسٹریٹ گ پر سر رکھ کر ستانم ہاؤز کے پھانک کو گھوڑنے لگا۔

بھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ لوگ کسی کام کے لئے نکل کھڑے ہوتے ہیں لیکن طریق کا کام تعین نہ ہونے کی بنا پر انہیں ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھ رہنا پڑتا ہے اس وقت عمران بھی کچھ اسی تم کی کیفیت سے گذر رہا تھا۔ لیکن ذہن کے عقبی حصے میں کہیں نہ کہیں روشنی کی کوئی رہنمی کرنے ضرور موجود تھی یعنی کچھ ہو کر رہے گا۔

اسی او ہیز بن میں ڈھائی نجع گئے۔ جس پوزیشن میں تھا اسی میں بیٹھا رہا۔۔۔!

ڈھائی نجع گئے تھے لیکن عمارت کی بعض کھڑکیاں اب بھی روشن تھیں۔۔۔ شائد اس غیر معمولی بات نے اسے وہاں روکے رکھا تھا۔ ورنہ اس کا کوئی منطقی جواز نہیں تھا۔ دراصل یہ سونا کرو اور ہر آیا تھا کہ عمارت میں بے ضابط طور پر داخل ہو کر دیکھے گا کہ وہ کس قسم کی سرگرمیوں کا مرکز نہیں ہوئی ہے۔ لیکن عمارت کا محل و قوع اس بے ضابط کارروائی کے لئے موزوں ثابت نہیں ہو سکتا۔

اور اب وہ سوچ رہا تھا کہ اس سلسلے میں اس سے غلطی ہوئی ہے۔ ہونا یہ چاہئے تھا کہ نعلیٰ کو ان دونوں کے حوالے کر کے کہتا کہ وہ اسے ستانم ہاؤز لے جائیں۔ اور پھر اپنے دوسرا ماتحتوں سمیت تھوڑی دیر بعد ستانم ہاؤز پر دھاوا بول دیتا۔ اس طرح کم از کم یہ تو معلوم ہو، ہی جاتا کہ وہاں نعلیٰ پر کیا گزر نے والی تھی۔ یہ بھی ممکن تھا کہ وہ ہی شہزادہ ہی پر ہاتھ ڈالنے میں کامیاب ہو جاتا۔

مزید دس منٹ گذر گئے اور پھر وہ واپسی کی سوچ ہی رہا تھا کہ عمارت کا پھانک کھلا۔ چوکیدار باہر نکل کر ایک طرف کھڑا ہو گیا۔ اس کے بعد ایک لمبی سی سالہ گاڑی برآمد ہوئی تھی اور اس کا رخ سڑک پر مشرق کی سمت موڑ دیا گیا تھا۔

پھانک کو بند کرنے میں جو کیدار نے بڑی عجلت سے کام لیا۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے اب اٹپیناں کا سانس لے گا۔ عمران اپنی گاڑی اسٹارٹ کر کے تعاقب کا آغاز کر چکا تھا۔ اگلی گاڑی خاصی تیز رفتار سے راستے پر رہی تھی!

اور پھر اپنک ایک جگہ سے ایک اور گاڑی بھی اس دوڑ میں شریک ہو گئی۔

وہ ان دونوں گاڑیوں کے درمیان حائل ہو کر رہ گئی تھی۔ عمران نے نہ اسامنہ بنا یا۔ لیکن وہ اس کے بارے میں کوئی نظریہ قائم نہیں کر سکا تھا۔ وہ کوئی غیر متعلق آدمی بھی ہو سکتا تھا اور یہ بھی ممکن تھا کہ اگلی گاڑی والے کی دیکھ بھال کے لئے پہلے ہی کسی مقررہ جگہ پر موجود رہا ہو۔ کبھی کبھی خود عمران کو بھی اس قسم کی حرکتیں کرنی پڑتی تھیں۔ یہ دیکھنے کے لئے کہ اس کا تعاقب تو نہیں کیا جاتا پہلے سے اپنے ماتحتوں کو مخصوص مقامات پر متعین کر دیتا تھا۔

تو ہوڑی ہی دیر بعد عمران نے محسوس کر لیا تھا کہ درمیانی گاڑی والا اگلی گاڑی سے آگے نکل جانے کے لئے کوشاں نہیں ہے۔ عمران نے دونوں گاڑیوں سے اپنا فاصلہ برقرار رکھا۔

پھر اگلی گاڑی کی رفتار پہلے سے بھی زیادہ تیز ہو گئی تھی۔۔۔ درمیانی گاڑی نے رفتار پر بھائی۔۔۔ عمران ہارن پر ہارن دیتا رہا کہ خود اسے ہی آگے نکل جانے کا موقع مل جائے۔ مگر درمیانی گاڑی تو جیسے اس کا راستہ ہی روک رہی تھی۔ سڑک زیادہ چوڑی بھی نہیں تھی۔ اگر وہ گاڑی کی قدر بائیس کو دب جاتی تو شاید عمران اس نے آگے نکل جانے میں کامیاب ہو جاتا۔ اور پھر دفعتاً وہ گاڑی رک ہی گئی۔ اگر عمران نے پورے بریک نہ لگائے ہوتے تو تکر ضرور ہو جاتا۔

”کیا پیٹ میں درد ہو رہا ہے۔!“ عمران حلقوں پھاڑ کر دہڑا تھا اور پھر وہ بڑی پھرتی سے نیچے اتر گیا۔ انہیں بند کئے بغیر۔

اس وقت وہ ریڈی میڈی میک اپ میں تھا۔

دوسری گاڑی سے بھی کوئی اتر اتھا اور آگے جا کر یونٹ اٹھانے لگا تھا۔

”کیا ہو گیا۔!“ عمران اس کے سر پر بیچنج کر گیا۔ اگلی گاڑی کی نیل لائٹ نظروں سے او جھل ہو چکی تھی۔

”معافی چاہتا ہوں جتاب! پتا نہیں کیوں انہیں آپ ہی آپ بند ہو گیا۔!“ اس نے کہا۔

اندھیرے میں اس کی شکل نہیں دکھائی دے رہی تھی۔ لیکن جسامت کے اعتبار سے منظر ساز اور معلوم ہوتا تھا!

”اور اگر میں یہ کہوں کہ آپ نے دیدہ و دانتہ اس طرح گاڑی روکی ہے کہ میں آگے نہ بڑھ سکوں!“

”میں تو آپ کو جانتا تھک نہیں۔ پھر ایسا کیوں کروں گا!“

”یہی تو جانتا چاہتا ہوں!“ عمران نے کہا۔

”تو پھر یقین کجھے کہ میں نے دیدہ و دانتہ گاڑی نہیں روکی!“

”دوبارہ انہیں اشارت کرنے کی کوشش کی تھی!“

”شائد نہیں!“

”کیا آپ نئے میں ہیں جناب! کبھی کبھی ایسا بھی ہو جاتا ہے لیکن دوبارہ اشارت کرنے میں انہیں اشارت ہو جاتا ہے!“

”دراصل میرے مقدار کا تصور ہے! میں بہت نزوس تھا۔ اب اشارت کر کے دیکھتا ہوں!“

اور سچھ جانہن اشارت ہو گیا تھا۔

”بند کر دو!“ عمران اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر غریباً

”جی....!“ وہ چھل پڑا۔

”پولیس...!“

”کیا مطلب!“

”تم نے سرکاری کام میں مداخلت کی ہے۔ اس لئے چلو میرے ساتھ!“

”ذکر ہے مشر! میں قانون دان ہوں۔ ہائی کورٹ میں پریکش کرتا ہوں۔ شائد آپ نے نام بھی سننا ہونا درسلمانی!“

”ہاں سننا ہے۔ لیکن یہ نہیں جانتا تھا کہ اتنا بڑا لیڈو کیٹ بد معاشوں کی پشت پناہی بھی کرتا ہے!“

”لگ... کیا مطلب!“

”میں اس کا تعاقب کر رہا تھا!“

”نہیں!“ وہ ایک بار پھر اچھل پڑا۔

”تمہیں اس پر حیرت کیوں ہوئی ہے!“

”لیکن آپ اس سے واقعہ ہیں جناب!“

”واقعہ سہ ہوتا تو تعاقب کیوں کرتا!“

”کہاں سے تعاقب شروع کیا تھا!“

”جناب کی کوئی خصی سے برآمد ہوا تھا!“

”غذا کی قسم زندہ نہیں چھوڑوں گا!“ وہ دانت پیس کر بڑھ لیا۔

”وہ رہتا کہاں ہے!“ عمران نے پوچھا۔

”میں نہیں جانتا!“

”ماں! ذیز نادر سلمانی.... میرے گھر سے کوئی ایسا آدمی برآمد نہیں بھوکتا جس کے ٹھکانے سے میں واقعہ نہ ہوں۔ تمہارے چوکیدار نے اس معزز مہمان کے لئے پھانک کھولا تھا۔ اور اس کی شاندار گاڑی کپاٹن سے برآمد ہوئی تھی۔ خیر تم نہ بتاؤ لیکن قانوناً تم پر یہ ذمہ داری عائد کرتا ہوں کہ اُسے بھی اس کا علم نہ ہونے پائے۔ کہ پولیس اس پر نظر رکھتی ہے....!“

”براؤ کرم آپ میرے گھر چلتے۔ میں اپنی پوزیشن صاف کرنا چاہتا ہوں۔!“ نادر سلمانی گھٹی

گھٹی آواز میں بولا تھا۔

عمران نے اس پر آمادگی ظاہر کی تھی اور دونوں آگے پیچھے روانہ ہوئے تھے۔

چوکیدار کو ایک بار پھر پھانک کھولنا پڑا تھا۔ دونوں گاڑیاں کپاٹن میں داخل ہوئی تھیں۔

عمران گاڑی سے اتر۔ نادر سلمانی نے اسے روشنی میں دیکھا تھا اور پھر کسی قدر نزوس نظر آنے لگا تھا۔

”لگ.... کیا شہوت ہے آپ کے پاس کہ آپ کا تعلق پولیس سے ہے۔؟“ اُس نے کہا۔

”اس کے علاوہ اور کوئی ثبوت نہیں ہیش کر سکتا کہ تمہیں زبردستی یہاں سے لے چلوں اور بند کر دوں!“

”قانون کی حکمرانی ہے یہاں؟“

”اکی لئے کچھ دیر پہلے تم نے قسم کھائی تھی کہ تم اسے زندہ نہیں چھوڑو گے!“ عمران نے

ظریف لجھ میں کہا۔

”وہ دوسری بات ہے۔!

”وہی دوسری بات میں جانتا چاہتا ہوں۔!

”مجھے تو آپ اسی کے گرے معلوم ہوتے ہیں جناب! اسی کی سی وحشت آپ کے چہرے پر بھی پائی جاتی ہے....!

”اگر موچھیں صاف کرادوں تو خاصاً گفام نکل آؤں گا.... لیکن جدید ترین فیشن کا تقاضہ یہ ہے کہ ریچچ نظر آؤں....! الوہو.... آخر تم مجھے یہاں کیوں لائے تھے....!

”اپنا طمیان کئے بغیر بات نہیں کروں گا۔!

”میں اپنے آفسر کے علاوہ اور کسی کو اپنے کاغذات و کھانے کا مجاز نہیں ہوں۔!

”اوہ۔ تو کار خاص کا مکملہ اس پر نظر رکھے ہوئے ہے۔!

”یہی بات ہے۔!“ عمران سر ہلا کر بولا۔

نادر سلمانی تذبذب کے عالم میں کھڑا سوچتا ہا۔... عمران اسے ٹھوٹنے والی نظروں سے دیکھ جا رہا تھا۔!

دفعٹا کسی طرف سے ایک نسوی آواز آئی۔ ”تم یہاں کھڑے کیا کر رہے ہو ڈار لگ۔!

یہ جملہ انگریزی میں اوکایا گیا تھا۔ اور لبجہ بھی غیر ملکی تھا۔...! عمران چوک کر آواز کی جانب مڑا۔....!

ایک خاصی دلکش سفید گفام غیر ملکی عورت تھی وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی ان کے قریب آگئی۔

”تم ابھی تک کیوں جاگ رہی ہو۔! اور شب خوابی کے لباس میں باہر کیوں نکل آئیں۔!  
نادر سلمانی بھنا کر بولا۔

”بے وقوفی کی باتیں شروع کر دیں تم نے....!“ وہ عمران کی طرف دیکھتی ہوئی بولا  
”تعارف کرو۔!  
”عبداللہان....!“ عمران نے آہستہ سے کہا۔

”میں حبیلہ نادر سلمانی ہوں....!  
”تم اندر جاؤ۔...!  
”نادر باتھ ہلا کر بولا۔

”میا کہاں ہے؟ نئے میں ہو شائد.... کیوں مشر۔....! کیا تم انہیں پہنچانے آئے ہو....?

”سلمانی پیتے ہیں تو پیتے ہی چلے جاتے ہیں۔!

”میں نئے میں نہیں ہوں تم اندر جاؤ۔....!

وہ شائد اس کی بیوی تھی۔ خاصی قد آور تو لانا اور وہ خود اس کے مقابلے میں چیونٹی لگ رہا تھا۔... عمران دونوں کو بڑی دل جھی سے دیکھتا رہا۔

”تمہیں آرام کی ضرورت ہے ڈار لگ۔....!“ وہ بڑے پیار سے بولی اور جھک کر اسے دونوں ہاتھوں پر اٹھایا۔ وہ بُری طرح ملا تھا۔

”یہ کیا بے ہودگی ہے.... چھوڑو۔....! لکھا۔.... ذیل۔....!

”میں بُرائیں مانتی تم نئے میں ہو!“ اس نے اسے اپنے سینے پر جگڑتے ہوئے کہا اور عمران سے بولی۔ ”تم جا سکتے ہو مشر۔.... بہت بہت شکر یہ۔!

پھر وہ نادر سلمانی کو اسی طرح اٹھائے ہوئی تیزی سے برآمدے کی طرف بڑھ گئی تھی۔

عمران حیرت سے منہ کھولے کھڑا رہا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اسے کیا کرنا چاہئے۔  
وہ عمارت میں داخل ہو گئی تھی۔ چوکیدار عمران کے قریب آکر بولا تھا۔ ”آپ کب تک

کھڑے رہیں گے جتاب۔!

”اوہاں۔....“ عمران چوک پڑا۔

”کیا آپ پہلی بار صاحب سے ملے ہیں....!“ چوکیدار نے سوال کیا۔

”ہاں بھائی۔....! لیکن یہ اس وقت قطعی نئے میں نہیں تھے۔!

”صاحب شراب نہیں پیتے۔ کوئی نشہ نہیں کرتے۔ اس حرام زادی نے انہیں کھلونا بنا رکھا ہے۔!

عمران اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر چھاٹک کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ ”میں حیرت سے پاگل ہوا جا رہا ہوں۔.... وکیل صاحب نئے میں تو نہیں تھے.... لیکن جو حرکت کر رہے تھے.... اس

سے بھی ظاہر ہوتا تھا کہ یانشے میں ہیں یا پاگل ہو گئے ہیں۔!

”اچھا؟“ وہ چلتے چلتے رک گیا۔

”کسی جگہ طمیان سے بیٹھو تو بتاؤں....!  
”

”مدد اسے غارت کرے۔!“ چوکیدار دانت پیس کر بولا۔  
 ”آخروہ کون ہے۔“  
 ”بلیں.... شیطان.... جب تک وہ نہیں آیا تھا دونوں نمری بھلی زندگی گذار رہے  
 خ..... میم صاحبہ کا دوست ہے....!“  
 ”کیل صاحب اس غیر ملکی عورت کے ہتھے کیسے چڑھ گئے....!“  
 ”جب لندن میں تھے جب شادی کی تھی اس سے....!“  
 ”تبا عرصہ ہوا شادی کو!“  
 ”آٹھ سال....!“  
 ”اور اس پیسے کب سے دستی ہے میم صاحبہ کی!“  
 ”بیسی کوئی سال بھر سے!“  
 ”لیکن شامد و کیل صاحب کو یہ دستی پسند نہیں ہے۔!“  
 ”بیسی بات ہے۔!“ چوکیدار سر ہلا کر بولا۔  
 ”بڑی طاقتور عورت معلوم ہوتی ہے۔ بچوں کی طرح گود میں اٹھا لے گئی بے چارے کو!“  
 ”اُرے اب کیا بتاؤں صاحب! عذاب ناٹل ہوا ہے صاحب پر... مار تی تک ہے سور کی بیچی۔“  
 ”اور وکیل صاحب چپ چاپ لیٹئے رہتے ہیں!“  
 ”نہیں ان کے ہاتھ بھی چلتے ہیں! کبھی کبھی سووں کی طرح کاشتے اور بھینجوڑتے ہیں ایک  
 ”سرے کو!“  
 ”اچھا... یہ پی رہتا کہاں ہے۔!“  
 ”یہ تو نہیں معلوم!“  
 ”گاڑی کا نمبر یاد ہے....!“ عمران نے پوچھا۔  
 ”کوئی ایک گاڑی ہو تو نمبر بھی یاد رہے.... درجنوں گاڑیاں ہوں گی اس کے پاس روز نتی  
 گاڑی ہوتی ہے۔!  
 ”کوئی وقت مقرر ہے آنے کا!“  
 ”نہیں جب بھی منہ اٹھا جلا آتا ہے لیکن آتا ہے رات ہی کو!“

”پہلے آپ اپنی گاڑی باہر نکال لے جائے۔ کہیں اور کھڑی کر کے آجائیے۔ میں باہر ملو  
 گا۔ ابھی وہ حرافیہ دیکھنے ضرور باہر آئے گی کہ آپ چلے گئے ہیں یا مجھ سے باتمیں کر رہے ہیں!“  
 عمران بڑی پھرتی سے اپنی گاڑی کی طرف مڑ گیا۔ چوکیدار کی بدایت کے مطابق گاڑی یہ  
 نکالی تھی اور قریباً ایک فرلانگ کے فاصلے پر پارک کر آیا تھا۔  
 چوکیدار حسب وعدہ پھانک پر کھڑا ملا تھا۔  
 ”چلنے میرے کمرے میں!“ اس نے کہا۔  
 اس کا کمرہ کپکا و نٹھی میں تھا۔ لیکن اس کا دروازہ سڑک کی طرف کھلتا تھا۔  
 ”تم بہت ابھی اور مالک کے وفادار ہو۔!“ عمران نے کہا۔  
 ”ہونا ہی چاہئے۔ صاحب کے باپ کے وقت سے نمک خوار ہوں۔ ایس سو روکی پنچ تو چا  
 دن کی بات ہے۔ آپ بیٹھ جائیے جتاب۔!“  
 عمران اسٹول پر بیٹھتا ہوا بولا۔! ”تو وکیل صاحب نہ نہیں کرتے۔!“  
 ”ہر گز نہیں جتاب۔! مجھ سے زیادہ کون جانے گا۔!“  
 ”مجھے راستے میں ملے تھے! اور اس حال میں کہ ایک لمبی سی گاڑی پر پھراؤ کر رہے تھے۔!  
 ”کب کی بات ہے۔!“  
 ”بیسی کوئی آدھے گھنے پہلے کی۔!  
 ”اچھا تو پھر۔!“  
 ”اس گاڑی سے ایک لمبی تر گاچپی نکل کر ان کی طرف جپھتا تھا۔ اگر میں بیچ میں نہ آ جانا تو  
 نے انہیں مار دیا ڈالا تھا۔!  
 ”وہی حرام زادہ ہو گا۔!  
 ”کون۔؟“ عمران نے پوچھا۔  
 ”ہے ایک.... اچھا تو پھر۔!  
 ”تو پھر یہ کہ وہ مجھے دیکھ کر گاڑی میں بیٹھا تھا اور وہاں سے چلا گیا تھا۔ وکیل صاحب اس  
 گاڑی کے پیچے دوڑے تھے۔ لیکن وہ نکل گیا تھا۔ اس کے بعد وکیل صاحب وہیں کھڑے جیتھے  
 اسے گالیاں دیتے رہے تھے اور پھر گر کر بے ہوش ہو گئے تھے۔!

”سوال ہی نہیں پیدا ہوتا صاحب!“  
 عمران نے وہاں سے رخصت ہو کر پھر سائکو مینشن کی راہی تھی۔ یہاں اپنے ماچھوں میں  
 ہے دو افراد کو منتسب کیا تھا اور انہیں ضروری ہدایات دے کر اس کمرے میں آیا تھا۔ جہاں دونوں  
 نبی سور ہے تھے۔ اس نے انہیں جگا دیا۔ وہ اٹھ تو گئے تھے لیکن ان کے چہروں سے صاف ظاہر  
 ہوا تھا کہ اس طرح جگایا جانا پسند نہیں آیا۔  
 ”خوش خبری ہے.... دوستو!“ عمران چپک کر بولا۔ ”لیکن نہیں.... خوش خبری سنانے  
 کے پہلے کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں!“

”ہاں.... ہاں.... ضرور!“

”تم نے مجھے یہ نہیں بتایا تھا کہ اسے پکڑ لینے کے بعد بیہوش کر دے گے اور مریض بنا کر سترنام  
 ہاؤز لے جاؤ گے!“  
 ”جب وہ باتھ ہی نہیں آسکا تو کیا بتاتے.... جی ہاں.... بردار صاحب کی طرف سے یہی  
 ہدایت ملی تھی!“

”وہ باتھ آگیا ہے اور مریض بھی بنایا جا چکا ہے۔! چہرے پر سفید ڈاٹھی بھی لگادی گئی ہے۔  
 اسے تم سترنام ہاؤز لے جاؤ گے۔ وہاں ایک اگریز عورت ہو گی۔ اس کے حوالے کرنے کے بعد یہ  
 بھی بتا دے گے کہ مریض میک اپ میں ہے۔ ڈاٹھی مصنوعی ہے.... اور تم نے احتیاطی تدبیر کے  
 طور پر یہ طریقہ اختیار کیا ہے!“

”آپ بڑی ہمہ بانی کر رہے ہیں!“

”میں نہیں چاہتا کہ ہم سب بس کے باھوں مارڈا لے جائیں!“

”کیا مطلب!“ دونوں یہک وقت اچھل پڑے تھے۔

”بردار سے پہلے تمہیں کس سے احکامات ملتے تھے!“ عمران نے انہیں خور سے دیکھتے  
 ہوئے سوال کیا۔

”شہزاد صاحب سے!“

”اوہ.... وہ بیچارہ اب اس دنیا میں کہاں!“

”اے.... کیوں!“

”وکیل صاحب سے شائد بالکل نہیں فتنی!....!“

”وہ تو شکل تک دیکھنے کی روادر نہیں....!“

”اور وہاں کا کہنا نہیں مانتی!“

”نہیں صاحب من مانی کرتی ہے اور مجھے بھی رات بھر جا گناہی پڑتا ہے ورنہ مکانوں کے  
 چوکیدار کہاں جاتے ہیں۔ ایک آدھ جھپکی لے ہی لیتے ہیں!“  
 ”لیکن تمہیں کیوں جا گناہی پڑتا ہے!“

”آتا ہی رہتا ہے کوئی نہ کوئی.... اب آج یعنی حکم ہوا ہے کہ کوئی بیدار لایا جائے گا جیسے ہی“  
 پہنچ اس حرامزادی کو جگایا جائے یہ دیکھتے یہاں سوچ بورڈ پر کئی میٹن لگے ہوئے ہیں۔ اس میٹن کو  
 دبانے سے اس کے سونے کے کمرے میں گھنٹی بجے گی اور وہ اسی مریض کے لئے باہر آجائے گی!  
 ”وکیل صاحب کو معلوم ہے۔!“ عمران نے پوچھا۔

”ان کے فرشتوں کو بھی خبر نہ ہو گی!“

”بڑی عجیب بات ہے۔! تم نہیں بتاتے انہیں!“

”جو بات ضروری معلوم ہوتی ہے بتا بھی دیتا ہوں۔!“

”مریض والی بات بتائی ہے۔!“

”نہیں.... وہ ہر بات سنتا بھی نہیں چاہتے۔ انہیں تو بس اس حرامزادے پس کی فکر ہے۔  
 کسی طرح اس کا یہ اغرق ہو۔!“

”اچھی بات ہے دوست۔! میں تم سے ملتا ہوں گا۔ اب اس کی گاڑیوں کے نمبر ضرور نوٹ  
 کرنا اور مجھے دینا۔! مجھ سے بھی تمہاری جو خدمت ہو سکے گی کروں گا۔!“

”مگر آپ کیوں....!“ چوکیدار کے لجھے میں حرمت تھی۔

”میں کشم میں ملازم ہوں اور پیوں پر نظر رکھتا ہوں کہ یہ چس کے کاروبار میں ضرور  
 ملوث ہوتے ہیں۔ اس پسی کو بھی دیکھوں گا۔!“

”خدا کرے کرتا ہو چرس کا کاروبار تاکہ گردن پھنسے حرای کی۔.... میں ضرور مدد کروں گا۔  
 آپ کی صاحب! بے فکر ہیں!“

”اور اس گفتگو کا علم بھی کسی اور کوئی ہونے پائے۔ جو میرے اور تمہارے درمیان ہوئی ہے۔!“

”باس نے اسے ختم کیا ہے۔ کوئی غلطی اس سے سرزد ہو گئی تھی!“  
”خدکی پناہ!“

”ای لئے میں نہیں چاہتا کہ تم بھی مارڈا لے جاؤ۔ یہاں سے تمہیں مریض سمیت وہاں لے جایا جائے گا۔ جہاں تمہاری گاڑی کھڑی ہے۔ میرے آدمی مریض کو تمہاری گاڑی میں ڈال دیں گے اور تم اسے ستانام ہاؤز پہنچا کر اپنے ٹھکانوں پر پلے جائے!“

”بہت بہت شکر یہ جناب۔! ہم آپکا یہ احسان زندگی بھریا درکھیں گے!“

”اس کی ضرورت نہیں۔... ہمیں تواب یہ دیکھنا ہے کہ کس طرح ایک دوسرے کے کام آئیں ورنہ سبھی اس طرح مارے جائیں گے!“

”ہم تصور بھی نہیں کر سکتے کہ شہزاد صاحب....!“

”چپ چپ!“ عمران ہونٹوں پر انگلی رکھ کر بولا۔! ”یہ بات صرف تم ہی دونوں سک مخد“ رہنی چاہئے۔ ورنہ میری گردان کٹ جائے گی!“

”خدانہ کرے جناب! ہم قسم کھاتے ہیں کہ ہماری زبانوں سے کبھی یہ بات نہیں لکھے گی۔“  
پھر دونوں نے باری باری سے رازداری کی قسم کھائی تھی!“



عمران مزے سے پچھلی سیٹ پر پڑا ہوا تھا اور وہ دونوں اگلی سیٹ پر تھے۔ آنکھیں بند کئے ہوئے دونوں کی گفتگو ستارہا۔

ایک کہہ رہا تھا۔ ”ستارے اچھے ہی تھے اپنے ورنہ وہ اپنی کار کر دگی دکھانے کے لئے ہمیں تلاکوں کی طرح بس کے سامنے پیش کر دیتا!“

”لیکن میں نے پہلے کبھی اسے نہیں دیکھا۔!“ دوسرا بولا۔

”بہترین کو نہیں دیکھا۔ وہ کسی اور یونٹ سے تعلق رکھتا ہو گا۔ یہ آرگنائزشن ہی ایسا یہ کہ دائیں ہاتھ کو باکیں کی خبر نہیں۔ جو جس کا کام ہے انجام دے رہا ہے۔!“  
”لیکن یار وہ شہزاد والاقصہ....!“

”چپ چپ! اسے بھول ہی جاؤ۔... ورنہ اگر غلطی سے کسی کے سامنے زبان پر آگیا تو مفت میں بارے جائیں گے۔ اور وہ بے چارہ الگ پھنسے گا۔!  
”ہاں ٹھیک ہے مار و گوئی۔ ہمیں کیا۔“

”ایک بات تو رہ ہی گئی۔ اگر اس سلسلے میں ہم سے تفصیل پوچھی گئی تو کیا بتائیں گے۔ آخر اتنی دیر ہم کہاں غائب رہے تھے۔!“

”اوہ نہ۔... یہ کون سی بڑی بات ہے! ہم نے اسے شہر سے پچیس میل دور جا کر پکڑا تھا۔ نہ جانے وہاں سے کہاں جانے کا راہ رکھتا تھا۔ بس ہم نے ایک جگہ روکا اور دھر لیا۔!“

”جگہ کا تعین کرو لو۔ پتا نہیں یہ برناڑ کیسا آدمی ہے۔ پہلے بھی ہم اسے دور ہی سے دیکھتے رہے ہیں کبھی گفتگو کرنے کا اتفاق نہیں ہوا۔“

”شادِ ادب یہ شہزاد کی جگہ لے گا۔!“

”ہمیں لیا۔ ہاں تو سوچو کر ہم نے اسے کہاں پکڑا تھا۔!“

”بھی کیا بڑی بات ہے۔ سفرو! یہ آٹھ بجے کے قریب ہٹ سے نکلا تھا۔ اور پار گنگ پلات کی طرف روانہ ہو گیا تھا۔ وہاں سے ایک گاڑی نکالی اور چل پڑا۔ ہم نے بھی اپنی گاڑی وہیں پار کر کر کھی تھی۔ اس لئے تعاقب جاری رکھنے میں آسانی ہو گئی کچھ دیر بعد وہ عادل گنگ والی سڑک پر ہیا ہم نے سوچا پا نہیں کہاں تک جائے لہذا کیوں نہ اسے روک کر پکڑی لیا جائے۔ اس طرح شہر سے پچیس تین میل کے فاصلے پر جا کر پکڑ سکے۔!“

”ہاں یہ ٹھیک رہے گا۔!“

”پھر وہ کچھ دیر تک خاموش رہے تھے۔ پھر کسی نے کہا تھا۔ ”یار ذرا دیکھتے رہو۔... کہیں ماری بے خبری میں اسے ہوش نہ آجائے۔!“

”اس نے کہا تھا کہ دو گھنٹے سے قبل ہوش میں نہیں آئے گا۔“

”پھر بھی دیکھ لینے میں کیا ہرج ہے۔...!“

”پھر عمران نے محسوس کیا تھا کہ دوسرا آدمی اگلی سیٹ کی پشت گاہ پر سے جھک کر اس کا جائزہ لے رہا ہے۔“ دوسرا سادھے پڑا رہا۔

”ٹھیک ہے۔!“ اس نے اپنے ساتھی کو اطلاع دی تھی۔

پچھے دیر بعد اس نے قدموں کی آواز سنی تھی۔ پھر دروازہ بند ہونے کی آواز آئی تھی۔ اس نے آنکھوں میں درہ کر کے دیکھا۔ وہ جا چکی تھی۔

پھر اس نے لیٹھے ہی لیٹھے کمرے کا جائزہ لیا تھا۔ خوابگاہ ہی تھی کسی کی بستر آرام وہ تھا اور سگھار میز کسی بیوٹی شاپ کا کاؤنٹر معلوم ہو رہی تھی۔

اس نے پھر آنکھیں بند کر لیں۔ بہت بڑا خطرہ مول یا تھا اس نے... اسے ایک طرح سے دیا گئی ہی کہنا چاہئے۔ اندھی چال جس کے چکر میں یہ سب کچھ کر گزارا تھا۔ اس کے بارے میں اجھی طرح جانتا تھا کہ قتل کر دیا اس کے باسیں ہاتھ کا کام ہے۔ لیکن پھر بھی اس نے آنکھیں بند کر کے اس اندر ہیرے کنوں میں چھلانگ لگائی تھی۔ اور اب اتنے اطمینان سے اس بستر پر پڑا ہوا تھا جیسے بطور مہماں وہاں قیام کرنے کااتفاق ہوا ہو۔

توہوڑی دیر بعد کمرے کے باہر سے چیخ چیخ کر بولنے کی آوازیں آئی تھیں۔ ان میں سے ایک آواز یقینی طور پر نادر سلمانی کی تھی۔ اور دوسری تھیں ملکی۔ وہ کہہ رہی تھی۔ ”میری ایک دوست کا بھائی ہے۔ ذہنی مریض ہے ان دونوں کو کہیں پڑالا تھا!“

”تو وہ دونوں اسے پہاں کیسے پہنچانے گے۔!“ نادر چھنا۔

”بے ہوش تھا۔“

”سوال تو یہ ہے کہ ان دونوں کو کیا معلوم کر وہ تمہاری کسی سیکلی کا بھائی ہے۔!“

”بے وقوف آدمی.... یہ دیکھو.... یہ کارڈ اس کی جیب سے برآمد ہوا تھا۔ اور یہ تمہارا کارڈ ہے اس پر تمہارا بہی موجود ہے گھر کا بھی اور دفتر کا بھی۔!“

”اسے میرا کارڈ کہاں سے ملا۔!“

”یہ میں نہیں جانتی۔!“

”میں دیکھوں گا کہ وہ کون ہے۔!“

”اگھی نہیں....!“ اذکر کو آجائے وہ میں نے فون کیا ہے۔“

”کس ڈاکٹر کو۔!“

”اکی سیکلی....!“ یعنی اس شخص کا چھپا ہے۔!“

”کیا نام ہے۔!“

اس سلسلے میں عمران نے نعمانی کو ان کے حوالے کرنے کی بجائے خود ہی خطرہ مول یا یہ فیصلہ کیا تھا۔ دوہرے میک اپ میں تھا۔ پہلے اپنے چہرے پر پلاسٹک میک اپ کے ذریعے کچھ اس قسم کی تبدیلی کی تھی کہ نعمانی سے کسی قدر مشابہت پیدا ہو جائے۔ پھر اسی میک پر سفید ڈاکٹر چپکائی تھی اور بے ہوش بنا پڑا رہا تھا۔ پھر اس کے ان دونوں ماتحتوں نے جنہیں پہلے ہی ہدایات دے چکا تھا۔ اسے ایک بند گاڑی میں ان دونوں سمیت اس جگہ پہنچا دیا تھا۔ جہاں ان کی گاڑی کھونی کی گئی تھی۔ اس طرح یہ سفر شروع ہوا تھا۔ جس کا اختتام صرف عمران کی حد تک ستھام ہاذر ہوئے والا تھا۔

توہوڑی دیر بعد گاڑی ستھام ہاذر کے چھاٹک پر رکی تھی اور چوکیدار اس کی طرف آیا تھا۔

”اطلاع دے دو کہ مریض آگیا ہے؟“ ایک نے گاڑی سے باہر سر نکال کر کہا۔

چوکیدار پھر اپنے کمرے کی طرف چلا گیا تھا۔

ذرادیر بعد واپس آکر چھاٹک کھوتا ہوا بولا۔ ”گاڑی اندر لے آئیے جتاب۔!“

کپاڈا نہ میں کچھ دیر تک گاڑی کھڑی رہی تھی۔ پھر عمران کو تھیلما کی آواز سنائی وی تھی۔!

”کیا وہ ہوش میں ہے۔!“

”نہیں۔ ابھی ہوش میں نہیں آیا۔!“ جواب دیا گیا۔

”تو پھر اس کو اندر پہنچانے میں مددو۔!“ چوکیدار گھر کے اندر نہیں جائے گا۔!

”بہت بہتر محمد۔!“

وہ دونوں نیچے اترے تھے اور عمران کو گاڑی سے انبار کر فرش پر ڈال دیا گیا تھا۔ پھر ایک نے اس کی بغلوں میں ہاتھ دیے تھے۔ اور دوسرے نے ناٹکیں تھاہی تھیں۔

ایک کمرے میں پہنچا دینے کے بعد تھیلما کو بتایا تھا کہ احتیاط یہو ش آدمی کے چہرے پر سنبھل ڈاڑھی چپکا دی گئی ہے۔!

”تو اس کی ڈاڑھی بھی تم ہی نکال جاؤ۔ یہاں کوئی خطرہ نہیں ہے۔“ تھیلما نے کہا اور عمران کو چھرہ صاف کر دیا گیا۔

”اب تم لوگ جا سکتے ہو۔!“ تھیلما نے ان دونوں سے کہا تھا۔

ان کے جانے کے بعد بھی وہ اسی کمرے میں ٹھہری رہی تھی۔ عمران آنکھیں بند کئے ہاد

پڑے ابھرے تھے اس کے ذہن میں....! ایسی بھی ممکن تھا کہ یہ چیز بھی جانا پہچانا ثابت ہوتا۔

آخر شہزاد بھی تو اجنبی نہیں تھا اس کے لئے۔

بہر حال جو کچھ بھی تھا جلدی سامنے آنے والا تھا.... وہ ناگ پر ناگ رکھے پڑا رہا۔

قطعی طور پر غیر مسلح تھا۔ شائد اسی لئے کچھ دیر بعد سونپنے لگا تھا کیا وہ سچ یعنی پاگل ہو گیا ہے!

”پاگل ہی سہی۔“ وہ آہتہ سے بڑا بولایا۔ ”دیکھا جائے گا!“

میر پر رکھی ہوئی تمام پیس پر نظر ڈالی۔ صبح ہونے والی تھی۔

اور پھر دفتارِ وزارے کا پینڈل گھونٹنے کی آواز آئی تھی۔ دروازہ کھلا تھا اور پھر بند ہو گیا تھا۔

”چ نہیں اب بھی بے ہوش ہے یا سو رہا ہے!“ یہ تھیما کی آواز تھی۔

”تم آگے بڑھ کر اسے ہلاڑ جاؤ۔ میں میں کھڑا ہوں!“ کسی مرد نے کہا۔

”نظر ناک آدمی تو نہیں ہے!“ تھیما کے لمحے میں پچکاہٹ تھی۔

”میں نہیں جانتا یہ تواب دیکھوں گا.... دیے تم بے فکر ہو... میں کل نہیں پیدا ہوا!“

”اوہ.... اچھا....!“

پھر عمران کا بازو دیکھ کر جنگوڑ نے لگی۔!

”سو نے وو۔ بھاگ جاؤ!“ عمران نے اردو میں بڑا کر کروٹ لی۔

”اٹھو.... اٹھ پیٹھو!“ تھیما زور سے بولی۔

اور وہ بوكھلا کر اٹھ بیٹھا۔

”ارے.... باب رے....!“ کہہ کر اس نے اپنے دونوں ہاتھ اور اٹھادیئے تھے۔ کیونکہ دروازے کے قریب کھڑے ہوئے آدمی کے ہاتھ میں ایک روپ اور نظر آیا تھا۔

”خوب!“ اس نے سوچا۔ ”تو آپ ہیں!“

اس بر نارڈ کو بخوبی جانتا تھا۔ قریباً پانچ سال پہلے جو اس ناگ کے الزام میں دھر لیا گیا تھا۔

لیکن پھر مقدمہ چلائے بغیر چھوڑ بھی دیا گیا تھا۔ وجہ جو کچھ بھی رہی ہو، ہر چند کہ عمران کے ملکے سے اس کا کوئی تعلق نہیں تھا۔ پھر بھی شہر میں ہونے والے واقعات سے وہ پوری طرح باخبر رہتا تھا اور انہیں یادداشت کے پارے میں محفوظ بھی رکھتا تھا۔

آجکل اس بر نارڈ کے بارے میں اس کا علم صرف اس حد تک تھا کہ اسے ماہی گیری کی چندر

”ڈاکٹر بر نارڈ....!“

”لیکن یہ تو دیسی آدمی معلوم ہوتا ہے۔ میں نے ایک جھلک دیکھی تھی۔!“

”ڈاکٹر بر نارڈ بھی دیسی ہی آدمی ہے۔ تم فکر مت کرو!“

”میں تو دیکھوں گا....!“

”اب میں تمہیں اٹھا کر سچ دوں گی ڈارنگ!“

”ہٹو سامنے سے!“ سلمانی چینا۔ اساتھ ہی چٹاٹ کی آواز آئی تھی۔ شائد ہاتھ جھاڑ دیتا تھا تھیسا نے!

”کیتا کی پنجی۔!“

اور پھر دھینگا مشتی کی آواز میں آئی تھیں۔ شائد دونوں ایک دوسرے کو پیٹ رہے تھے۔ اس سلمانی کہہ رہا تھا۔ ”اگر تو مجھ سے مطمئن نہیں ہے تو پچھا چھوڑ میرا....“

”چ رہو کتے....!“ تھیما دہاڑی ”میں تمہیں قبر میں پہنچاؤں گی.... کسی دن میرے ہاتھوں تمہاری موت واقع ہو گی۔!“

”میں تجھے طلاق دوں گا....!“

”یہ تو ہو ہی نہیں سکتا۔ شادی تمہارے قانون کے مطابق نہیں ہوئی تھی.... ہمارے قانون کے مطابق ہوئی تھی۔ لہذا جب تک میں نہ چاہوں علیحدگی نہیں ہو سکتی۔!“

”میں تجھے مارڈاں گا!“

”کو شش کے جاؤ....! ٹھہر و.... بتائی ہوں۔!“

”ارے.... ارے.... او کیتا.... خدا تجھے غارت کرے۔!“

نادر سلمانی کی آواز بذریعہ دوڑ ہوتی گئی تھی.... عمران سمجھ گیا کہ پہلے کی طرح وہ پھر اس ہاتھوں پر اٹھا لے گئی ہے۔! عجیب جوڑا تھا۔

اور یہ تو ظاہر ہی ہو گیا تھا کہ نادر سلمانی بذاتِ خود ان معاملات میں ملوث نہیں ہے بلکہ ”ذہن کی نوعیت تک سے بے خبر ہے۔“

تھیما نے ڈاکٹر کے اضافے کے ساتھ بر نارڈ کا نام لیا تھا.... تو پھر بر نارڈ آرہا تھا۔ دیکھنے کے لئے۔ وہ بھی نہیں.... اور یہ بر نارڈ کچھ سنا ہوا سامنے لگتا رہا تھا عمران کو.... اس نام پر کتنے

”خدا کی پناہ۔ اب میرے کوئی دو ساتھی بھی پیدا ہو گئے۔ یقیناً آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے  
جاتا!.... اوہ.... خدا یا.... میری گاڑی کہاں ہے؟“  
”وہ کوئی جواب دینے کی بجائے عمران کو گھورتا رہا۔  
”میں کہتا ہوں! یہ راہبری ہے.... اس طرح مجھ سے میری گاڑی چھپنی گئی ہے اور اب مجھ پر  
کوئی لازم لگا کر تم لوگ پولیس کیس بنانا چاہتے ہو۔!“ وہ غصیلے لمحے میں بولا۔

”زیادہ لڑنے کی کوشش مت کرو۔ تھوڑی دیر بعد تم سے سب کچھ اگلوالیا جائے گا!“  
اس ”تھوڑی دیر بعد“ پر عمران کے کان کھڑے ہوئے تھے۔ تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ وہ  
فی الحال وہاں تھا تھا۔ اور تھوڑی دیر بعد کچھ اور لوگ بھی چپنچے والے ہیں۔ وہ سوچنے لگا اگر برناڑہ  
نے شہزاد کی جگہ لی ہے تو یقیناً کوئی اہم حیثیت رکھتا ہو گا اس گروہ میں۔ لہذا اب جو کچھ بھی کرتا ہے  
کر گذرنا چاہئے.... ورنہ اگر کچھ اور بھی آگئے اس کی مدد کو تو کھیل گز جائے گا۔ وہ تو یہ سوچ کر  
اس حد تک آیا تھا کہ شاکنڈلی سے ملاقات ہو جائے لیکن یہ برناڑہ بھی کچھ بُرا نہیں ہے۔ ہو سکتا  
ہے پہنچ کی شخصیت پر روشنی ڈال سکے۔

”وہ خاموش برناڑہ کو دیکھتا رہا۔ اسی دوران میں برناڑہ نے تھیلما کو دہاں سے چلے جانے کا اشارہ  
کیا تھا۔

چیزیں وہ دروازے کی طرف بڑھی عمران جلدی سے انگلش میں بولا۔ ”خدا کے لئے محترمہ  
نگھے تھانہ چھوڑیے۔ یہ آدمی پاگل معلوم ہوتا ہے کہیں فائزہ کر بیٹھے مجھ پر۔!“

”خاموش رہو!“ برناڑہ زور سے بولا۔

”رُک جائیے محترمہ!“ عمران گھکھلیا۔ لیکن وہ نکلی چلی گئی۔ عمران بستر سے اٹھا تھا۔

”بیٹھ رہو!....!“ برناڑہ نے ریو الور کو جبکش دی۔

”گدھے ہو تم اچھے خاصے! میں تو ان خاتون کی موجودگی میں لپاڑگی نہیں کرنا چاہتا تھا۔!“

”میں فائز کر دوں گا!....!“ برناڑہ غریباً۔

”شوچ سے کر دو!“

”تو میرا خیال غلط نہیں تھا!“

”بالکل درست تھا!.... اور اب میں تمہیں یہاں سے لے جاؤں گا!“ عمران نہ کر بولا۔

لانچوں کے مالک کی حیثیت سے جانتا تھا اور اس کی یہ لا نچیں ہالی تھیں میں انگر انداز رہتی تھیں۔  
جبکہ جھینگوں کو ڈبوں میں محفوظ کرنے کا ایک بڑا کارخانہ بھی تھا۔  
”تم گرین ہش کے ہٹ نمبر ایک سو پیاسی میں گفرانی کیوں کر رہے تھے۔!“ برناڑہ ریو اور کو  
جنبیں دے کر بولا۔

”مم.... میں.... یعنی کہ میں.... میں کچھ بھی نہیں سمجھا جناب۔!“

”اور تمہیں اپنے یہاں پائے جانے پر حرمت بھی نہیں ہے۔!“

”وہ تو ہے جناب....! لیکن میری عقل چکر اڑتی ہے۔!“

”کیوں؟“ ڈپٹ کر پوچھا تھا اس نے۔

”میں کسی ہٹ نمبر ایک سو پیاسی کو نہیں جانتا!“

”ایک سو پیاسی....!“

”چلے دیں ہی سہی! لیکن میرے فرشتوں کو بھی علم نہیں کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔“

”سوال یہ ہے کہ اگر تم اتنے ہی لاعلم ہو تو یہاں تمہاری موجودگی کا کیا مطلب ہے۔!“

”بھی تو میں خود بھی سوچ رہا ہوں کہ آخر میں نے ان دونوں آدمیوں کا کیا بگڑا تھا۔ اپنی  
گاڑی میں عادل گر کی طرف جا رہا تھا کہ ایک گاڑی نے سڑک پر آڑی ہو کر میرا ست روک لیا۔  
بس نکر ہوتے ہوتے بیگی تھی۔ میں اپنی گاڑی سے یہ معلوم کرنے کے لئے اتر تھا کہ آخر انہیں کیا  
تکلیف ہے۔!

بس پھر وہ دونوں اپنی گاڑی سے نکل کر مجھ پر ٹوٹ پڑے۔... پہنہیں گردان پر کس چیز سے  
وار کیا تھا کہ ابھی تک دکھ رہی ہے۔ اس کے بعد مجھے نہیں معلوم کہ کیا ہوا تھا۔ اور یہاں اس  
کمرے میں کیسے پہنچا۔ اور یہ میم صاحبہ کون ہیں.... آپ کون صاحب ہیں اور وہ دونوں مرد“  
کون تھے....!“

”مت بکواس کرو۔ تم عمران کے آدمی ہو۔!“

”کون عمران!۔ آپ نہ جانے کیسی باتیں کر رہے ہیں! کوئی مانی کا لال تم کھا کر یہ نہیں کہہ  
سکتا کہ میں نے کبھی کسی ہٹ کی گفرانی کی ہے۔!“

”اچھا تو پھر تمہارے وہ دونوں ساتھی ہٹ نمبر ایک سو پیاسی کیوں چھوڑ جھاگے۔!“

”تم عمران ہی کے آدمی ہو۔“  
”سو فیصد یہی بات ہے مسٹر برناڑ۔! فائز کر کے تم فائدے میں نہ رہو گے۔ یہ کمرہ سائنس پروف نہیں ہے۔“

”اگر تم عمران ہی کے آدمی ہو تو میں فائز کر کے تمہیں ضائع نہیں کروں گا۔ تم نے منابر مشورہ دیا ہے۔ تمہیں ایک بار بھر بے ہوش ہونا پڑے گا۔“

اس نے ریو اور بغلی ہولشتر میں رکھ لیا اور دونوں ہاتھ پھیلائے ہوئے عمران کی طرف بڑھنے لگا۔

”ٹھہر و... ٹھہر و!“ عمران نے مضطربانہ انداز میں کہا۔ ”میں تواناً ق کر رہا تھا۔“

برناڑ نے تھہبہ لگانے کی کوشش کی تھی۔ لیکن وہ حلق ہی میں گھٹ کر رہ گیا۔ کیونکہ عمران نے غیر متوقع طور پر اچھل کر اس کے سینے پر لات رسید کر دی تھی۔

وہ دوسرا طرف الٹ گیا۔ دوبارہ کسی باز کی طرح جھینپھانا تھا اور اسے دیوچ بیٹھا تھا۔

پھر بالوں کو مٹھیوں میں جکڑ کر فرش پر سر نکرنا شروع کر دیا تھا۔ گھٹنی گھٹنی سی جیخیں برناڑ کے حلق سے نکلی تھیں۔ ٹھیک اسی وقت تھیلہادر وازہ کھول کر اندر دالن ہوئی۔

عمران نے برناڑ کے بغلی ہولشتر سے ریو اور کھنچ کر اس کارخ تھیلہاکی طرف کرتے ہوئے کہا۔ ”آواز نہ لکھے ورنہ کھوپڑی اڑا دوں گا۔ تندرست اور خوبصورت عورتوں کا خون مجھے بہت بھاتا ہے۔“

برناڑ بے حس و حرکت ہو گیا تھا اور تھیلہا تو جہاں تھی وہیں رک گئی تھی۔ اس کامنہ جمنہ اور خوف سے کھلا ہوا تھا۔ نظریں برناڑ کے زخمی چہرے اور سر پر جم کر رہ گئی تھیں۔

وہ تھکے تھکے سے انداز میں ستر پر بیٹھ گئی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے خود پر قابو پانے کو شش کر رہی ہو۔ ساتھ ہی یہ بھی ظاہر کرنا چاہتی تھی کہ عمران کے ہاتھ میں نظر آنے والے

ریو اور نے اس پر کوئی خاص اثر نہیں ڈالا۔

”لیٹنا چاہو تو لیٹ بھی سکتی ہو۔ مجھے کوئی اعتراض نہ ہو گا۔“ عمران بولا۔

”تم نے بڑی درندگی کا برناڑ کیا ہے اس بے چارے سے۔!“ وہ بالآخر بولی۔ ”مجھے تو یہ گیا تھا کہ معموی قسم کے ذہنی مریض ہو۔ خود کو آدمی کی بجائے لمبی کاپچ سمجھنے لگے ہو۔“

”مرغی کا!“ عمران نے بڑے خلوص سے تصحیح کی۔  
”چلو یہی سہی لیکن.... کیا تم یہ ریو اور جیب میں نہیں رکھ سکتے....!“ وہ بڑی لگادھ سے سکرا کر بولی۔

”نہیں اسے میرے ہاتھ ہی میں رہنے دو.... خطرناک معلوم ہوتی ہے۔!“  
”بھلا دے کیسے....!“ وہ چک کر بولی۔

”اس وقت میں یہوش نہیں تھا جب تم شاہد اپنے شوہر کی پٹائی کر رہی تھیں!“  
”اڑے وہ تو بے بی ہے میرا.... کتنا ہی پیٹوں برائیں نہیں مانتے۔ دراصل ہم دونوں ہی ایک دسرے کی مرمت کرتے رہتے ہیں۔ بے حس کی زندگی کس کام کی!“

”میا انہوں دے کر سلا آئی ہو.... غل غپاڑہ نہیں چاہتا!“  
”کمرے میں بند کر آئی ہوں.... کسی کتے کے پلے کو بھی قریب برداشت نہیں کر سکتا تا اپنے مجھے۔“

”ٹھیک ہے! اب تم مجھے اتنی دیر تک باتوں میں الجھائے رکھو کہ اس کے ساتھی بھی آجائیں!“

”اوہ.... نونوڈیزیر.... میں تو کچھ جانتی بھی نہیں!“  
”تو پھر!“

”میرے ایک دوست نے مجھے سے استدعا کی تھی کہ اس کے ایک مریض کو کچھ دنوں کے لئے اپنے پاس رکھ لوں۔ کسی ڈاکٹر برناڑ کا فون نمبر دیا تھا۔ کہ مریض کے پہنچتے ہی اسے مطلع کروں۔ وہ آکر اس کی دلکھ بھال کرے گا۔ یہ تمہارا چچا ہی تو ہے جس کا تم نے یہ حشر کیا ہے!“

”تھا تو نہیں لیکن چاہنا پڑا ہے۔!  
”میا مطلب!“

”میں نہیں جانتا کہ یہ لوگ کون ہیں اور انہوں نے مجھے اس طرح کیوں پکڑ دیا۔“  
”ہاں.... ہاں ہو سکتا ہے! اگر ایسی باتیں نہ کرو تو ہنی مریض کیسے کھلاو۔ لیکن یہ تم نے بہت نہ کیا ہے!“ وہ زخمی اور یہوش برناڑ کی طرف اشارہ کر کے رہ گئی۔

”اب تم مجھے اپنے اس دوست کا نام اور پتا بتاؤ جس نے مجھے مریض بنایا کہجوجا!“

عمران نے کہا۔ ”میرے ساتھ چلو میں بھی فراہم کر سکوں گا تمہارے لئے!“

”جب تک!“

”جب تک تم کہو گی!“

”اوہ.... اب تم خود ہی دیر لگا رہے ہو! جانا ہے تو نکل جاؤ۔ ورنہ ہو سکتا ہے کہ کچھ اور لوگ بھی آہی جائیں۔ ویسے میں یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتی مجھے اسکے بارے میں کچھ نہیں معلوم!“

”تمہیں موت کے منہ میں نہیں چھوڑ سکتا!“

”کیا مطلب!“

”تمہیں ساتھ لے جانے کے معاملے میں سمجھیدہ ہوں!“

”میں نادر کو تمہاری نہیں چھوڑ سکتی اور پھر میں کیسے یقین کروں کہ تم جو کچھ کہہ رہے ہو مجھ ہے!“

”ہاں آں ہو سکتا ہے....!“ عمران کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”یہ محض اندریشہ ہی ہو۔ اگر تم اس

کے بارے میں کچھ نہیں جانتیں تو وہ تمہیں زندہ ہی رہنے دے!“

”میں اس کے علاوہ اور کچھ نہیں جانتی کہ اس کا نام کو برآ رہے بہت دولت مند ہے اور....!“

”تمہارے لئے چرس سیاہ کرتا ہے... خود تم کہیں جا کر خرید نہیں سکتیں۔ کیونکہ یہ تمہارے دفاتر کے منافی ہے!“

”یہی سمجھو لو....!“ وہ سر ہلا کر بولی۔

”لیکن میں اسے لے جاؤں گا!“ عمران نے برتاؤ کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا۔

”ضرور لے جاؤ!“

”تم اسے کیا بتاؤ گی!“

”یہاں جو کچھ ہوا ہے!“

”اپنی ذات کو قلعی الگ رکھنا!“

”میں نہیں سمجھی!“

”میری اور تمہاری گفتگو کے بارے میں ایک لفظ بھی زبان سے نہ لفکنے پائے ورنہ مجھ ماری جاؤ گی!“

”میں سمجھتی ہوں!“

ہے!“

”کیا تم مجھ نہیں جانتے!“

”جانتا ہو تا تو پوچھتا کیوں!“

”اس کا نام کو برآ رہے!“

”یعنی کالاناگ!“

”جو دل چاہے سمجھ لو.... اس نے مجھے اپنا یہی نام بتایا تھا۔ پھر میں کیوں الجھن میں پڑی کر اس کا اصل نام کیا ہے۔ مجھے یہ بھی نہیں معلوم کہ رہتا کہاں ہے....!“

”برا عجیب دوست ہے اور بڑی حیرت انگیز ہے یہ دستی۔ ویسے میں پیشگوئی کرتا ہوں کہ اگر میں اس کے ہاتھ آئے بغیر یہاں سے نکل گیا تو وہ تمہیں زندہ نہیں چھوڑے گا!“

”کیوں....؟“ وہ اچھل پڑی۔

”ای قسم کا آدمی ہے۔ جس مہرے کے بارے میں اسے شہمہ بھی ہو جائے کہ پڑ جائے گا اسے خود ہی ٹھکانے لگادیتا ہے!“

”تم کیا جانو!“

”ای جاننے ہی کی بنا پر وہ مجھے زندہ نہیں دیکھنا چاہتا۔!“

”مجھے اس کے بارے میں زیادہ سے زیادہ بتاؤ۔ میں کچھ بھی تو نہیں جانتی!“

”اگر جانتا ہی چاہتی ہو تو نی الحال میرے ساتھ نکل چلو۔ ورنہ اگر کچھ لوگ اور بھی پہنچ گئے تو دشواری ہو گی!“

”تم مجھے کہاں لے جاؤ گے!“

”یہ سب کچھ مجھ پر چھوڑ دو!“

”کس طرح اعتاد کر لیا جائے تم پر.... اور پھر سب سے بڑی بات تو یہ کہ اس کے بغیر میں ایک دن بھی زندہ نہیں رہ سکتی!“

”میرا بھی یہی خیال تھا!“ عمران اسے غور سے دیکھتا ہوا بولا۔

”کیا خیال تھا!“

”اس نے تمہیں کسی گھٹیا قسم کے نشے کا عادی بنادیا ہے۔“ وہ کچھ نہ بولی۔

”مجھے اس کرے میں لے چلو!“  
 ”ارے... وہ تو اس کا چچا بر نارڈ اسے لے بھی گیا!“  
 ”تم جھوٹی ہو... چلو...!“  
 ”یکمودار گنگ میں بہت تھک گئی ہوں۔ بات نہ بڑھاؤ!“  
 ”چلو...!“ وہ حلق پھاڑ کر چینا... اور ساتھ ہی چلنا کی آواز آئی تھی۔  
 ”مارے جاؤ... میں اس وقت تم پر ہاتھ اٹھانے کے موڑ میں نہیں ہوں!“ تھیما کہتی  
 تھی۔  
 ”چلنا چلنا۔“ کئی آوازیں آئیں۔  
 ”یہاں کوئو... اس کے بعد جب بھی میرا ہاتھ اٹھے گا... تم لہو بہاں ہو جاؤ گے...!“  
 دعٹا عمران نے دروازے کا ہندل گھمایا اور باہر نکل آیا۔ خدا شہ تھا کہ کہیں یہ قصہ طولیں نہ  
 ہو جائے۔ دونوں بوکھلا کر ایک طرف ہٹ گئے۔  
 ”میں گیا نہیں تھا... اب جا رہا ہوں مادام...!“ اس نے کہا۔  
 ”ہاں... ہاں... اچھا... آؤ... میرے ساتھ!“ تھیما آگے بڑھتی ہوئی بولی۔  
 نادر سلمانی جہاں تھا وہیں کھڑا احقوقون کی طرح انہیں دیکھتا رہا۔ گویا زبان ہی گنگ ہو کر رہ گئی  
 تھی۔ پھر وہ ان کے پیچھے چھپنا تھا۔ تھیما اس کے قدموں کی چاپ سن کر ایک دم گھوم گئی۔  
 ”جااؤ پہنچ کرے میں جاؤ۔ مجھے مجبور نہ کرو!“ وہ غرائی تھی۔  
 ”ہر گز نہیں اور ذخی معلوم ہوتا ہے۔ میں پولیس کو فون کروں گا۔ میرا فرض ہے!“  
 ”جااؤ۔“ اس نے پھر ہاتھ گھمادیا۔ لیکن سلمانی اچھل کر پیچھے ہٹ گیا تھا۔  
 ”آپ جہاں ہیں وہیں نہ ہیں مختصر!“ عمران نے اوپری آواز میں کہا۔ ”میں چلا جاؤں گا!“  
 اب اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ صدر دروازہ کہاں ہو گا۔ بے ہوش بر نارڈ کی جیب سے گاڑی کی  
 چالی پہلی ہی بر آمد کر چکا تھا۔ کپاٹ میں چوکیدار سے مدد بھیڑ ہو گئی! اس نے بھی زخمی کو حیرت  
 سے آنکھیں پھاڑ کر دیکھا تھا۔  
 ”کے چوکیدار... گھبراؤ نہیں!“ وہ اس کے قریب پہنچ کر آہستہ سے بولا۔ ”میں وہی کشم  
 آفیسر ہوں جس نے تھوڑی دیر پہلے تم سے بات کی تھی۔ واقعی یہ لوگ چرس کا بیوپار کرتے ہیں۔

”اچھی بات ہے میں اسے اٹھاتا ہوں تم صدر دروازے تک میری رہنمائی کرو۔ پھر بیہاں  
 کے بر قی نظام کا میں سونچ آف کر دینا!“  
 ”پھر کب ملو گے...!“  
 ”کیوں... کیا یہ ضروری ہے...!“  
 ”تم سے دوبارہ ملنے کو دل چاہ رہا ہے... نہ جانے کیوں؟“  
 ”اگر تمہارے بے بی کو علم ہو گیا تو...!“  
 ”وہ نہ پڑی تھی۔  
 حقیقتاً عمران فیصلہ نہیں کر سکا تھا کہ وہ بھی کے بارے میں جھوٹ بول رہی ہے یا اس کا بیان  
 صداقت پر مبنی ہے...! لیکن اب وہ جلد سے جلد وہاں سے نکل جانا چاہتا تھا! اس کے وہ دونوں ماتحت اس وقت ستام ہاؤز کے باہر موجود تھے جنہیں اس نے اس مرحلے  
 کے لئے ہدایات دی تھیں۔ اسکیم کے مطابق انہوں نے اس گاڑی کا تعاقب کیا تھا۔ جس میں  
 عمران بیہاں تک لا یا گیا تھا۔  
 بہر حال اب عمران بیہاں سے فوراً نکل جانا چاہتا تھا۔ اس نے بے ہوش بر نارڈ کو انداز  
 کا نہ ہے پر لاد اور تھیما کی رہنمائی میں آگے بڑھنے لگا۔  
 راہداری میں پہنچا ہی تھا کہ عمارت کے کسی حصے سے شیشہ ٹوٹنے کی آواز آئی... خاصاً  
 دار چھنکا ہوا تھا۔  
 ”چلو... ادھر!“ تھیما نے عمران کا بازو پکڑ کر دروازے کی طرف کھینچنے ہوئے کہا۔  
 اس نے دروازہ کھولا تھا اور اسے اندر وہ حکیل کر باہر سے بند کر لیا تھا... اندر ہرے کمرے  
 میں عمران نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھنے کی کوشش شروع کر دی تھی۔ بر نارڈ  
 بھی اس کے کاندھے پر لدا ہوا تھا۔  
 دعٹا اس نے تھیما کی آواز سنی۔  
 ”اوہ... تو یہ تم نے کھڑکی کا شیشہ توڑ ہی دیا آخر...!“  
 ”تم کیا کرتی پھر رہی ہو...!“ نادر سلمانی کی آواز آئی۔  
 ”نیند نہیں آرہی...!“

”لیکن.... صاحب....!“

”بیوقوف میں بھیں بدلتے ہوئے ہوں۔ کیا تم آواز سے نہیں پہچان سکتے۔!“

”بھی صاحب! آواز تو وہی ہے۔!“

”میں بھی وہی ہوں۔ یہ شخص کچھ دیر پہلے یہاں آیا تھا۔!“

”بھی صاحب!“

”اس کی گاڑی کدھر ہے۔!“

”وہ رہی اور صاحب!“

”اچھا تم جلدی سے یہاں کالائٹ بجاوو۔!“

اس نے بڑی پھرتی سے حکم کی تکمیل کی تھی۔ کپاؤٹ میں اندر ہیرا چھا گیا۔ لیکن مزک کی روشنی اتنی تھی کہ اسے گاڑی کا ہیولی نظر آلتا۔

چوکیدار پھر اس کے قریب آکھڑا ہوا تھا۔ اس نے بردارڈ کو عمران کے کاندھ سے گاڑی میں منتقل کرنے میں بھی مددوی تھی۔

”ویکھو۔ اگر کوئی تم سے کچھ پوچھے تو کہہ دینا کہ مریض کے آنے کے بعد ایک صاحب اور بھی آئے تھے اور مریض کو اپنے ساتھ لے گئے تھے۔ اس کے علاوہ اور کچھ بھی نہ کہنا۔!“

”بہت اچھا صاحب۔!“

عمران نے گاڑی اسٹارٹ کی تھی اور کپاؤٹ سے نکلا چلا آیا تھا۔



علامہ دہشت آرام کری پر نیم دراز کسی کتاب کے مطالعے میں منہک تھا۔ دفتہ فون کی گھنٹی بجی تھی۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھایا تھا۔ اور دوسری طرف سے بولنے والے کی آواز سن کر بھنوں سکڑ گئیں۔!

”تم کہاں سے بول رہے ہو....!“ اس نے پوچھا۔

”گھر سے جناب۔!“ دوسری طرف سے آواز آئی۔

”انتہے دونوں کہاں غائب رہے۔!“

”وہی بتانے کے لئے حاضر ہوتا چاہتا ہوں۔“

”آجائو۔!“

”لیکن پولیس۔!“

”اوه.... ختم کرو۔.... پولیس یہی تو معلوم کرنا چاہتی ہے کہ تم میری کیمپنگ میں شامل رہے تھے۔.... میں نے خود ہی اس کی تصدیق کر دی تھی.... آخر تم اس طرح چھپے کیوں پھر رہے ہو۔ ان چھپاکوں میں سے کسی کا بھی پتا نہیں جو میرے ساتھ تھے۔ بقیہ لوگ کہاں ہیں۔!“

”مجھے علم نہیں جناہ! میں ایک پراسرار آدمی کی نجی قیدیں تھا۔!“

”بڑی عجیب خبر سنائی تھا۔.... تم فوراً آ جاؤ۔ اب پولیس تم لوگوں سے کسی قسم کی پوچھ گچھ نہیں کرے گی۔.... میں نے یچھے سے اوپر تک سکھوں کے دماغ درست کر دیئے ہیں۔!“

”اوه تو پھر میں آ جاؤ۔!“

”فوراً۔....!“ کہہ کر علامہ نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔ اس کی آنکھوں میں تشویش کے آنکھاتھے۔

دفتہ ایک ملازم کرے میں داخل ہوا۔ اس کے ہاتھ میں کسی کا ملاقاتی کارڈ تھا۔ علامہ نے کارڈ لے کر دیکھا تھا۔ اور پبل بھر کے لئے اس کی آنکھوں میں عجیب سی چک نظر آئی تھی۔

”آنکھیں اندر لے آؤ۔!“ اس سے کہا۔ اور ملازم چلا گیا۔

تو ہوڑی دیر بعد مغلہ سراغ رسانی کا سپرمنڈنٹ کیپن فیاض کرے میں داخل ہوا تھا۔

”خوش آمدید کیپن۔!“ علامہ مصافی کے لئے ہاتھ بڑھائے ہوئے اٹھا۔

”مجھے افسوس ہے پروفیسر کہ اس بار پھر تکلیف دینی پڑی۔“

”کوئی بات نہیں تشریف رکھئے۔!“

”ان سات افراد میں سے چار نے پولیس سے رابطہ قائم کر لیا ہے۔“ فیاض بیٹھتا ہوا بولا۔!

”لیکن ان کی کہانی حیرت انگیز ہے۔“

”پانچوں کی فون کاں ابھی میرے پاس آئی تھی۔“ علامہ مسکرا کر بولا۔!“ وہ بھی کوئی کہانی سنانا چاہتا ہے۔! بر سبیل تذکرہ کیا آپ مجھے ان چاروں کے نام بتائیں گے۔!

”نہیں گیا تھا اس طرف۔!“  
 ”اور یہ نکتہ بھی اس لئے بھایا ہے کہ میری بے گناہی پر بالکل ہی یقین کر لیں۔!“  
 ”پروفیسر پلیز۔!“ فیاض ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”میں تو اس لئے آیا تھا کہ ان لڑکوں کے بتابے  
 ہوئے جیسے والے آدمی سے متعلق گفتگو کروں۔!“  
 ”کیا حالیہ بتایا ہے انہوں نے۔!“  
 ”خونفاس چہرہ۔ پھولی ہوئی بھدی تاک۔ موچھیں اتنی گھنی کہ دہنہ چھپ کر رہ گیا ہے۔  
 آنکھیں عموماً سرخ رہتی ہیں۔!“  
 ”نہیں۔ میں ایسے کسی آدمی کو نہیں جانتا۔!“  
 ”یادداشت پر زور دیجئے۔ ماضی بعد میں جھانکیے کوئی دشمن.... کوئی حریف ہو سکتا ہے اس  
 وقت موچھیں نہ رہی ہوں۔ لیکن پھولی ہوئی بھدی تاک۔!“  
 ”نہبھریے.... مجھے سوچنے دیجئے۔!“ علامہ ہاتھ اٹھا کر بولا۔  
 ”خوبی دیر تک تاک اور بھوں پر زور دیتے رہنے کے بعد اس نے کہا۔ ”نہیں کیپن۔ کوئی  
 ایسا آدمی یاد نہیں آتا۔“  
 ”ہو سکتا ہے دو ایک دن بعد یاد آجائے۔“ فیاض نے کہا۔  
 ”بظاہر تو امید نہیں... دراصل کیپن.... میری آج تک کسی سے بھی دشمنی نہیں رہی۔“  
 ملازم پھر کمرے میں داخل ہوا اور جواد کے آنے کی اطلاع دی۔  
 ”وہی لڑکا ہے۔!“ علامہ نے فیاض کی طرف دیکھ کر کہا۔  
 ”ہو سکتا ہے میری موجودگی میں کھل کر گفتگو نہ کر سکے۔!“ فیاض بولا۔  
 ”جو مناسب سمجھیں۔!“  
 ”میں دوسرے کمرے میں چلا جاتا ہوں۔!“  
 ”ٹھیک ہے۔!“ علامہ سر ہلا کر بولا۔ ”لیکن میرا خیال ہے ایسی جگہ چھپنا چاہئے آپ کو جہاں  
 سے آپ ہماری گفتگو سن سکیں۔ یہاں اس پر دے کے پیچھے آجائیے۔!“ فیاض اٹھ کر بتائی ہوئی  
 جگہ پر چلا گیا تھا۔  
 یہ سب کچھ ملازم کی موجودگی ہی میں ہوا تھا۔ اس کے بعد علامہ نے اس سے کہا تھا کہ جواد کو

”کیوں نہیں۔ ایک کاتاں عابد ہے دوسرے کا جیل تیراشا کند افضل ہے اور چوتھا سینز  
 الدین....“  
 ”اور جواد مجھے اپنی کہانی سنانے آ رہا ہے۔!“ پروفیسر پر تھکر لجھے میں بولا۔ ”ہو سکتا ہے اپر  
 سے بھیں ملاقات ہو جائے۔ اب صرف شیلا اور پیٹرہ جاتے ہیں۔!!“  
 ”لیکن ان چاروں کی کہانی ایک ہی ہے۔!“ فیاض علامہ کو غور سے دیکھتا ہوا بولا۔ جو اس کی  
 طرف متوجہ نہیں تھا۔  
 اسکے چہرے پر اکتاہٹ کے آثار تھے۔ نہ اس نے کہانی سننے کی فرمائش کی اور نہ کچھ اور ہی بولا۔  
 فیاض نے کھنکار کر کہنا شروع کیا۔ ”ان کا بیان ہے کہ وہ کسی آدمی کی قید میں تھے۔ کہانی ایک  
 ہی ہے لیکن ایک کو دوسرے کی خبر نہیں تھی۔ حالات کی بناء پر کہا جا سکتا ہے کہ وہ کسی ایک ہی  
 آدمی کی قید میں تھے۔ لیکن انہیں الگ الگ رکھا گیا تھا۔“  
 ”رہا کیسے ہوئے۔!“  
 ”آج صح شہر کے مختلف حصوں میں بے ہوش پڑے پائے گئے تھے۔ اس پر زور شن نہیں ڈال  
 سکے کہ وہ اس آدمی کی قید سے ان جگہوں پر کیسے منتقل ہوئے تھے۔!  
 ”قصے کہانیوں کی باقی معلوم ہوتی ہیں۔!“ علامہ نے پیزاری سے کہا۔ ”بات یا کہیں کہ  
 موت سے شروع ہوئی تھی۔ اس کے بارے میں انہوں نے کیا بتایا۔!  
 ”اس سے زیادہ نہیں بتا سکے جتنا آپ بتاچکے ہیں۔!  
 ”تو پھر آپ کیوں آئے ہیں۔!“ علامہ کا الجہ بے حد خنک تھا۔  
 ”یہ بتانے کیلئے کہ وہ پر اسرار آدمی ان سے صرف آپکے بارے میں پوچھ گچھ کرتا رہا تھا۔“  
 ”خوب۔ تو اب کہانی اس ڈگر پر جاری ہے۔!  
 ”میں نہیں سمجھا آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔!  
 ”خیال کیا جا سکتا ہے کہ وہ میری تھی قید میں تھے۔ اور میں کسی کی وساطت سے پولیس  
 لئے نئی راہ تعین کرنے کی کوشش کرتا رہا ہوں۔ محض اس لئے کہ یا کہیں والے معاملے میں  
 سے بالآخر ہو جاؤں۔!  
 ”بھی کمال کر دیا آپ نے۔!“ فیاض فس کر بولا۔ ”اچھا لکھتے سمجھایا آپ نے۔... میرا تو دھا۔“

اندر بیج دے! جواد کے چہرے پر ہوا یا ازر رہی تھیں۔ بیٹھتے ہی اس نے اپنی کہانی شروع کر دی۔ اور اس آدمی کا حلیہ وہی بتایا جو کچھ دیر پہلے فیاض تا چکا تھا۔ اور کہانی بھی ان چاروں سے مختلف نہیں تھی۔

”آخر وہ میرے بارے میں کیا معلوم کرتا چاہتا تھا!“ علامہ نے سوال کیا۔

”آپکی مصروفیات کے بارے میں آپ کے نظریات۔ مخصوص شاگردوں کے بارے میں!“

”تم نے کہا نہیں کہ اسے یہ ساری باتیں میری لکھی ہوئی کتابوں سے بھی معلوم ہو سکتی ہیں!“

”میں نے کہا تھا۔ لیکن جناب اس کی باتوں سے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ سمجھتا ہو کہ یا کہن کی موت میں آپ ہی کا ہاتھ ہو!“

”یہ بھی پرانی بات ہوئی۔ خود پولیس کا بھی بھی خیال ہے۔!“

”پولیس والوں کا دماغ چل گیا ہے۔ لیکن وہ آدمی میری سمجھ میں نہیں آسکا!“

”ہو گا کوئی... جہنم میں جائے۔ لیکن تم نے ابھی تک یہ نہیں بتایا کہ رہائی کیسے نصیب ہوئی!“

”آج صح آنکھ کھلی تو کلکشن کے ایک فٹ پا تھ پر پڑا ہوا تھا۔ بوکلا کراٹھ بیٹھا در گر کی راہ لی۔“

”تمہارے ساتھ اور کون تھا!“

”کوئی بھی نہیں۔ اس کمرے میں بھی تھا تھا۔ جس میں رکھا گیا تھا۔“

”تم پر اس نے تشدد تو نہیں کیا۔!“

”نہیں جناب! قطعی نہیں۔ مہانوں کی طرح رکھا گیا تھا۔ بس کمرے سے باہر نہیں کل سکتا تھا!“

”اس عمارت کے بارے میں بھی کچھ اندازہ لگا سکے تھے کہ کس علاقے میں ہو سکتی ہے۔!“

”نہیں جناب! کمرے کی ساخت ہی ایسی نہیں تھی کہ باہر کا کچھ حال معلوم ہو سکتا!“

”فرنجپر وغیرہ سے کم از کم اس آدمی کی حیثیت کا اندازہ تو لگائی سکے ہو گے۔“

”بے حد قیمتی فرنچپر تھا جناب!“

”اس آدمی کو پہلے بھی کہیں دیکھا تھا!“

”نہیں جناب! مجھے تو نہیں یاد پڑتا۔“

”اپنے علاقے کے تھانے میں جا کر کہی بیان دے دو!“

”بہت بہتر جناب!“

”جتنی جلد ممکن ہو!“

جواد واپسی کے لئے اٹھ گیا۔ پروفیسر نے اسے روکا نہیں تھا۔ اس کے چلے جانے پر فیاض پڑے کے پیچے برآمد ہوا۔

”میں نے اسے غلط مشورہ تو نہیں دیا کیٹھا!“ علامہ نے پوچھا۔

”بہت مناسب۔ اور سوالات بھی غیر ضروری نہیں تھے!“

”اس پر اسرار آدمی نے مجھے فکر مند کر دیا۔ آخر وہ چاہتا کیا ہے۔!“

”یہ پہلا موقع ہے کہ اس شہر میں ایسی کوئی بات ہوئی ہے۔!“ فیاض بولا۔

”اب میں آپ سے سوال کرنا چاہتا ہوں۔!“ علامہ نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

”ضرور.... پروفیسر!“

”یا آپ کو ان پانچوں کی کہانی پر یقین آگیا ہے۔!“

”اس سلسلے میں کوئی جواب دینا قبل از وقت ہو گا۔!“

”تو آپ کو یقین نہیں آیا۔“

”میں یہ بھی نہیں کہہ سکتا!“

”اس کا مطلب یہ ہوا کہ یقین کر لینے کی کوئی نہ کوئی وجہ ضرور موجود ہے۔!“

”ہو سکتا ہے آپ کا خیال درست ہو۔!“ فیاض مسکرا کر بولا۔

”تو اس پر اسرار آدمی کے بارے میں آپ پہلے سے بھی کچھ جانتے ہیں۔!“

”شامک!“

”خدا کا شکر ہے۔ درنہ میں تو یہی سمجھا تھا کہ شاید آپ اسے میرا ہی تصنیف کر دے ڈرامہ جھیں گے۔!“

”سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ اچھا باب اجازت دیجئے۔!“

”چائے آرہی ہو گی۔“

بلد نمبر 26  
ہوں۔ اور تمہیں مطلع کر دوں کہ تم اس فون کا سارا غنیم پا سکو گے جس پر میں گفتگو کر رہا ہوں۔  
اپنے ماتحت سے کہہ دو کہ جھک نہ مارے!“  
فیاض فوراً ہی کچھ نہیں بولا تھا۔!  
”بھیلو!“ عمران نے اُسے لکارا۔  
”یہ بتاؤ کہ تم نے اس وقت مجھے کیوں فون کیا ہے۔!“ فیاض نے کسی قدر دبی ہوئی آواز  
میں پوچھا۔

”یہ معلوم کرنے کیلئے کہا یا سکین کی موت کا معبد حل ہو جانے کے بعد تم کیا کر رہے ہو۔!“  
”بہت کچھ کرتا۔ اگر تم روک نہ دیتے۔“  
”میں نے صرف یا سکین کے گھروالوں کو بور کرنے سے روکا تھا!“  
”اچھا.... اچھا....! میں تم سے ملانا چاہتا ہوں۔!“  
”نی ماں نا ممکن ہے۔!“  
”جوزف کا کیا قصہ تھا....!“  
”کسی نے اسے ایک ایسی عمارت میں پہنچا دیا جہاں پہلے سے ایک نائم بم رکھا ہوا تھا۔ کیا اس کا  
پیان تمہاری نظر وہ سے نہیں گذرتا۔“  
”میں اصل واقعہ معلوم کرنا چاہتا ہوں۔!“

اصل واقعہ یہ ہے کہ سب کچھ بکواس ہے! اس کی ناگ پر ایک پر اسرار مکھی بیٹھ گئی تھی۔ بس  
دینی سے بڑی تجھنگی۔!

”تم کسی بڑی مصیبت میں پڑنے والے ہو۔!“  
”جب سے پیدا ہوا ہوں جھوٹی مصیبت تو کبھی خواب میں بھی نہیں نظر آئی۔ اب تم بتاؤ کہ  
مجھ سے کیوں ملانا چاہتے ہو۔!“

فیاض نے علامہ کے ان پانچوں شاگردوں کی کہانی شروع کر دی۔ جن کے بیان کے مطابق  
”کسی پر اسرار آدمی کی قید میں رہے تھے۔!  
عمران نے اختتام پر قہقهہ لگا کر کہا۔ ”وہ علامہ ہی کی قید میں رہے تھے۔“ تاکہ وہ خود کو بے  
گناہ ثابت کر سکے۔!

”میں تم سے پوچھ رہا ہوں کہ تم نے پروفیسر دہشت کے شاگردوں کو کیوں بند کر رکھا۔  
”انگلش میں پوچھو تو شائد میری سمجھ میں آکے۔! آجکل چاسر کی کمیٹر بری میڈیا پر“

”نہیں تکلیف نہ کریں۔ بہت جلدی میں ہوں۔“  
فیاض کے چلے جانے پر اس نے ملازم کو طلب کرنے کے لئے گھنٹی بجائی تھی اور کمرے میں  
ٹینٹے رکھا۔ آنکھوں میں تشویش کے آثار گہرے ہو گئے تھے۔!  
ملازم کے آنے پر بولا تھا۔ ”ڈرائیور سے کہو گاڑی نکالے۔ میں باہر جاؤں گا۔!“



برنارڈ کو بھی سائیکو میشن ہی لایا گیا تھا۔ لیکن اس سے ابھی تک کسی قسم کی بھی گفتگو نہیں  
کی گئی تھی۔ جس کمرے میں اسے رکھا گیا تھا۔ اس میں کوئی داخل بھی نہیں ہوا تھا۔ یہ اس کے  
ہوش میں آجائے کی اطلاع عمران کو پہنچادی گئی تھی۔ شارٹ سرکٹ ٹیلی ویژن پر اس کی گمراہی  
جاتی رہی تھی۔

فی الحال عمران کا قیام بھی سائیکو میشن ہی میں تھا۔ یہیں سے اس نے فون پر کیپشن فیفاڑ  
سے رابطہ قائم کیا۔ اور دوسرا طرف سے کسی بھیڑیے کی سی غراہت سن کر بے اختیار مکارا پڑا۔  
”تم ہو کہاں فلیٹ میں تو تقلیل پڑا ہوا ہے۔!“

”تمہیں مجھ پر نظر رکھنے کے علاوہ اور کوئی کام نہیں ہے کیا؟“ عمران نے سوال کیا تھا۔  
”پیٹر اور شیلا کہاں ہیں۔!“

”گھاس تو نہیں کھا گئے۔ میں کیا جانوں، تمہاری ہی زبانی سنا تھا کہ وہ ساتوں روپا  
ہو گئے ہیں۔!“

”اس کے علاوہ اور کچھ نہیں جانتے۔!“  
”کچھ جاننے کی فرصت ہی نہیں۔ کیونکہ آج کل تمہارے لئے جھنچھنے خریدتا پھر رہا ہوں۔  
”کیا بکواس ہے۔!“

”نانی لو گے یا آئیں کریم۔!“  
”میں تم سے پوچھ رہا ہوں کہ تم نے پروفیسر دہشت کے شاگردوں کو کیوں بند کر رکھا۔  
”انگلش میں پوچھو تو شائد میری سمجھ میں آکے۔! آجکل چاسر کی کمیٹر بری میڈیا پر“

”بہت دور کی کوڑی نہیں لائے ہو۔“ فیاض سرد لیجے میں بولا۔  
”تو پھر وہ کس کی قید میں رہے ہوں گے۔“  
”سو فیصد تمہاری حرکت معلوم ہوتی ہے۔“

”کیا میر احیلے ان کے بتائے ہوئے حلیے سے مطابقت رکھتا ہے۔“  
”تم ذاتی طور پر ان کے سامنے آئے بغیر بھی یہ سب کچھ کر سکتے ہو۔“  
”شیلا اور پیٹر کی واپسی نہیں ہوئی۔“ عمران نے پوچھا۔  
”تم بہتر طور پر جانتے ہو گے۔ دیکھو پھر کہتا ہوں کہ مجھ سے مل لو رہے پھر مجھے الزام نہ دینا۔“  
”میں تمہیں الزام دیے بغیر بھی زندہ رہ سکتا ہوں۔“ کہہ کر عمران نے سلسلہ منقطع کر دیا۔  
اس نے دراصل اس لئے فیاض کو فون کیا تھا کہ ان پانچوں کے بارے میں روپورٹ مل لے۔  
جنہیں اس نے آزاد کر دیا تھا۔

اپنے کمرے سے نکل کر وہ اس کمرے کی طرف چل پڑا جہاں برناڑ مقصید تھا۔  
وہ بستر پر میٹھا ہوا ملا۔ ناشتے کا سامان میز پر بدستور رکھا ہوا تھا۔ شاکد اس نے اسے ہاتھ بھی  
نہیں لگایا تھا۔  
”تم آخر خود کو سمجھتے کیا ہو۔“ وہ عمران کو دیکھتے ہی اٹھ کھڑا ہوا۔ عمران اس وقت میک اپ  
میں نہیں تھا۔  
”بیٹھے رہو۔“ عمران ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”بیہاں کوئی تمہاری چیزوں کی طرف توجہ نہ کی  
وے گا۔“

”تمہیں پچھتا ناپڑے گا۔“ وہ اسے گھونسہ دکھاتا ہوا بولا لیکن اپنی جگہ سے ہلا بھی نہیں تھا۔  
”پچھتا لوں گا بھئی۔“ لیکن اس سے پہلے تھوڑی سی گفتگو ہو جائے تو کیا ہرج ہے۔“  
”کیسی گفتگو۔“

”شہرور سے متعلق۔“ عمران اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔  
”میں نہیں سمجھا تم کیا کہہ رہے ہو۔“  
”شہرور کی انگریزی بتاؤ کیا۔؟“  
”مجھے جانے دو۔ ورنہ شہر جہنم کا نمونہ بن جائے گا۔“

”کون بنائے گا۔ تم خود تو بیہاں دھرے ہو گے۔“  
”وہ کچھ نہ بولا۔ البتہ اسے قہر آلوں نظروں سے دیکھے جا رہا تھا۔ پھر تھوڑی دیر بعد پوچھا۔ ”آخر  
نم چاہتے کیا ہو۔“  
”میرا شہرور سے کوئی بھگڑا نہیں تھا۔ میں تو ایک ایسے آدمی کے پیچھے تھا جس سے شہرور کو  
کوئی سر دکارنا ہوتا چاہئے۔ کیونکہ وہ اس کی لائیں کا آدمی نہیں ہے۔ یوں دوسری کا پروفیسر ہے۔“  
”کیا یہ شہرور کوئی بدمعاش ہے؟“ برناڑ نے بڑے بھولے پن سے پوچھا۔  
”قطیعی! اس لئے تو تمہیں تکلیف دی گئی ہے۔“ عمران نے جواب دیا۔  
”کیا تم مجھے بدمعاش سمجھتے ہو۔“  
”نہیں.... تم سو شل در کر بھی ہو سکتے ہو۔ لیکن اس سے تمہاری بدمعاشی پر کوئی اثر نہیں  
پڑے گا۔“  
”تم میری توہین کر رہے ہو۔“  
”جس لفظ سے توہین کی بو آرہی ہو! اسے تم ریکارڈ سے خارج کر سکتے ہو۔ مجھے کوئی اعتراض  
نہ ہو گا۔“  
”پھر کہتا ہوں مجھے جانے دو۔“  
”پھر سن لیا میں نے! مجھے شہرور کا پتہ چاہئے۔“  
”اگر میں اس نام کے کسی آدمی کو جانتا ہو تو تا تو ضرور بتادیتا۔“  
”وہ تمہارا بابس بھی تو ہے۔“  
”واقعی جھک مار رہے ہو۔! تمہیں اس کا بھی علم نہیں ہے کہ میں کسی کا ملازم نہیں خود اپنا  
کاروبار رکھتا ہوں۔“  
”اس کاروبار سے میں بخوبی واقف ہوں۔“  
”پھر کیوں میرا اور اپنا وقت ضائع کر رہے ہو۔“  
”برناڑ.... تم اس وہم میں نہ پڑتا کہ تمہارے باس کی رسائی بیہاں تک ہو سکے گی۔! میرا  
کاروبار بے حد سانسنا لیک ہے۔“  
”میرا کوئی باس نہیں ہے۔“

”تو پھر میرے باؤزی گارڈ کی ناگ تھی نے توڑی ہو گی۔ اس لئے تم بھی اس اذیت سے گذرنے کے لئے تیار ہو جاؤ!“

”پتا نہیں تم کیا کہہ رہے ہو!“

”تم اچھی طرح سمجھتے ہو کہ میں کیا کہہ رہا ہوں.... ٹھہر و....! اس کا مزید ثبوت دے سکھوں کہ تم میری باتیں بخوبی سمجھ رہے ہو!“

اس نے اندر کوم کا سوچ آن کر کے کسی کو مخاطب کیا۔

”ان دونوں کو کمرہ نمبر گیارہ میں پہنچادو!...!“

برنارڈ شٹولے والی نظر وہ اسے دیکھنے لگا تھا۔ لیکن عمران کے چہرے پر لاتفاقی کے علاوہ اسے اور پکھنے مل سکال گویا اسے قطعی اندازہ نہیں تھا کہ وہ دونوں کون ہوں گے۔ جنہیں طلب کیا گیا ہے!-

ٹھوڑی دیر بعد دروازہ کھلا تھا اور وہی دونوں اندر داخل ہوئے تھے جنہوں نے جوزف کا انعام کیا تھا۔ ان کے پیچھے ایک آدمی اشین گن لئے چل رہا تھا۔ برنارڈ کو دیکھ کر وہ دونوں بیک وقت چوکنے تھے۔ اور برنارڈ کی آنکھوں میں پہلی بار سراسیگنی نظر آئی تھی۔

”اس شخص کو پہچانتے ہو!“ عمران نے ان دونوں سے سوال کیا۔

”مگر..... کیوں نہیں!“ ان میں سے ایک ہکلایا۔ ”برنارڈ صاحب یہیں!“

”لیکن میں ان کو نہیں جانتا!“ برنارڈ نے خود پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

”یہ غلط ہے!“ وہی آدمی بولا۔ پہلے ہم آپ ہی کے یونٹ میں تھے جتاب۔ پھر باس کے امیر جنی اسکوڈ میں شامل کر دیئے گئے تھے!“

”اور میں اسی باس کے بارے میں جانتا چاہتا ہوں!“ عمران طویل سانس لے کر بولا۔ ”بس کے کسی یونٹ کے تم سر برآہ ہو!“

برنارڈ نے قہر آلود نظر وہ اسے ان دونوں کی طرف دیکھا تھا لیکن پکھ بولا نہیں تھا!

”تم آخر کیوں معلوم کرنا چاہتے ہو....! اگر تمہارے باؤزی گارڈ کی ناگ نوٹ گئی ہے تو اس کا معقول علاج کرواؤ۔ باس کام پکھ بھی نہیں بگاڑ سکو گے!“

”تم غلط سمجھے ہو۔! میں تو اس کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنا چاہتا ہوں کہ میری

ہاگ بھی توڑدے!“

”اگ سے کھلیتے کی کوشش نہ کرو۔ اگر تم چاہو تو باؤزی گارڈ کے نقصان کا ازالہ معقول رقم ہے کر اسکتا ہوں!“

”علامہ دہشت کو جانتے ہو۔!“

”نام نہیں!“

”تمہارے باس سے اس کا کیا تعلق ہے!“

”باس سے اس کا تعلق۔!“ برنارڈ نے کہا۔ پھر ہنس کر بولا۔ ”یقیناً تم کسی غلط فہمی میں بتلا ہو!“

”مجھے شہزاد کا پتہ چاہئے!“

”اچھی بات ہے۔ پہلے تم ان دونوں سے پوچھو۔ کیا یہ جانتے ہیں کہ باس کہاں رہتا ہے!“

”یہ تو نہیں جانتے!“

”حالانکہ اسی کے امیر جنی اسکوڈ سے متعلق ہیں! بالکل اسی طرح میں کسی یونٹ کا سربراہ ہونے کے باوجود بھی اس کی قیام گاہ سے لاعلم ہوں!“

”عمران نے مذکور مسلح آدمی سے کہا۔ ”ان دونوں کو واپس لے جاؤ!“

برنارڈ کے چہرے پر نظر آنے والی تو انہی رخصت ہو چکی تھی۔ وہ ان دونوں کو کمرے سے جاتے دیکھتا رہا۔

”اب آرام سے بیٹھ جاؤ اور ناشتہ کرو!“ عمران نرم لمحہ میں بولا۔

”خواہش نہیں ہے!“

”تمہاری سر خری! او یہے کیا تم بتا سکتے ہو کہ شہزاد کہاں ہے؟“

”باس کو بھی نہیں معلوم.... اس کے بیان کے مطابق وہ اچانک کہیں غائب ہو گیا ہے! اوہو.... کہیں وہ بھی تو تمہاری قید میں نہیں!“

”میری قید میں پہنچنے سے پہلے ہی اپنے باس کی گولی کا نشانہ بن گیا تھا!“

”عن.... نہیں!“ برنارڈ ہکلا کر کنی قدم پیچھے ہٹ گیا۔

”میں تمہیں اس کی لاش دکھا سکتا ہوں! لاش میرے ہی قبضے میں ہے!“ عمران نے کہا۔

اور شہزاد کی کہانی سنانے لگا۔  
برنارڈ بیٹھ گیا تھا اور اس کے چہرے پر پائی جانے والی سر اسینگی کچھ اور گھری ہو گئی تھی۔  
عمران کے خاموش ہو جانے پر بھی کچھ نہ بولا۔

عمران نے چائے دانی پر سے ٹی کوزی ہٹائی اور ایک کپ میں چائے انٹلینے لگا۔ پھر اس نے  
کپ برناڑ کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا تھا۔ ”لو پیٹو!“  
برناڑ نے کپ اس کے ہاتھ سے لے لیا تھا۔

”وہ درندہ ہے!“ عمران بولا۔ ”اپنے آدمیوں کو شظنخ کے مہروں سے زیادہ نہیں سمجھتا۔“  
”م... میں اس حد تک بھی نہیں سمجھتا تھا۔“ برناڑ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ”اگر یہ  
بچہ ہے کہ شہزاد اسی کے ہاتھوں سے مارا گیا ہے تو...!“  
”یہ بچہ ہے برناڑ! میں مارتا تو اس کی لاش کیوں اٹھائے پھرتا!“  
”یہ بھی ٹھیک ہے!“

”میں ابھی تمہیں اس کی لاش دکھادوں گا۔ سرد خانے میں رکھی ہوئی ہے۔“  
برناڑ نے چائے کی پیالی میز پر رکھتے ہوئے کہا۔ ”وہ بہت محتاط ہے۔ غالباً کوئی بھی نہیں  
جانتا کہ وہ کہاں رہتا ہے۔ کوئی فون نمبر بھی نہیں دیا آج تک.... ہم اس سے ٹرائس میٹر پر رابطہ  
قامم کرتے ہیں۔“

”وہ لوگ کون ہیں۔ جن کے پاس میرا آدمی ذہنی مریض بنانے کے لیے جایا گیا تھا۔“  
”یقین کرو کہ میں انہیں بھی نہیں جانتا۔ اسی نے کہا تھا کہ اگر تمہارا کوئی آدمی ہاتھ آجائے  
تو وہیں پہنچا دیا جائے۔ میں نے اس عورت کو پہلی بار دیکھا ہے۔“  
”مجھے یقین ہے۔ میں تمہاری ہربات پر یقین رکھتا ہوں۔“  
”شکریہ...!“ برناڑ طویل سانس لے کر بولا۔ ”یہ بھی بتا دوں کہ مجھے شہزاد کے یونٹ کا  
چارن ج دیا گیا ہے!“

”کیا تم اپنی واپسی پسند کرو گے؟“  
”سوال ہی نہیں پیدا ہوتا!“  
”پھر تمہارا کیا کیا جائے؟“

183

”مجھے اس طرح کیوں لائے تھے!“  
”شہزاد کا پتہ معلوم کرنے کے لئے۔“  
”اس طریقہ کار کو ترک کردو۔ کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔! شہزاد بہت محتاط ہے۔ کوئی بھی اس کا  
پتہ جانتا ہو گا۔“  
”اب میں بھی یہی سوچ رہا ہوں!“  
”اور یہ بھی بتا دوں کہ اس کا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ اگر وہ سنجیدگی سے تمہارے پیچھے پڑ گیا  
تو تمہارے باپ کا عہدہ کسی کام نہ آسکے گا۔“  
”باپ کا تو نام ہی نہ لو... ہم اپنا ہی دم اور قدم دیکھتے ہیں!“  
”بہت اوپرے اوپرے لوگ اس کے لئے کام کرتے ہیں۔ اس کے ایک یونٹ کا انچارچ ایک  
تائی ڈی ایس پی ہے۔ ایک یونٹ کو کشم کا ایک ڈپی گلکٹر کنٹرول کرتا ہے!“  
”شائد میں ان دونوں سے واقف ہوں لیکن یہ نہیں جانتا تھا کہ وہ شہزاد ہی کے لئے کام  
کرتے ہیں۔! یقیناً وہ حیرت انگیز ہے! پتا نہیں کب سے اس دھنے میں ہے۔ اور اب مجھے اس کا  
علم ہوا ہے۔“  
”تم اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے!“  
”تم اس کی فکر نہ کرو۔ اپنے بارے میں بتاؤ کہ اب تمہارا کیا ہو۔ واپس گئے تو مارے جاؤ گے  
کیونکہ اسے تمہارے اغوا کا علم ہو چکا ہو گا!“  
”مجھے تواب یہ ملک ہی چھوڑ دینا پڑے گا!“  
”تو پھر دیکھو گے شہزاد کی لاش!“  
”کیا کروں گا دیکھ کر۔ مجھے تمہاری بات پر یقین ہے!“

ٹھیک ماد شواری میں پڑ گئی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب کیا ہو گا چر س کہاں سے  
ملے گی۔ ایک سال پہلے اس پی سے ملاقات ہوئی تھی اور وہ نبڑی طرح اس کے ذہن پر سوار ہو گیا

خدا اس سے پہلے بھی اتنے مکمل مرد سے اس کی ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ آہستہ آہستہ اس نے اسے چرس کی لٹ لگادی۔ خود ہی مہیا کرتا تھا ورنہ تھیلما ان گری پڑی عورتوں میں سے نہیں تھی جو نشانات کے حصول کے لئے ادھر اور ہر بھنکتی پھرتی ہیں۔...! نہ وہ کسی چرس فروش کو جائز تھی۔ اور نہ اسے یہی معلوم تھا کہ ان سے کس طرح رابطہ قائم کیا جاتا ہے!

تمن دن سے کوبرا کی شکل نہیں دکھائی دی تھی اور نہ اس نے فون ہی پر اس سے بات کی تھی۔ جب بھی فون کی گھنٹی بجتی پاگلوں کی طرح دوڑ کر کال ریسیو کرتی لیکن وہ سلمانی کے کسی موکل کی کال ثابت ہوتی۔ اس وقت بھی یہی ہوا تھا۔ ایک موکل کی کال ریسیو کر کے ریسیور کریبل پر پناہی تھا کہ گھنٹی پھر نہ اٹھی۔ اس نے ریسیور اٹھایا۔ لیکن اس بار کچھ جانی پہچانی سی آواز تھی۔

”ذہنی مریض بول رہا ہوں محمد مدد!“

”اوہ تم ہو۔۔۔ تباہ کار!“ وہ نفرت سے بولی۔

”شاائد پالائی ختم ہو گئی ہے۔۔۔!“

”میں بے موت مر رہی ہوں۔۔۔!“

”اس کا یہ مطلب ہوا کہ اس نے فون پر بھی تم سے رابطہ نہیں رکھا!“

”یہی بات ہے۔!“

”میں نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ تمہیں اس کی تکلیف نہیں ہونے دوں گا۔ لہذا اپنے پوکیدار کو ہدایت کر دو کر جیسے ہی کوئی ایک پیکٹ اس کے حوالے کرے تم تک فوراً پہنچا دے!“

”اوہ۔۔۔ تم کتنا اچھے ہو۔۔۔!“

”کم از کم ایک ہفتے کے لئے مطمئن ہو جاؤ۔۔۔!“

”بوسہ و صول کرو۔۔۔!“ وہ ماڈھ میں میں چکار دی تھی۔

”اس سے پہلی ملاقات کہاں ہوئی تھی!“

”نیشنل پارک میں۔!“

”کیا وہ عموماً گھر ہی پر آتا ہے یا باہر بھی ملاقاتیں ہوتی ہیں۔!“

”کبھی کبھی فون کر کے باہر بھی بلا تاہے۔۔۔!“

”کہاں۔۔۔!“

”ہوئی مخصوص جگہ نہیں ہے۔ کہیں بھی بال مقام ہے۔!“

”اچھی طرح یاد کر کے بتاؤ کہ آخری بار کہاں بلایا تھا۔!“

”اب ختم بھی کرو۔ تاکہ میں چو کیدار کو ہدایت دے سکوں۔!“

”بس بھی بتا کر تم ریسیور کہ دینا۔!“

”چھپی باراں نے مجھے اندر کا نئی نیشنل کے کرہ نمبر دو سو گیارہ میں بلایا تھا۔ اب رکھ دوں ریسیور۔!“

”رکھ دو۔۔۔!“ دوسرا طرف سے آواز آئی۔

وہ سلسہ منقطع کر کے مضطربانہ انداز میں باہر کی طرف بھاگی تھی۔ چو کیدار سے رابداری میں نہ بھیڑ ہو گئی۔ اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا پیکٹ تھا۔!

”ایک صاحب دے گیا ہے۔!“ اس نے کہا۔

حصیمانے پیکٹ اس کے ہاتھ سے جھپٹ لیا۔

”یہ کیا ہے۔!“ کسی جانب سے سلمانی کی آواز آئی تھی اور حصیمانے جلدی سے پیکٹ کو بلاوزر کے گریبان میں ڈال لیا تھا۔

”تم جاؤ۔!“ اس نے ہاتھ ہلا کر چو کیدار سے کہا۔

سلمانی قریب پہنچ چکا تھا۔ شاائد وہ اسے گریبان میں کچھ رکھتے دیکھ چکا تھا۔ چو کیدار نے واپس جانے میں بہت تیزی دکھائی تھی۔ شاائد بعد کے حالات کا اندازہ تھا اسے۔!

”کیا چڑھے۔!“ سلمانی نے حصیمانا کو گھوڑتے ہوئے پوچھا۔

”کچھ بھی نہیں۔۔۔!“ حصیمانے سامنے سے ہٹانے کی کوشش کرتی ہوئی بولی۔ شاائد جلد از جلد اپنے کمرے میں پہنچ کر سگریٹ بھرنا چاہتی تھی۔

”ہتاہ مجھے۔!“

”ہٹ جاؤ۔ وہ دونوں ہاتھوں سے اس کی گردن دیوچتی ہوئی دہڑی تھی اور سلمانی نے اچھل کر اس کے بال پکڑنے کی کوشش کی تھی۔ حصیمانے جھلاہٹ میں اس کے پیٹ پر گھٹا بھی رسید کر دی۔ سلمانی زور سے کراہ کر لڑکھڑایا تھا۔ وہ اسے دھکا دے کر آگے بڑھ گئی۔ سلمانی چاروں

خانے چٹ گرا تھا۔ دونوں ہاتھوں سے پیٹ دبائے لوٹیں گاتا رہا۔

پاپنے۔ سگریٹ کو ایسٹ نڑے میں مسل کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ راہداری میں بچھی تھی۔ لیکن اب  
ملائی وہاں نہیں تھا۔۔۔ پھر وہ سنگ روم کی طرف بڑھی۔ ابھی دروازے میں قدم بھی نہیں  
رکھا تھا کہ گردان پر قیامت ٹوٹی۔ بالکل ایسا ہی لگا تھا جیسے شانوں پر کوئی شہر آگرا ہو۔ ذہن فوری  
طور پر اندر ہیرے میں ڈوب گیا۔ دوسراے ہی لمحے میں وہ فرش پر تھی بے حس و حرکت!

”اب بتاؤ کیسی رہی!“ سلمانی کی آواز راہداری میں گونجی تھی۔ کبھی وہ بے ہوش تھیں ماکی  
طرف دیکھتا تھا۔ اور کبھی اس وزنی روول کی طرف جو اس نے داہنی مٹھی میں جکڑا ہوا تھا۔

ٹھیک اسی وقت سنگ روم میں فون کی گھنٹی بجی تھی اور وہ تھیں ماک کو وہیں چھوڑ کر کال ریسیو  
کرنے دوڑ گیا۔ ریسیور کریڈل سے اٹھایا تھا۔

”ایڈو کیٹ سلمانی کی قیام گاہ!“ اس نے ماٹھ پیس میں کہا۔

”مز سلمانی پلیز!“ دوسرا طرف سے آواز آئی۔

”اوہ.... تم ہو سور کے بچے!“ وہ دانت پیس کر بولا۔ لیکن جواب میں اس نے ایک  
استہزا کیسے ساقہ تھہ سنا تھا!

”ثٹ اپ!“ وہ حلق چھاڑ کر دہڑا تھا۔ لیکن تھیکی طوالت میں کوئی فرق نہیں آیا۔  
”میں کہتا ہوں کہ اگر اب تم نے اوہر کارخ کیا تو زندہ نہ چھوڑوں گا!“ سلمانی نے چیخ کر  
کہا!

”کس حکیم نے یہ عورت تمہارے نخے میں لکھ دی تھی!“ دوباری طرف سے آواز آئی  
تھی۔ اور سلمانی نے ریسیور کریڈل پر ٹھنڈیا تھا۔



عمران کی کار سڑک پر فرائٹ بھر رہی تھی اور وہ کار کے روئی پر موسم کے بارے میں پشین  
گوئیاں سن رہا تھا۔ اس وقت اس میک اپ میں تھا جس میں برناڑ سے مذہبیز ہوئی تھی۔۔۔ دفتا  
جہنی ٹرانس میٹر پر اشارہ موصول ہوا۔ اس نے ہائی ہاتھ سے ٹرانس میٹر نکالا۔ جس سے آواز  
اگری تھی۔ ”بیلو..... ایکسو..... صدیقی کانگ! بیلو ایکس ٹو..... صدیقی کانگ۔“

اوہر وہ اپنے کمرے میں بچھی تھی۔ پیکٹ کھولا تو ایک شیشی بر آمد ہوئی جس میں سیاہ رنگ کا  
گاڑھا سیال بھرا ہوا تھا۔ شیشی کے ساتھ ہی ایک پرچہ بھی تھا جس پر تحریر تھا۔ ”چس کا  
ایکسر یکٹ... سگریٹ پر اس کی ایک لکیر کھینچو اور لف اٹھاؤ۔ جزو رسی سے کام لیا تو نامعلوم امداد  
کے لئے کافی ہو گا!“

لیکن اس نے تو شائد فون پر ایک ہنگی بات کی تھی۔ پھر یہ اتنے دنوں کا انظام کیے کر دیا  
وہ سوچتی رہی۔ ساتھ ہی پرچے والی ہدایت پر عمل بھی جاری تھا۔

سگریٹ کے پہلے ہی کش نے آنکھیں روشن کر دیں اور اس کا دل نادر سلمانی کے لئے  
ہمدردی کے جذبے سے لبریز ہو گیا۔ لیکن وہ سگریٹ ہاتھ میں لئے ہوئے اس کے قریب نہیں  
جانا چاہتی تھی۔ اب اسے یاد آ رہا تھا کہ کتنے زور سے اس نے اس کا گلا دبایا تھا اور پیٹ پر گھٹانا را  
تھا۔ سگریٹ کے اوھیا جانے پر وہ فولادی چنان یاد آئی جسے وہ کوبرا کے نام سے جانتی تھی۔ سارے  
جسم میں لہریں دوڑ گئیں۔ نشہ دو چند ہوتا محسوس ہوا۔

لیکن .... لیکن .... وہ پھر پلانکیوں نہیں؟ یہاں جو کچھ بھی ہوا تھا اس میں اس کا تو کوئی  
قصور نہیں تھا۔! پھر وہ کیوں نہیں آیا کوئی فون کاں بھی نہیں آئی۔

کیا اب وہ نہیں آئے گا۔ اوہ اس کے ہاتھوں تو مرنا بھی گوارا ہو گا.... وہ چنان وہ کوہ  
گراں .... آخر وہ اس پری سلمانی کو کیسے بروادشت کر رہی ہے.... اسے انگلینڈ یاد آگیا۔ وہ مفلسی  
کی زندگی بس رکر رہی تھی۔ کبھی کبھی چھوٹی موٹی چوریاں کرتی۔ ایک بار ایک بزرگ اسٹرپر ہاتھ  
صاف کر رہی تھی کہ پکڑی گئی۔ پولیس کے حوالے کی جانے والی تھی کہ وہاں نادر سلمانی بیچ گا۔  
خاصی بڑی رقم دے کر اس نے اس کی جان چھڑائی تھی۔ اور پھر دونوں ایک دوسرے سے ملنے  
لگے تھے۔ وہ اس کی مالی امداد بھی کرتا تھا۔ اور پھر ایک دن سلمانی نے شادی کی تجویز پیش کر دی  
تھی.... کاش وہ مفلس نہ ہوتی۔ اب اسے محسوس ہوتا تھا کہ وہ محبت نہ تھی۔ وہ اس کی مالی  
ضوریات پوری کرتا اور وہ اسے ذہنی اور جسمانی سکون پہنچاتی تھی۔ حقیقتاً اس سے زیادہ نہیں  
تھی۔ لیکن وہ اسے محبت سمجھ بیٹھی تھی۔ نادانی.... ناچنستہ کاری.... یہ تواب سمجھ میں آیا تھا۔ ہے  
چارہ سلمانی....! بے چارہ اور بے لس.... اس وقت تو اس نے بہت ہی بے دردی کا مظاہرہ کیا  
تھا۔ کس زور سے گھٹنا اس کے پیٹ پر مارا تھا۔ چل کر اس سے کم از کم اظہار افسوس تو کر ہی دیبا

”اکیس ٹو....!“ عمران غریا۔  
”وہ اس وقت کرہ نمبر دوسو گیارہ میں موجود ہے!“ ٹرائیس میٹر سے آواز آئی۔  
”تمہیں بیفین ہے!“

”آپ کے بتائے ہوئے ہیں والا آدمی ہے! کرہ نمبر دوسو گیارہ پچھلے دو ماہ سے ایک ہی آدمی  
کے قبضے میں ہے رجسٹر میں اس کا نام عبدالشکور درج ہے!“  
”قد آور ہی... اور دیسی....!“ عمران نے پوچھا۔  
”جی ہاں.... یہی معلوم ہوا ہے!“  
”تمہارے ساتھ اور کون ہے!“  
”دو اور ہیں۔ وہ دونوں کمرے کی گمراہی کر رہے ہیں اور میں عمارت کے باہر سے آپ سے  
خاطب ہوں!“

”ٹھیک ہے.... وہیں تھہر دو.... نہماں سے مشاہدہ رکھنے والا آدمی وہاں پہنچ رہا ہے۔ اس  
طرح تم چار ہو جاؤ گے۔ اس کے مشورے پر عمل کرنا!“  
”بہت بہتر جناب....!“  
”اور اینڈ آل“ کہہ کر عمران نے ٹرائیس میٹر جیب میں ڈال لیا۔ تو وہ اب بھی کافی نیشنل  
کے اسی کمرے میں ڈٹا ہوا ہے جہاں ٹھیمانے آخری بار اس سے ملاقات کی تھی۔ عمران نے سچا  
اور یہ یو کا سوچ آف کر کے گاڑی کی رفتار پڑھادی۔  
کافی نیشنل کے لان ہی پر لیفٹینٹ صدیقی سے ملاقات ہوئی۔ اور نہماں سے مشاہدہ کیا  
پروہ اسے پہچان گیا تھا۔

”چوہاں اور تنویر کمرے کی گمراہی کر رہے ہیں!“ اس نے اطلاع دی۔  
”کہاں سے!“  
”کمرے کے آس پاس ہی ہیں!“  
”کمرہ کس منزل پر ہے۔“  
”پانچ بیس منزل پر۔“  
”اس کا یہ مطلب ہوا کہ گھیرے جانے پر کھڑکی سے چھلانگ بھی لگائے گا!“

”دیر نہ کیجھ بچلے!“  
”ہاں چلوں!“  
”جہاں سے گھر تاہے!“  
”پہلے میں پھویشن دیکھوں گا!“ عمران نے کہا۔ اور وہ عمارت کی طرف مڑے ہی تھے کہ  
خورد کھائی دیا۔ بڑی تیزی سے انہی کی طرف بڑھا آرہا تھا۔  
”کمال کر دیا۔“ وہ قریب پہنچ کر ہانپتا ہوا بولا۔ ”وہ تو کوئی مولوی یا صوفی ہے۔ اکہیں جانے  
کے لئے کمرے سے نکلا ہے!“  
”صوفی یا مولوی عبدالشکور!“ عمران کر لے۔ ”کیوں میاں تم سے کس نے کہا تھا کہ وہ ہی ہے!“  
”بہیڈ ویٹر نے بتایا تھا۔ وہ ایک سفید فام غیر ملکی ہے!“ صدیقی بولا۔  
”اُسے تو ہر بڑے بالوں اور ڈاڑھی والا ہی ہی لگے گا!“  
”وہ دیکھو.... وہ رہا!“ تنویر نے باسیں جانب دیکھ کر کہا۔  
جس کی طرف اشارہ کیا گیا تھا بلاشبہ ایک قد آور اور جسم آدمی تھا۔ گھنی ڈاڑھی بھی تھی  
لبے بے بال بھی تھے۔ لیکن بالوں پر عالمہ بر احتجان تھا۔ اخشور پر شیر وانی تھی۔ اور شیر وانی پر سیاہ  
ریشم کی عبا۔۔۔ شاہانہ انداز میں چلتا ہوا ایک بُی سی سفید کار کی طرف بڑھ رہا تھا۔ پھر چوہاں بھی  
(کھاں) دیا۔ جو اس کے پیچھے آیا تھا۔  
”کچھ بھی ہو....۔ میں تو تعاقب کروں گا!“ عمران پار کنگ پلاٹ کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ ان  
نیوں کے پاس موڑ سائیکلیں تھیں۔  
”ہم بھی آرہے ہیں....!“ صدیقی نے کہا۔

عبدالشکور کا تعاقب شروع ہو گیا تھا۔ ان کی موڑ سائیکلیں عمران کی گاڑی کے پیچے تھیں۔!  
خوردی ہی دیر بعد عمران نے اندازہ کر لیا کہ اگلی کار والے کو تعاقب کا احساس ہو گیا ہے۔ کیونکہ  
اس نے شہر کی مختلف سڑکوں کے یونہی بے مقصد پھیرے شروع کر دیئے تھے۔ ایسا کرنے کے  
دوران میں شاہکرد کسی فیصلے پر پہنچنے کی کوشش کرتا رہا تھا۔  
اور پھر اس نے اپنی راہ عمل مستین کر لی تھی۔ کیونکہ اس کی گاڑی اب ادھر ادھر سڑکوں پر  
ٹرکیں رہی تھی۔ کچھ دیر بعد عمران کو ہنسی آگئی۔۔۔ یہ تعاقب نہیں بلکہ تعاقب کرنے والوں کا

عمران حلچاڑ کر چینجا! "کیا ہوا۔! کیا بات ہے۔!"  
"تھویر....!" یہ چوبہاں کی آواز تھی۔

عمران آواز کی سمت پکا۔ لیکن گھرے دھوئیں کی وجہ سے کچھ بھائی نہیں دیتا تھا۔  
"تھویر....!" یہ صدیقی کی آواز تھی.... مولوی یا صوفی عبدالشکور دو عدد دستی بم پھیک کر  
ٹاف لکھ گیا تھا.... بدقت تمام.... عمران ان دونوں ٹک سپنچ سکا۔ لیکن تھویر! تھویر کہاں  
تھا.... ایک موڑسا نیکل کے انجن کی آواز بھی سنائے میں گونج رہی تھی۔ وہ تینوں آواز کی سمت  
دوزپڑے....! اور پھر انہیں ایک جگہ تھویر کی موڑسا نیکل پڑی دکھائی دی جس کا انجن بند نہیں  
ہوا تھا.... تھویر اس کے نیچے تھا۔ عمران نے جیب سے پنسل ثارچ نکالی۔  
تھویر کی سانیں چل رہی تھی لیکن پورا جسم لمبہاں تھا۔ بہت اختیاط سے اسے موڑسا نیکل  
کے نیچے سے نکلا گیا۔ وہ خاموش تھے۔ اور تھویر کی موڑسا نیکل چینے جا رہی تھی۔

جلوس تھا۔ جلدی میں عمران ان تینوں سے کہہ نہیں سکا تھا کہ وہ اپنی موڑسا نیکلیں استعمال کرنے  
کی بجائے اسی کی گاڑی میں آجائیں۔

سورج غروب ہو چکا تھا۔ لیکن اتنا اندر ہیرا نہیں تھا کہ وہ عقب نما آئینے میں ان تینوں کو نہ  
دیکھ سکتا۔ جولاں بنائے ہوئے اس کی گاڑی کے پیچھے چلے آرہے تھے۔ کئی بار اس نے کھڑکی سے  
ہاتھ نکال کر انہیں آگے بڑھنے کا بھی اشارہ کیا تھا۔ لیکن یا تو وہ سمجھے نہیں تھے یا اس کی طرف ان  
کی توجہ ہی نہیں تھی.... وہ چاہتا تھا کہ ان میں سے کوئی آگے نکل آئے اور اگلی گاڑی کی راہ میں  
رکاڈ بنتے کی کوشش کرے۔ لیکن ایسا نہ ہوا۔

اگلی گاڑی بندرگاہ کے علاقے کی طرف جانے والی سڑک پر ہوئی تھی۔ یہاں نسبتاً زیاد کم تھا  
اور پھر اچانک اگلی گاڑی اس میدان میں مڑ گئی جہاں ہر یک پولیس کا عملہ زیر تربیت  
ڈرائیوروں کا امتحان لیتا تھا۔ خاصاً وسیع میدان تھا جو اس سڑک کے کنارے سے ساحلِ سمندر  
تک پھیلا ہوا تھا....! قطعی غیر موقع حرکت تھی۔ جب عمران گڑ بڑا گیا تھا تو ان تینوں کا کیا عامل  
ہوا ہو گا.... غیر ارادی طور پر عمران نے بھی ادھر ہی اسٹریگ گھادیئ۔ اگلی گاڑی میدان میں از  
کر طوفانی رفتار سے ساحل کی طرف بھاگی تھی۔ یہاں موڑسا نیکلوں کی منظم دوڑ بھی بے  
تر تینی کا شکار ہو گئی۔ بالکل ایسا ہی لگتا تھا جیسے جنگلی کتوں نے کسی خرگوش کو دوڑالیا ہو۔

عمران ابھی فیصلہ نہیں کر سکا تھا کہ اگلا قدم کیا ہونا چاہئے کہ اچانک اگلی گاڑی اسکی طرف  
پلٹ پڑی.... ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے بھرپور نکر رسید کرنے کے لئے پڑی ہو.... موڑسا نیکلیں  
تتر بتر تو پہلے ہی سے تھیں اس غیر موقع پھوٹش نے انہیں اور زیادہ گڑ بڑا کر رکھ دیا۔ عمران  
نے بڑی صفائی سے سفید گاڑی کی نکر سے اپنی گاڑی کو بچایا تھا۔ لیکن پھر سنبھلنے بھی نہ پہلا تھا کہ  
ایک زبردست دھماکہ ہوا.... اسکی گاڑی اچھل سی پڑی تھی۔ پورے بریک لگائے اور انہیں  
آف کر کے گاڑی سے باہر چھلانگ لگائی تھی تھوڑے ہی فاصلے پر دھوئیں کا کٹیش بادل اٹھ رہا  
تھا.... اور وہ کسی کی چینیں ہی تھیں جو دوسرے دھماکے میں گھٹ کر رہ گئی تھیں.... ایک بھگ  
سے اور دھوئیں کا چیم مر غولہ اٹھا تھا۔

عمران ایک ایک کو آوازیں دیتا رہا۔ پھر یہک وقت دو آوازوں نے پکارا تھا۔

"تھویر.... تھویر....!" لیکن سنائے میں صرف موڑسا نیکل کا شور گونجا رہا۔

## پیشہ

”بیچارہ شہزاد“ حاضر ہے! اس کہانی کے سلسلے میں بے شمار تجاویز موصول ہوئی تھیں۔ کسی نے لکھا تھا علامہ مظلوم ہے اس لئے مصف کا فرض ہے کہ اسے کسی غیر ملک کی طرف فرار ہو جانے میں مدد دے۔ کوئی رقم طراز ہے کہ ایسے کسی موضوع پر قلم ہی اٹھانے کی کیا ضرورت تھی... غرضیکہ جتنے منہ اتنی باتیں۔ سوال یہ ہے کہ میں اس موضوع پر قلم کیوں نہ اٹھاتا۔

عالم بالا سے پلاٹ نہیں سکتے اسی زمین پر جنم لیتے ہیں اور زمین پر جو کچھ ہوتا ہے اسی سے متعلق لکھوں گا۔ کسی جاگیر دار کے مظالم کی داستان سن کر یہ پلاٹ ترتیب دیا تھا... اس قسم کے مظالم کا انجم کیا ہو سکتا ہے۔ علامہ دہشت اُس کی ایک ممکنہ صورت ہے۔ ہر چند کہ جاگیر دار کے جرم اور قانون کے مخالفوں کی چشم پوشی نے اسے ایک بہت بڑا مجرم بنادیا تھا۔ لیکن قانون بہر حال اپنی جگہ پر اٹل ہے! ... مجرم کو سزا ضرور ملے گی خواہ دوسروں کے لئے وہ کتنا ہی قابل واحم کیوں نہ ہو...! فلمی انداز میں نہ سوچئے کہ ”نج صاحب! یہ مجرم نہیں ہے بلکہ وہ معاشرہ مجرم ہے جس میں اس نے جنم لیا ہے...!“

## بیچارہ شہزاد

(تیسرا حصہ)

بیچارے فلمی نج صاحب کو توفیق نہیں ہوتی کہ وہ کیل صاحب سے پوچھیں ”کیا یہ معاشرہ آسمان سے پٹکا ہے۔“

تو میرے بھائی! آخر ہم جذبہ انتقام کی تہذیب کیوں نہیں کرتے۔ ہم ایک ایسا معاشرہ کیوں نہیں تشکیل دیتے جس میں ہرم خانوں کے لئے کوئی گنجائش نہ ہو! آخر فلمی قسم کے ہوائی قلعے کب تک.. بیچارے علامہ کافرار ہوائی قلعے سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتا.. اور نہ فلمی قسم کے ڈائیلاگ ”جاگیر دار“ کے مظالم سے نجات دلا سکتے ہیں۔ کہانی کے اختتام پر ہنسنے ہسانے کا موڑ ختم ہو چکا ہے کیونکہ علامہ کے انجام پر میں بھی دکھی ہوں، آپ بھی اگر پیش رس پڑھ کر مسکرا نہیں سکے تو کہانی ختم کرنے کے بعد آپ کو اس پر افسوس نہیں ہو گا۔ مجھے یقین ہے۔!

احمد پور شرقیہ سے ایک بھتیجے نے کسی اخبار کا تراشہ بھیجا ہے جس میں ”لحہ ب لحہ“ کے نام سے فریدی اور حمید کی پیر وڈی کی گئی ہے! انہوں نے پوچھا ہے کہ یہ کیا چیز ہے؟ اسے خاکہ اڑانا کہتے ہیں بھتیجے! لیکن مجھے افسوس ہے کہ پیر وڈی لکھنے والے میں مھکڑپن بھی پیدا ہو گیا ہے۔ انہیں چاہئے کہ پیر وڈی لکھنے کے لئے اردو میں شفیق الرحمن اور انگریزی میں اسٹیفن لیکاک کو پڑھیں۔ (اپنی لکھی ہوئی پیر وڈیز کی بھی سفارش کر سکتا ہوں) انشاء اللہ انہیں پیر وڈی لکھنے کا سلیقہ ہو جائے گا۔

ابن صفحہ

۱۹۷۶ء اپریل ۲۵

شائد قصبه جہریام کی تاریخ میں پہلا واقعہ تھا کہ کسی سفید قام خاتون نے اُس کی حدود میں قدم رکھا تھا۔ جولیا ناٹھر وائز جدھر سے بھی گذرتی تماشہ بن جاتی... ہر چند کہ فرمانہ جاوید اُسے پسند نہیں کرتی تھی۔ لیکن میاں تو قیر محمد کے مشورے کے مطابق اس نے اپنی ایک طالبہ جولیا کے حوالے کر دی تھی تاکہ وہ اُس کے لئے مترجم کے فرائض انجام دیتی رہے۔ اس لڑکی کا نام سارہ تھا۔ شوخ و چپل اور اسلامت تھی۔ زبان رکنے کا نام نہیں لیتی تھی۔  
دونوں ناشتہ کر کے نکل جاتیں اور لٹپٹ کے وقت تک مقامی عورتوں سے گفتگو کرتی پھر تیں۔

میاں تو قیر محمد کی مہماں ہونے کی وجہ سے قبیلے کے اہمیاتی قدامت پسند گرانوں میں بھی اُن کا گذر ہو گیا تھا۔ ورنہ یہاں تو ایسے افراد بھی موجود تھے جو بے پرده خواتین سے اپنی خواتین کا پردہ کراتے تھے۔ قبیلے کی مکین عورتوں سے بھی اُن کا پردہ تھا۔

بہر حال! میاں تو قیر محمد کے مہماںوں کو اپنا کام جاری رکھنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی تھی۔

پچھلے دونوں فرمانہ جاوید تھکن کا بہانہ کر کے جو یہی سے باہر نہیں لگی تھی۔ میاں صاحب کو تو اُس نے یہ بتایا تھا کہ اُسے کسی قدر بخار رہنے لگا ہے۔ لیکن بھی امداد یعنی پر آمادہ نہیں ہوئی تھی۔

”نہیں جتاب! میں اپنا علاج خود ہی کر لیتی ہوں.... اگر ڈاکٹروں کے چکر میں پڑیے تو سلسلہ طویل ہو جاتا ہے!“ اُس نے کہا تھا۔

”مگر یہ تو اچھا نہیں معلوم ہوتا۔“ میاں صاحب بولے۔

”فکر نہ کجھے.... بس تھوڑے آرام سے ٹھیک ہو جاؤں گی۔“

”مجھے تو کل سے پریشانی ہے۔“

”کس بات کی...!“  
”یعنی کہ آپ کی صحت!“  
”آپ تو پورے قبے کے لئے پریشان رہتے ہیں۔“ وہ مسکرائی تھی۔  
”وہ.... تو ہے لیکن...!“  
”لیکن کیا...!“ وہ شم و آنکھوں سے انہیں دیکھتی ہوئی بولی۔

”آپ مہماں ہیں نا...!“ میاں صاحب گزبر اک جلدی سے بول پڑے۔  
فرحانہ نے خاموش ہو کر آنکھیں بند کر لیں وہ ایک آرام کر سی پر شم دراز تھی۔ چہرے سے  
اضھالاں ظاہر ہو رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ ”کچھ لوگ بڑے بد نصیب  
ہوتے ہیں۔“

”جی!“ میاں صاحب چونک پڑے۔

”جی ہاں!“ فرحانہ نے آنکھیں کھول دیں اور ان کی طرف دیکھے بغیر بولی۔  
”یہ درست ہے۔ کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کیلئے کوئی پریشان ہونے والا بھی نہیں ہوتا۔“

”کم... میں نہیں سمجھا!“

”کم از کم میرے لئے کوئی پریشان ہونے والا نہیں ہے۔!“

”مجھے بے حد افسوس ہے... کیا آپ کے خاندان والے...!“

”آپ سے زیادہ بُرے دن دیکھے ہیں میں نے... آپ کم از کم یہ تو جانتے ہیں کہ آپ کون  
ہیں!“

”اوہ.... مجھے... افسوس ہے۔!“ میاں صاحب کوان کے علاوہ اور کوئی الفاظ نہ مل سکے۔  
”اس کی ضرورت نہیں۔“ وہ ہاتھ اٹھا کر بولی۔ ”جذبات سے خالی الفاظ سنتے سنتے کان کے  
گئے ہیں!“

”اوہ“ میاں صاحب نرود ہو گئے تھے۔

کچھ دیر خاموشی رہی تھی۔ پھر فرحانہ نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا تھا ”مجھے شر مندگی ہے!  
میں جذباتی ہو گئی تھی۔ مجھے معاف کر دیجئے! آپ بہت ہمدرد اور نیک آدمی ہیں!“

”مجھے شر مندہ نہ کیجئے!“

”حقیقت عرض کر رہی ہوں.... نہ جانے کیوں.... آپ کی موجودگی میں۔!“ وہ جملہ پورا  
کئے بغیر خاموش ہو گئی۔ میاں صاحب استفہما یہ نظر وہ سے اُس کی طرف دیکھتے رہے۔  
”میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کیا کہنا چاہتی ہوں!“ وہ تھوڑی دیر بعد الجھ کر بولی۔  
”بے تکلفی سے کہہ دیجئے....!“

”اس احساس کو الفاظ کا جامہ پہنانے سے قاصر ہوں!“

میاں صاحب کی آنکھوں میں عجیب سے تاثرات پائے جاتے تھے.... ایسا لگتا تھا جیسے بزبان  
ناموشی گھکھیار ہے ہوں۔ ”تمہیں میری قسم ہے کہہ دو.... جو کچھ کہنا چاہتی ہو۔!“  
لیکن فرحانہ نے پھر خاموش ہو کر آنکھیں بند کر لی تھیں۔ میاں صاحب کی سمجھ میں نہیں  
آرہا تھا کہ اب انہیں کیا کہنا چاہئے! کچھ نہ کچھ تو کہنا ہی تھا۔

بدقت ہکلائے.... ”ور.... دراصل.... میں یہ سوچ رہا تھا.... کہ شائد میں کچھ مدد  
کر سکوں.... مطلب یہ کہ آپ کے افراد خانہ کو ڈھونڈنے میں مدد دے سکوں۔“

”افراد خاندان.... ہونہے.... کیا میں نے ابھی یہ نہیں کہا تھا.... کم از کم آپ یہ تو جانتے  
ہیں کہ آپ کون ہیں!“

”مم.... میں نہیں سمجھا!“

”کریم پور کے اُس تباہ گن زوالے کے بارے میں تو آپ نے مٹا ہی ہو گا جس نے پورے  
شہر کو کھنڈر بنا دیا تھا!“

”جی ہاں! میرے بچپن کی بات ہے۔“

”وہیں.... ایک کھنڈر میں روئی پائی گئی تھی.... پیغم خانے کے ریکارڈ کے مطابق میری عمر  
”وہاں سے زیادہ نہیں تھی.... کوئی نہیں جانتا کہ میرے والدین کون تھے.... اُس کھنڈر کے  
آس پاس کوئی ایسا فرد نہیں مل سکتا تھا جو میری شاخت کر سکتا!“

میاں صاحب کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے تھے۔ فرحانہ اُن کیطرف نہیں دیکھ رہی تھی۔  
انہوں نے موقع غنیمت جان کر جلدی سے اپنی آنکھیں خٹک کیں اور بھرائی ہوئی آواز میں  
بولے۔ ”آپ کے حالات سن کر گھر احمدہ پہنچا ہے۔ آپ کے غم کے سامنے میرا غم تو کچھ بھی  
نہیں ہے!“

کی عورتوں کی تعریف سن کر..... وہ بھی ایک غیر ملکی عورت کی زبانی جو خود ان کے خیال کے مطابق رہنی سے تاریکی میں چلی آئی تھی۔

”تو آپ کا یہ خیال ہے کہ یہ عورت میں سوجھ بوجھ بھی رکھتی ہیں۔“ انہوں نے پُر مرست لجھے میں سوال کیا۔

”صدیوں کے تجربات کا نجٹھ ہے۔ ان کے پاس! البتہ وہ اُس کا تجربہ نہیں کر سکتیں۔ ہم تجربہ کر سکتے ہیں لیکن خود کو اس کی افادیت سے محروم کر پکے ہیں۔“

”آپ بڑی عجیب باتیں کر رہی ہیں!“

”آج کے آدمی کے پاس باتوں کے علاوہ اور رہائی کیا ہے۔!“ فرحانہ نے طنزیہ لجھے میں کہا۔  
”تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔“ جولیا بولی۔

”لیکن بات تھی آپ کے کچھ لکھنے یانہ لکھنے کی!“ میاں صاحب نے کہا۔

”بہت سوچ کبھی کر قلم اٹھانا پڑے گا!“

”ہر حال آپ لکھیں گی!“

”ظاہر ہے۔!“

”اتنی باتیں تو محض باتوں کی خاطر ہوئی تھیں!“ فرحانہ نے چٹکلی۔

”مجھے اس سے انکار نہیں ہے مس جاوید۔“ جولیا نہیں کر بولی۔ ”میاں تو قیر باتیں سختے ہوئے بہت اچھے لگتے ہیں۔“

میاں تو قیر کے کانوں کی لویں سڑخ ہو گئیں اور وہ چھت کی طرف دیکھنے لگے۔

”کیا آپ خدا سے کچھ پوچھ رہے ہیں!“ فرحانہ ہنس کر بولی۔

اور میاں صاحب کھیانی سی ٹھیکی کے ساتھ اُس کی طرف متوجہ ہو گئے۔

”میرا خیال ہے کہ اب لج کر لینا چاہئے۔!“ انہوں نے کسی قدر پچکچاہت کے ساتھ کہا۔

”ابھی دوسرا لڑکیاں نہیں آئیں!“

”اوہ..... یہ تو میں بھول ہی گیا تھا۔“ وہ جلدی سے بولے۔ ”لیکن آپ نے ناشتے میں صرف لیک کپ چائے پی تھی۔!“

ذرائع دیر میں وہ بھی پہنچ گئی تھیں.... اور لیٹھ کے لئے میز لگادی گئی تھی۔

فرحانہ مزید کچھ کہنے والی تھی کہ لاکیوں کے ہٹنے کی آواز آئی۔ شائد وہ سب واپس آگئی تھیں۔ وہ سید ہی ہو کر بیٹھ گئی۔ لیکن آنے والیاں صرف جولیا اور فائزہ تھیں۔

”ہلو۔“ جولیا میاں صاحب سے مخاطب ہو کر چکل۔

وہ اٹھ گئے تھے اور انہوں نے پچکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اُس کا استقبال کیا تھا۔

”تمہارا کیا حال ہے۔!“ جولیا نے فرحانہ سے پوچھا۔

”تھکن اور بہکا سانپر پیچر۔!“

”مجھے تو یہاں کی آب و ہوابے حد راس آئی ہے۔!“ جولیا نے میاں صاحب کی طرف دیکھ کر کہا۔ ”جناب! آپ جنت میں رہتے ہیں۔!“

”شکر یہ۔“

جو لیا وہیں بیٹھ گئی تھی اور سائزہ دوسرے کمرے میں چلی گئی تھی۔

”آج کتنا کام کیا آپ نے۔“ میاں صاحب نے جولیا سے پوچھا۔

”کام.... بھلا اتنے پیارے لوگوں میں کام ہو سکتا ہے۔ سارا وقت تو باتوں میں گذر جاتا ہے۔ کتنی اچھی عورتیں ہیں۔ کتنی پُر خلوص۔ کاش! میں آپ کی زبان جانتی ہوتی اور ان سے براء راست گفتگو کر سکتی۔!“

”میں تو بھی تکہی نہیں سمجھ سکی کہ تم کتنا کیا چاہتی ہو۔!“ فرحانہ بولی۔

”میں خود بھی نہیں جانتی کہ میں کیا کرنا چاہتی ہوں۔!“

”کیا بات ہوئی۔“

”آخر میں کیا لکھوں گی، کس طرح لکھوں گی۔!“

”یہ تو پہلے ہی سوچنا چاہئے تھا۔!“

”میں نااہلی کی بات نہیں کر رہی.....! میری سمجھ میں نہیں آتا کہ بات کہاں سے شروع کروں.... رہن کرن اور رسم درواج پر لکھوں..... یا آدمی کی معصومیت کو مرکزی خیال بنا کر کوئی کہانی لکھ ڈالوں۔ میں آدمی کے مستقبل سے مایوس ہو گئی تھی۔ لیکن یہاں کی ان عورتوں سے مل کر بڑی ڈھارس بند ہی ہے۔ جن پر ابھی تک باہر کے نظریات حملہ آور نہیں ہوئے ہیں۔“

فرحانہ نے برا سامنہ بنا لیا تھا لیکن کچھ بولی نہیں تھی۔ میاں صاحب کا چہرہ دیکھنے لگا تھا۔ قبے

کھانے کے دوران میں صرف لڑکیاں آپس میں گفتگو کرتی رہتی تھیں۔ یہ تیوں خاموش سے کھاتے رہے تھے۔

کھانے کے بعد میاں صاحب فرمان کے ساتھ اُسی کمرے میں واپس آگئے جہاں پکھ درین پیشہ رہے تھے۔ جو لیاپنے کمرے میں چل گئی تھی۔ وہ جب سے یہاں آئی تھی لیخ کے بعد قیطرہ کی عادی ہو گئی تھی۔ پہاں نہیں آب و ہوا کا اثر تھا اور کوئی وجہ تھی کہ کھانے کے بعد ہی پلکن نیز سے بو جمل ہونے لگتی تھیں۔

”اب آپ بھی آرام کیجئے۔“ میاں صاحب نے فرمان سے کھا تھا۔  
”یعنی آپ جانا چاہتے ہیں!“

”یہ بات نہیں.... میں تو آپ کے آرام....!“  
”میری فکر نہ کیجئے۔“ وہ بات کاٹ کر بولی۔ ”اب میری واپسی کو صرف تین دن رہ گئے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ وقت آپ کے ساتھ گزارنا چاہتی ہوں۔“  
میاں صاحب کی آنکھوں میں چک سی لہرائی تھی وہ کہتی رہی۔ ”جو لیاٹھیک کہہ رہی تھی کہ یہاں پہنچ کر اس کے نظریات میں تبدیلی ہوئی ہے۔ میں بھی کچھ ایسا ہی محسوس کر رہی ہوں۔“  
”میں نہیں سمجھا۔“

”مردوں سے مجھے نفرت تھی.... لیکن اب کم از کم ساری دنیا میں ایک مرد ایسا ضرور ہے جس سے میں نفرت نہیں کر سکتی۔“

میاں صاحب ہونتوں کی طرح اُس کی طرف دیکھتے رہے۔  
”ایسا مرد جس کے لئے میں اپنی جان تک دے سکتی ہوں۔“  
”اوہ.... گک.... کون ہے وہ!“ میاں صاحب ہکلائے۔  
”یہ آپ پوچھ رہے ہیں!“  
”نچ... جی....!“

”میں نہیں بتاتی....!“ وہ ان کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی مسکراتی۔  
میاں صاحب کی عجیب کیفیت تھی۔ چہرہ سرخ ہو گیا تھا اور پلکن بھکی پڑ رہی تھیں۔ کچھ کہ جا رہتے تھے۔ لیکن زبان ساتھ نہیں دے رہی تھی۔

”میری طرف دیکھئے!“

میاں صاحب نے کسی شر میلی لڑکی کے سے انداز میں پلکن اٹھائی تھیں۔

”میاں آپ کے ذل میں ذرا سی بھی جگہ بنا سکی ہوں!“

”م..... میں....!“ وہ صرف ہلاکر رہ گئے۔

”میں سمجھ گئی!“

میاں صاحب نے سوال یہ نظروں سے اُس کی طرف دیکھا۔

”آپ کو میری یہ بے تکلف پسند نہیں آئی۔“

”نچ.... جی.... ایسی کوئی بات نہیں!“

”اوہ.... تو اسکا یہ مطلب ہوا کہ آپ بھی میرے بارے میں سوچتے رہے ہیں!“

نہ جانے کیوں میاں صاحب خود کو اچاک پختہ محسوس کرنے لگے تھے۔ عجیب سی ذہنی کٹکش میں بچلا ہو کر انہوں نے بالآخر ہاتھ پیر ڈال دیئے۔ یعنی ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاپ اُنمڑا۔

”ارے.... ارے.... یہ کیا....!“ فرمان اٹھ کر ان کی طرف جھپٹی تھی۔

”یہ کیا ہوا!“

میاں صاحب دونوں ہاتھوں سے منہ چھپائے سکیوں اور ہیچکیوں کو روکنے کی کوشش کر رہے تھے۔

”خدا کے لئے چپ ہو جائے.... یہ آپ نے کیا شروع کر دیا.... کچھ بتائیے بھی تو....!“

میاں صاحب نے کچھ کہنے کی کوشش کی تھی لیکن آواز ایک طویل پچکی کی صورت اختیار کر گئی۔

فرمانہ بچ مجھ بوكھلا گئی تھی۔ اُس نے اٹھ کر دروازہ بند کر دیا تھا اور اب ان کے قریب ہی کھڑی تھر تھر کاپ رہی تھی۔ اُسے ڈر تھا کہ کہیں میاں صاحب کے رومنے کی آواز دوسروں تک نہ پہنچ جائے۔

پھر تو اُس نے انہیں وہیں چھوڑا تھا اور خود دروازہ کھول کر باہر نکل آئی تھی۔ یہاں کئی لڑکاں کھڑی نظر آئیں۔ شاید میاں صاحب کی طویل پچکی ان کے کانوں تک پہنچ گئی تھی۔

عمران نے اُسے جائے واردات سے ہٹا دینے میں بڑی پھر تی دکھائی تھی کیونکہ پولیس بے بہر نہیں چاہتا تھا۔ پولیس بعد میں پہنچی تھی اور اُسے وہاں دھماکوں کے اثرات اور خون بکے بھول کے علاوہ کچھ نہیں ملا تھا۔

صوفی عبد النکور صاف نکل گیا تھا.... اب تو عمران سوچ رہا تھا کہ اُس نے دیدہ دانتہ انہیں قاتب کی دعوت دی تھی اور مر عوب کرنے کی کوشش کرتا ہوا صاف نکلا تھا۔

اپنے اس خیال کی تصدیق کے لئے اُس نے فون پر تھیڈماس سے رابطہ قائم کرتا چاہا لیکن دوسری طرف صرف گھٹتی بھتی رہی۔ کسی نے دیر تک رسیور نہ اٹھایا۔

پھر گاؤں کے رجسٹریشن نمبر کے ذریعے مالک کا پتہ لگانے کی کوشش کی گئی تھی۔ مگر نتیجہ مزدیں نمبر جعلی ثابت ہوئے اور اُس میک کی سفید گاڑیاں شہر میں لا تقدار ہی ہوں گی۔

اُس نے ایک بار پھر تھیڈم کو فون کیا۔ دوسری طرف سے رابطہ قائم ہونے کی آواز کے ساتھ ایک مردانہ آواز سنائی دی تھی۔ اور یہ نادر سلمانی کے علاوہ اور کسی کی آواز نہیں ہو سکتی تھی۔ مصلحت عمران کسی امر لیکن عورت کے سے لبھے اور آواز میں بولا تھا ”تھیڈم سے ملاو۔“

”کون ہے....؟“ دوسری طرف سے پوچھا گیا۔

”روزال!“

”میں کسی روز اکو نہیں جانتا!“

”لیا تمہارا جانا ضروری ہے۔ تھیڈم کو بلاو۔“ عمران نے غصیلے لبھ میں کہا۔

”ہاں، میرا جانا ضروری ہے!“

”تم آخر ہو کون...؟“

”اُس کا شوہر!“

”اوہ مژر سلمانی.... ہاں! ہم کبھی نہیں ملے۔ تھیڈم تھمارا ذکر بڑے پیار سے کرتی ہے لیکن کچھ ملوایا نہیں!“

”اچھا... اچھا... وہ بیمار ہے.... سورہ ہی ہے!“

عمران نے طویل سانس لی اور مزید کچھ کہے بغیر سلسلہ منقطع کر دیا۔ پھر بلیک زرید کے نمبر دا انکل کئے تھے۔

”پپ... پتہ نہیں کیا بات ہے؟“ وہ احتجانہ انداز میں بولی۔  
”کیا ہوا.... مس....!“

”شش.... شامک.... انہیں اپا انک اپنے خاندان والے بدل آگئے ہیں!“

بچکیوں اور سکیوں کی آوازیں کھلے ہوئے دروازے سے ان تک برابر پہنچ رہی تھیں۔ پھر جو لیا بھی دکھائی دی۔ اور فرحانہ بالکل ہی بد حواس ہو گئی۔

”کیا ہوا.... کیا بات ہے!“ جو لیا نے پوچھا۔

”بب.... بس کیا ہتاوں!“ فرحانہ انک کر بولی۔ ”خود ہی اپنے خاندان والوں کا ذکر چھیڑا تھا اور خود ہی روئے گے!“

”اُوہ.... اچھا.... تو اب یہاں سے ہٹ جاؤ۔ انہیں تھا چھوڑ دو۔ کوئی بھی اُن کے سامنے نہ آئے۔ ورنہ انہیں شرمندگی ہو گی۔“

پھر جو لیا ان سکھوں کو اپنے کمرے میں سمیٹ لائی تھی۔

”قابلِ رحم حالت ہے!“ ایک لڑکی بولی۔

”ٹریجڈی ہی ایسی ہوئی تھی!“

”لیکن مجھے اس پر حیرت ہے کہ اُس وبا کے سلسلے میں حکومت نے کچھ نہیں کیا۔“ جو لیا نے کہا ”واقعی حیرت کی بات ہے! اس پر باقاعدہ طبی بورڈ بیٹھنا چاہئے تھا جو اسباب کا پتا لگاتا۔“

فرحانہ نے کہا۔

”بہر حال! وہ ایک بے حد و کھنی آدمی ہیں!“ جو لیا بولی۔ ”اضطراری طور پر روپڑے ہو گے۔“

بعد میں شرمندہ ہوں گے۔ لہذا اُن سے اس کے بارے میں کچھ نہ پوچھا جائے!“

”ظاہر ہے کہ یہی ہو گا۔“ فرحانہ نے کہا۔

تو یور کی حالت بہتر نہیں تھی۔ اُسے سائیکو میشن ہی کے میڈیکل وارڈ میں رکھا گیا تھا اور عمران ہی کے مکھے کے بہترین معانی اُس کی دیکھ بھال کر رہے تھے۔

”نہیلو۔“ بیک زیر و کی آواز آئی۔

”کیا خبر ہے؟“

”مگر انی بدستور جاری ہے۔ علامہ آج صحیح ۹ بجے صرف ایک گھنٹے کے لئے یونیورسٹی گلزار دس بجکر پچیس منٹ پر پھر گھر واپس آگیا تھا۔ اُس کے بعد سے ابھی تک دوبارہ باہر نہیں نکلا۔“

”یعنی گھر ہی میں موجود ہے...؟“

”جی ہاں...؟“

”کیا ثبوت ہے؟“

”میں نہیں سمجھا جتاب!“

”گھر میں موجودگی کا ثبوت مانگ رہا ہوں۔“

”باہر نہیں نکلا۔!“

”ہو سکتا ہے اس طرح نکلا ہو کہ تمہیں علم ہی نہ ہو سکا ہو۔“

”میک اپ میں وہ اپنی جامات نہیں چھپا سکتا۔!“

”کیا عمارت کے عقبی حصے کی بھی مگر انی کراہ ہے ہو۔؟“

”جی ہاں، نکاہی کے ہر دروازے کی!“

”اس کے باوجود بھی تم یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتے کہ وہ یونیورسٹی سے واپسی کے آئے میں قید تھا۔“

”مگر ہی پر رہا ہو۔“

”کیا مگر انی کرنے والوں کو وہ کسی کھڑکی یا دروازے سے نظر آتا رہا ہے... یا انہوں نے شہزادوں کا ملازم تھا۔ اور بظاہر اس تقریر کا مقصد یہی تھا کہ واحد علامہ پر نظر رکھ سکے۔ خود واحد نے بھی اس کا اعتراف کیا تھا۔ دوسری طرف شہزاد نے علامہ کے ان شکر دوں کے سلسلے میں اس سے سودا کرنا چاہا تھا۔ جو اس کی قید میں تھے۔ اور پھر وہ مارڈا لگایا تھا۔ آخر کیوں؟ کیا اس لئے اس نے کوئی غلط قدم اٹھایا تھا؟ پھر اگر وہ شہزاد کی گولی کا نشانہ بنتا تھا تو۔ شہزاد اور علامہ کے شکر دوں کے درمیان کسی قسم کا تعلق ہو سکتا ہے؟ اور یہ تعلق براہ راست ہے یا اس میں علامہ کے اس طبق کو بھی دخل ہے؟ یا سیمن کی موت کا ذمہ دار علامہ تھا یا شہزاد...؟“

”تفصیل کا علم مجھے نہیں ہے۔!“

”معلوم کر کے مجھے مطلع کرو۔“

”بہت بہتر جتاب۔“

”ریسیور رکھا ہی تھا کہ کسی نے دروازے پر دستک دی۔“

”کم اں۔“ عمران نے اوپر جو اواز میں کہا۔

”نہیں پر رکھ کر خاموشی سے واپس چلا گیا۔ عمران نے لفافہ اٹھایا۔

”کوئی روز میں جو لیا کا پیغام تھا۔ جسے ذی کوڈ کرنے بنیٹ گیا۔

”حالات تیزی سے آگے بڑھ رہے ہیں۔ مرد نے عورت کے سامنے روشنی شروع کر دیا ہے۔

”بر انسیاں ہے کہ وہ اسے بُری طرح الجھاچی ہے۔!“

”انتا مختصر سا پیغام۔“ عمران پر تفکر انداز میں بڑھایا تھا۔ ”مرد نے عورت کے سامنے روشنی

شروع کر دیا ہے۔ کیا بات ہوئی.... وہ تو پیدا ہوتے ہی روشنی شروع کر دیتا ہے عورت کے

ہاتھ.... ہشت....!“

”ذوں کی گھنٹی بُجی.... اور اُس نے ہاتھ بڑھا کر رسیور اٹھایا۔ بیک زیر و کی آواز تھی اور وہ کہہ

باغھ۔ ”نہیں جتاب.... بُس وہ گھر کے اندر گیا تھا.... پھر اب تک واپسی نہیں ہوئی۔ کسی

فرمکی، دروازے سے بھی نہیں دکھائی دیا۔ عمارت کی زیادہ تر کھڑکیاں روشن ہیں.... اور آج

اُنہوں سے ٹلنے بھی نہیں آیا۔!“

”مگر انی جاری رکھو۔!“

”بہت بہتر جتاب۔!“

”رسیور رکھی رہا تھا کہ اُسے علامہ کا ”بادر بُجی“ واجد یاد آیا۔ وہ بھی سائیکلو مینشن ہی کے

آئے میں قید تھا۔

”واجد.... آخر واجد کی اصل حیثیت کیا تھی۔! اُس کے اپنے بیان کے مطابق وہ شہزاد کا ملازم

تھا اور شہزاد ہی نے اُسے علامہ کے بادر بُجی کی حیثیت سے کام کرنے کا حکم دیا تھا۔ گویا وہ حقیقتاً

اُسے کپاؤٹن میں ٹھیک ہے دیکھا تھا۔“

”کیا مگر انی کرنے والوں کو وہ کسی کھڑکی یا دروازے سے نظر آتا رہا ہے.... یا انہوں نے

شہزادوں کا ملازم تھا۔ اور بظاہر اس تقریر کا مقصد یہی تھا کہ واحد علامہ پر نظر رکھ سکے۔ خود واحد

نے بھی اس کا اعتراف کیا تھا۔ دوسری طرف شہزاد نے علامہ کے ان شکر دوں کے سلسلے میں

اُس سے سودا کرنا چاہا تھا۔ جو اس کی قید میں تھے۔ اور پھر وہ مارڈا لگایا تھا۔ آخر کیوں؟ کیا اس لئے

اُس نے کوئی غلط قدم اٹھایا تھا؟ پھر اگر وہ شہزاد کی گولی کا نشانہ بنتا تھا تو۔ شہزاد اور علامہ کے

شکر دوں کے درمیان کسی قسم کا تعلق ہے؟ اور یہ تعلق براہ راست ہے یا اس میں علامہ

کے اس طبق کو بھی دخل ہے؟ یا سیمن کی موت کا ذمہ دار علامہ تھا یا شہزاد و...؟“

”سوچتا رہا۔ پھر دفعٹا اٹھا اور کمرے سے نکل آیا تھا۔ پہلے تویر کی خیریت دریافت کی اور

آپر شن روم کا ایک استثنیٰ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔ اُس کے ہاتھ میں ایک لفافہ

پھر اُس کرنے کی طرف چل پا جہاں بر نارڈ کو رکھا گیا تھا۔  
تویر کی وجہ سے سخت تشویش میں بٹتا ہو گیا تھا۔ ابھی تک اُس کی بیہو شی رفت نہیں ہوئی۔  
تھی۔ بہت زیادہ خون خانجہ ہو گیا تھا۔ سائیکو میشن کے ڈاکٹر اُس کی جان بچانے کے لئے ہر اگلے  
تدبیر کر رہے تھے۔

وہ بر نارڈ کرنے کے میں داخل ہوا جو ابھی سویا نہیں تھا۔ اُسے دیکھتے ہی ہڑبرا کر انہیں بیٹھا  
عمران نے اُسے بیٹھنے کا اشارہ کیا تھا۔  
”میں تمہارا شکر گزار ہوں....!“ بر نارڈ بھراں ہوئی آواز میں بولا۔ ”یہاں مجھے کوئی نکیز  
نہیں ہے!“

”آج اُس نے پھر میرے ایک آدمی کو شدید زخمی کر دیا ہے۔!  
کس نے۔؟“

”شہزاد کی بات کر رہا ہوں۔“ عمران اُسے گھورتا ہوا بولا۔

”بر او راست مکراو۔!“ بر نارڈ کے لجھ میں حیرت تھی۔

عمران نے سر کو جینش دی اور بدستور اُس کی آنکھوں میں دیکھا رہا۔

”کہاں اور کیسے....؟“

عمران نے پورا واقعہ دہرا دیا۔ بر نارڈ متکفر نظر آنے لگا تھا۔  
”خود ہی دیر بعد وہ بولا۔“ مجھے تو ایسا لگتا ہے جیسے اُس نے خود ہی تم لوگوں کو اپنے تعاب  
اکسیلا ہو۔!

”اب میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔“

”پورا واقعہ بتاؤ۔!“

عمران نے تھیلما کی کہانی شروع کر دی۔ بر نارڈ ہمہ تن توجہ بنا سنتا رہا۔ عمران کے نامہ  
ہونے پر بولا تھا۔ ”اگر وہ تھیلما سے کافی نینفل کے اُس کرنے میں ایک بار ملاقات کر لیئے کے۔  
بھی وہیں جما رہا تھا تو یقین کرد کہ وہ تمہارا ہی منتظر رہا ہوگا۔ اچھی طرح جانتا تھا کہ تم تھیلما  
سب اگلوالوں گے اور وہ آخری جائے ملاقات کا ذکر تم سے ضرور کرنے گی۔!  
”میں بھی اسی نتیجے پر پہنچا ہوں۔!  
”

”وہ بھیڑیا ہے۔ عمران صاحب۔!“

”میا تم شہزاد یونٹ کے واجد تھی کسی آدمی سے واقف ہو۔?“

”نہیں میرے لئے یہ نام نیا ہے۔ کوئی اہم آدمی نہ ہو گا۔!“

”شہزاد نے اُسے علامہ دہشت کی نگرانی پر مأمور کیا تھا۔ اور ایسے موقع فراہم کئے تھے کہ  
علامہ اُسے باور پی کی جیشیت سے اپنے یہاں ملازم رکھ لے۔“

”تم پہلے بھی علامہ دہشت کا ذکر کر چکے ہو۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ اُس کا ان لوگوں سے کیا  
تعلق ہو سکتا ہے۔“

”شہزاد اُس کا شاگرد رہ چکا ہے۔“

”اور بھی زیادہ حیرت کی بات ہے کہ وہ اپنے اسٹاڈ کی نگرانی کر رہا تھا۔“

”اس کے علاوہ واجد کی ایک ڈیوٹی اور بھی تھی۔... وہ ہر سپتھر کی شپ کو کسی سفید فام پی  
کووت کو پچانتا تھا اور اُسی بہت میں پہنچا دیتا تھا جس میں تم شہزادے گئے تھے۔“

”نہیں!“ بر نارڈ اچھل پڑا۔

”میں حقیقت بیان کر رہا ہوں۔!“

”اور میرے اُس بہت میں پہنچنے سے قبل ہی واجد تمہارے ہاتھ لگ گیا تھا۔!“

”یہ بھی حقیقت ہی ہے۔“

”خدا کی بناء۔۔۔ تو اُس نے تمہیں پہنانے کے لئے مجھے چارا بنا لیا تھا۔!“

”صحیح نتیجے پر پہنچے ہو تو تم۔!“ عمران سر بلکر بولا۔

”کیا واجد کو علم تھا کہ وہ ان عورتوں کو کس نے اُس بہت میں پہنچا تاہم ہے۔!“

”نہیں وہ اس سے لا علم ہے۔! اُس کا کام صرف اتنا تھا کہ عورتوں کوہت تک پہنچا کر واپس

ہو جائے اور یہ جانے کی کبھی کوشش نہ کرنے کہ اُس بہت میں کون رہتا ہے۔!  
”یہ بدلیات اُسے کس سے ملی تھیں؟“

”شہزاد اسے۔۔۔ اور وہ سپتھر ہی کادن تھا جب وہ ایک ہی عورت پر ڈورے ڈالتا ہوا میرے

ہاتھ لگا تھا۔ اس نے اُس رات کوئی عورت اُس بہت میں نہیں پہنچ سکی تھی۔!  
”بُک تو پھر شہزاد نے اندازہ لگایا ہو گا کہ کیا ہوا ہے۔!  
”

”مجھے اُس کی ذرہ برابر بھی فکر نہیں۔ میں توزیاہ تعلماں دہشت میں الجھا رہتا ہوں۔ میری بہانی اُسی سے شروع ہوئی تھی۔ یہ شہزادہ جانے کہاں سے آکوں!“

”لیکن ہم لوگ سوچ بھی نہیں سکتے کہ ہمارا کوئی تعلق یونیورسٹی کے کسی پروفیسر سے بھی ہو سکتا ہے۔ اولیے ایک بار پھر تمہیں آگاہ کرتا ہوں کہ شہزادہ کے ساتھ محتاط رہنا۔ اُسے کسی معلمے میں غافل نہ سمجھنا!“

”سوال تو یہ ہے کہ.....!“ عمران کچھ کہتے کہتے خاموش ہو گیا۔  
برتراؤ اُسے بغور دیکھے جا رہا تھا۔ لیکن کچھ بولا نہیں تھا۔ تھوڑی دیر بعد عمران اٹھتا ہوا بولا۔ ”دیکھا جائے گا!“

وہ پھر اُسی کمرے میں واپس آیا تھا۔ جو اُس کے لئے مخصوص تھا۔ پھر انداز میں فون کا رسیور اٹھایا اور بلیک زیرو کے نمبر ڈائل کرنے لگا۔  
دوسری طرف سے رسیور اٹھنے کی آواز سن کر بولا۔ ”بیلو، بلیک زیرو... بہت احتیاط سے یہ معلوم کرنے کی کوشش کرو کہ ایس پی راشد اور کشم کے ڈی سی راجن بھی علامہ کے شاگرد رہ پکے ہیں یا نہیں۔“

”بہت بہتر جتاب!“

”صحیح نکل رپورٹ دے سکتے ہو۔“ کہہ کر عمران نے سلسلہ مقتطع کر دیا۔



تمہیں اسٹرپر چت پڑی ہوئی تھی۔ آنکھیں کھلی ہوئی تھیں لیکن کچھ بھائی نہیں دیتا تھا...  
جاگ رہی تھی۔ پوری طرح ہوش میں تھی۔ آوازیں بھی سن رہی تھی۔ لیکن آنکھوں کو کیا ہو گیا تھا  
زور رنگ کا ایک بڑا سارو شن دائرہ تھا جو مسلسل آنکھوں کے سامنے گردش کئے جا رہا تھا  
صرف روشن دائرہ اور کچھ بھی نہیں۔ دونوں ہاتھ ادھر پھیلا کر اُس نے بستر کو ٹوٹا تھا اور زور زدہ  
سے چینچنے لگی تھی۔ پھر نادر سلمانی کا نام لے کر پکارا تھا۔  
”کیا بات ہے؟ کیوں چیخ رہی ہو؟“ اُس نے سلمانی کی آواز سنی۔

”ایسا ہی کچھ ہوا ہے ورنہ وہ تمہیں اُسی بہت میں ٹھہرا کر مجھے تمہاری راہ پر ڈالنے کی کوشش نہ کرتا!“

”لیکن تم ابھی تک اُس کے ہاتھ نہیں آکے.... اب میں تمہیں بتاتا ہوں کہ وہ بھی تم سے کسی قدر خائف معلوم ہوتا ہے۔ تم نے اُسے خاصی تشویش میں جتلہ کر دیا ہے۔ اودہ ٹھہرہ.... اب یاد آ رہا ہے.... اُس نے کسی واحد کاذک کیا تھا مجھ سے.... اور یہ بھی کہا تھا کہ واحد کو اس رات اُس کیلئے کوئی کام کرنا تھا لیکن وہ غائب ہو گیا۔ اور یہ شہبہ بھی ظاہر کیا تھا کہ کہیں وہ تمہارے ہاتھ نہ لگا ہو۔ کیا وہ گرین بیچ ہوٹ میں تمہارے ہاتھ لگتا تھا!“

”ہاں.... وہیں....!“

”اُسے اس کا بھی علم تھا کہ واحد ساز ہے بارہ بجے تک گرین بیچ ہوٹ میں دیکھا گیا تھا.... اوہ.... خدا یا.... کتنا شاطر ہے وہ!“

عمران کچھ نہ بولا۔

”اُس کے ہتھ کنڈوں سے تو شیطان بھی پناہ مانگتا ہو گا!“ برتراؤ نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ ”یا خیال ہے تمہارا.... میں کس طرح اُس کے قابو میں آیا ہوں گا۔ جبکہ میں خود بھی اپنا ذلتی ایک بلا بڑنس رکھتا تھا!“

”مجھے انداز ہے!“ عمران سر ہلا کر بولا۔ ”اُسی بڑے ذاتی بڑنس کی بنا پر ایک بارہ درجے گئے تھے اور پھر حیرت انگیز طور پر رہا ہو گئے تھے۔ باتِ عدالت تک نہیں پہنچ پائی تھی!“  
”اُسی مردوں نے گرفتار کرایا تھا۔ اور پھر رہائی بھی دلاتی تھی، اس طرح اپنا منون احسان ناک اُس نے اپنے کام کرنے پر آمادہ کیا تھا....! اور تمہیں حیرت ہو گی کہ ابھی ذمہ دار حضرات نے مجھے گرفتار کیا تھا جنہیں میں باقاعدگی سے بڑی بڑی رقوم ادا کر تارہ تھا!“

”سب کچھ ہے میری نظر میں.... سب جانتا ہوں!“

”لیکن افسوس.... شاید اُس پر ہاتھ نہ ڈال سکو۔ اُس کی جزا بہت گہرائی تک ہیں!“

”دیکھا جائے گا!“

”عمران جسے تم اُس کی ٹکست سمجھ رہے ہو کہیں وہ اُس کی حکمت عملی نہ ہو اور یہ دادا نے چھوٹ دے کر نکل جاتا ہو۔ اور درناصل ہو کسی خاص موقع کے انتظار میں!“

”سلمانی! میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گی۔“  
 ”سلمانی تو کب کا سرچکاڑا رنگ... یہ اُس کا بھوت ہے اور کسی بحوث کو مارڈالنا ناممکن!“  
 ”میں کہتی ہوں چلے جاؤ یہاں سے!“  
 ”پھر انہی کی لاٹھی کوں بنے گا۔ وہ فولادی ڈھانچے یا یہ حقیر پدی!“  
 ”میری آنکھیں... میری آنکھیں!“ وہ پھر نہیں اندراز میں چیخنے لگی۔  
 پھر چکرا کر گری تھی اور زدبارہ بیہوش ہو گئی تھی۔  
 سلمانی کے دانت نکل پڑے۔ عجیب سی وحشیانہ صرت اُسکی آنکھوں میں رقص کر رہی تھی۔  
 وہ بستر کے قریب ہی کھڑا اسے دیکھے جا رہا تھا... دفتارون کی گھنی بھی تھی۔  
 اُس نے چھٹ کر ریسیور اٹھایا۔  
 لیکن دوسرا طرف کی آواز سن کر اُس کی آنکھوں میں ماہی متریخ ہونے لگی تھی۔  
 ”کون ہے؟“ اُس نے بے دلی سے پوچھا۔  
 ”کیا سلمانی صاحب ہیں؟“  
 ”ہاں میں ہی بول رہا ہوں۔“  
 ”میں ہوں بیچارہ ذہنی مریض۔“  
 ”اوہ... کیا بات ہے؟“  
 ”کیا پوری بات اب بھی آپ کی سمجھ میں نہیں آئی۔“  
 ”کیا کہنا چاہتے ہو۔“  
 ”یہی کہ میں بھی اُسی مردود کا ستایا ہوا ہوں جس کے منہوس سائے نے آپ کی زندگی تلتھ کر رکھی ہے۔“  
 ”میں نہیں سمجھا تم کیا کہہ رہے ہو...؟“  
 ”کیا اُس کی کوئی کاں آئی تھی!“  
 ”کس کی کاں!“  
 ”وہ راکی!“  
 ”تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا!“

”میں کہاں ہوں... مجھے کیا ہو گیا ہے!“  
 ”تم اپنے بستر پر لیٹی ہو... لیکن میں کیا بتا سکوں گا کہ تمہیں کیا ہو گیا ہے!“  
 ”یہ کیسا روشن دائرہ ہے...“ تم کہاں ہو... مجھے نظر کیوں نہیں آرہے...!“  
 ”نہ یہاں کوئی روشن دائرہ ہے... اور نہ میں تمہاری نظروں سے او جھل ہوں۔ تم مجھے آنکھیں چھاڑ چھاڑ کر دیکھے جا رہی ہو!“  
 ”میری بینائی... میری بینائی!“ وہ حلق چھاڑ کر چھینی۔  
 ”ہائیں تو کیا انہی ہو گئی ہو!“  
 ”خاموش رہو...!“ وہ حلق چھاڑ کر دھاڑی تھی۔ ”مجھے یاد آگیا ہے میری گردان پر تم نے کوئی ورنی چیز ماری تھی!“  
 ”اور تم فورانی بیہوش ہو گئی تھیں!“ سلمانی چک کر بولا۔  
 ”مجھے کچھ نہیں دکھائی دیتا۔ میں تمہیں مارڈالوں گی!“  
 ”کو شش کرو...!“ وہ پیچھے ہٹتا ہوا بولا۔ ”اگر تم بیوی کے لئے انہی ہو گئی ہو تو مجھے بے حد خوشنی ہو گی!“  
 ”چپ رہو درندے!“  
 ”میں بیچارہ پدی...“ تم مجھے درندہ کہہ رہی ہو!“  
 ”خاموش رہو... میری آنکھیں... میری آنکھیں... میں عدالت کا دروازہ ٹکھٹاواں گی۔“  
 تمہاری ضرب سے میں انہی ہو گئی!“  
 ”نہیں چرس کے دھوکیں نے تمہارا یہ حشر کیا ہے۔ اب بلاو اُس منہوس ہی کو...  
 کوبرا... ہونہہ... عقریب اُس کا بھی یہی حشر ہو گا میرے ہاتھوں!“  
 ”چلے جاؤ... یہاں سے!“  
 ”فون نمبر بتاؤ اُس کا... اسے بھی خوش خبری سنادوں کہ اب تم اُس کے فولادی ڈھانچے کو نہیں دیکھ سکو گی!“  
 ”میں تمہیں مارڈالوں گی!“ وہ چکھاڑتی ہوئی اٹھ گئی۔  
 ”پڑی رہو چپ چاپ درندے یواروں سے ٹکرا کر مر جاؤ گی!“

”میری مراد اُس بھی سے ہے جسے آپ کی تیگم صاحبہ کو برائے نام سے جانتی ہیں۔“  
”تم ہو کون!“

”وہی جس کا کھیل آپ نے بگاڑ دیا تھا۔ آپ نے نہیں بلکہ آپ کی گاڑی نے۔“  
”اوہ... تو تم ہو!“  
”جی ہاں!“

”دو پھر کو اس کی کال آئی تھی!“  
”کیا کہہ رہا تھا!“

”مجھ سے کچھ بھی نہیں کہا تھا۔ تھیما سے بات کرنا چاہتا تھا!“  
”اوہ موجود نہیں تھیں۔“

”تیہی سمجھ لو!“  
”کچھ اندازہ ہے کہ کال کہاں سے آئی تھی!“

”نہیں... یہ تو معلوم ہی نہیں ہونے دیتا۔ میں تم سے ملا جا ہتا ہوں۔“  
”فی الحال ناممکن ہے... وہ بھی میری طرف سے غافل نہیں ہے!“

”ذہنی مرض کا کیا قصہ تھا!“  
”میرا ہی ایک آدمی تھا جو اُس کے ایک ٹھکانے کی نگرانی کر رہا تھا! موقع تھی کہ وہ خود ہی اُس کی خبر لینے ستانہ ہاؤز پہنچ گا۔ لیکن اُس نے اپنا ایک آدمی بھجوادیا تھا! ہبھر حال اب وہ آدمی زیر حرast ہے۔ لیکن وہ بھی اُس کے اصل ٹھکانے سے واقع نہیں ہے۔“

”لیکن میں ایک ایسی عورت کو جانتا ہوں جو شائد واقع ہو۔ لیکن اگر میں چاہوں کہ مجھے پیداے تو یہ ممکن نہ ہوگا!“

”آہ۔ مجھے بتاؤ... اگلوالینا میرا کام ہو گا!“  
”نورا بکر شی... آسریلین بوتیک کی الگ... بوتیک کے اوپر والے قلیٹ میں رہتی بھی ہے!“  
”عمارت کہاں ہے۔“ دوسرا طرف سے پوچھا گیا۔

”عامگیر روڈ پر شاہین بلڈنگ...!“  
”بہت بہت شکریہ... لیکن تمہیں اس کے بارے میں کیسے معلوم ہوا...!“

”تھیما سے! کبھی بھی وہ بہت زیادہ نشے کی حالت میں اُسے گالیاں دیتی ہوئی سنی جاتی ہے!“  
”کوئی اور وجہ بھی ہو سکتی ہے!“  
”نہیں... سو فیصد کوبرا!... صرف گالیوں ہی پر اکتفا نہیں کرتی... بعض کہانیاں بھی  
دہراتی ہے!“  
”اچھا... شکریہ...!“

”میں تم سے کہاں مل سکتا ہوں!“ سلمانی نے پوچھا تھا لیکن اپنا جملہ پورا ہونے سے پہلے ہی سلسلہ منقطع ہونے کی آواز سن لی تھی۔ ریسیور کھ کر اُس نے طویل سانس لی اور کمرے سے نکل آیا۔ خیالات میں کھویا ہوا سٹینگ روم میں جا بیٹھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر تھیما باقی اپنی بینائی کو بیٹھی ہے تو وہ بڑی دشواری میں پڑ جائے گا۔ وہ ضرور عدالت سے رجوع کرے گی۔  
کچھ دری بعد پھر تھیما کی خواب گاہ میں داخل ہوا تھا لیکن تھیما بستر پر نہ دکھائی دی۔ اُس نے باٹھ روم کے دروازے کی طرف دیکھا! اور سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا۔! تھوڑی دری بعد تھیما باٹھ روم سے برآمد ہوئی تھی۔ اُس کے بال بھیکے ہوئے تھے۔ شائد سر دھویا تھا۔  
”مجھے آواز دے لی ہوتی!“ سلمانی نے مغموم لمحے میں کہا تھا۔

وہ کچھ نہ بولی۔ اندھوں کی طرح ٹوٹ لی ہوئی بستر کی طرف بڑھتی رہی۔ سلمانی کرسی سے اٹھ کر اس کی جانب بڑھا تھا۔ اچاک تھیما اُس پر ٹوبٹ پڑی۔ حملہ قطعی غیر متوقع تھا۔! سلمانی گز بڑا کر ڈھیر ہو گیا۔ اور وہ اسے دبوچ بیٹھی۔

”ایپ تاک...!“ وہ دانت پیس کر بولی تھی۔ ”کیا میں تمہیں زندہ چھوڑ دوں گی!“  
”ڈُٹ... ڈاکٹر...!“ کوفون کیا ہے میں نے... ماہر امراض چشم!“

”دانتوں کی سرست کرنے والے کوفون کیا ہوتا... کیونکہ اب تمہاری ٹھکل مغلک ہی سے بچانی جائے گی۔“ کہتے ہوئے اُس نے اُس کے چہرے پر بچھ کے مارنے شروع کر دیئے تھے۔!  
سلمانی سے کہیں زیادہ طاقتور تھی... لہذا وہ بے بھی سے پتارتا ہا... پتارتا اور حق پھاڑ پھاڑ کر اپنی مادری زبان میں اُسے نوازتا بھی رہا۔

”تم سمجھے تھے شائد میں سچ چنج اندر ہی ہو گئی ہوں... وہ وقت اثر تھا نئے اور اُس چٹ کا جو میری گرد پر لگی تھی... سر پر ٹھنڈا اپانی ڈالتے ہی پھر دیکھنے لگی ہوں!“

”چو تھی اس سے نہیں ہو سکے گی اور پانچویں کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ کہیں ریڑھ تی  
بڑی نہ توڑ بیٹھئے۔“  
”لیکن.... وہ دیکھو.... وہ اوپر بیٹھنے لگی ہے۔“

لوکی نے چھلانگ لگائی لیکن اس بار تین قلبازیاں بھی نہ ہو سکیں۔ وہی کرپائی تھی! دنٹئی کسی جانب سے ایک سفید قام غیر ملکی ان کے قریب آدمکا اور ظفر الملک سے بولا۔ ”تم نے کیا شروع کر دیا ہے!“

”لیکن اس پر کوئی پابندی ہے۔“ ظفر الملک کا الجہہ کسی قدر تیکھا تھا۔  
”اس پر رحم کرو.... اور یہاں سے چلے جاؤ!“  
”بڑی عجیب فرمائش کی ہے تم نے!“

”میں استدعا کرتا ہوں!“

”ہم جا رہے ہیں!“ جیمسن اٹھتا ہوا بولا۔

ظفر الملک نے اسے گھوڑ کر دیکھا تھا لیکن پھر اسے بھی اٹھنا ہی پڑا تھا۔ جیمسن اس طرح نہ  
انھوں جاتا تو شامد اس اجنبی کی بکواس پر توجہ تک نہ دیتا۔

وہ تیزی سے اس طرف چل پڑے تھے۔ جہاں انہوں نے اپنے سوت رکھے تھے۔ جیمسن تھا  
تو یہ اسی کے لباس میں لیکن اس نے پانی میں قدم تک نہیں رکھا تھا۔ اس کا قبول تھا۔ ”پانی اتنا ہی  
ہوا چاہئے کہ ڈالڑھی نہ بھیگنے پائے۔“ ڈالڑھی کے بھیگ جانے کو پانی سر سے گذر جانے کے  
ترادف سمجھتا تھا۔

”اس گدھے پن کے مظاہرے کا مطلب!“ ظفر الملک نے غصیلے لہجے میں پوچھا۔  
”اور نہیں تو کیا پانی میں کونے کے سلسلے میں اس سے جھگڑا کرتے، کتنی غیر فلسفیانہ بات  
ہوئی یورہائی نس!“

”کیا مطلب....!“

”آپ خود سوچئے، کتنی معنکہ خیز بات ہے۔ قلبازیوں پر جھگڑا....!  
”بل خاموش رہو....!“

”وہ تو رہتا ہی ہوں۔ لیکن آپ بولنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ آج کل میں ڈیا جیز کو پڑھ

”چھوڑو بجھے۔“ وہ اس کی گرفت سے نکل جانے کے لئے مچلا تھا۔  
”میں نے کبھی تمہیں اتنی بے دردی سے نہیں مارا تھا۔ اگر میری گردن کی ہڈی ہی نور  
جاتی تو!“

”میں نے آہستہ سے مارا تھا۔ تم بہت زیادہ نشے میں تھیں!“

”مت بکواس کرو جھوٹے....!“

”میں قانون داں ہوں.... ایسی حماقت نہیں کر سکتا۔ تم بہت زیادہ نشے میں تھیں!“

”کچھ بھی ہو....! میں تمہارا چھرہ اس حد تک بکاڑوں گی کہ تم کئی دنوں تک گھر سے باہر نہ  
نکل سکو گے!“

”نہیں.... نہیں!“ وہ خوفزدہ سی آواز میں چینا۔

لیکن اس کے بڑھے ہوئے ناخن سلمانی کے چہرے پر خراشیں ڈالنے لگے تھے۔



جیمسن سویمینگ پول کے کنارے بیٹھا ظفر الملک کو ڈائیو کرتے دیکھ رہا تھا۔ ایک لڑکی سے  
اُس کا مقابلہ شروع ہو گیا تھا۔ دوسرے ڈائیو کرنے والوں نے اس شغل سے کنارہ کشی اختیار کر لی  
تھی اور صرف تماشائی بن گئے تھے۔

در اصل سید ھی سادی ڈائیوگ ہو رہی تھی۔ ایک سفید قام لڑکی نے قلبازی کھانے کا  
مظاہرہ شروع کر دیا۔ دوسری بار ظفر الملک نے دو قلبازیاں کھائیں۔ لڑکی نے اپنی باری میں تین  
قلبازیوں کی کوشش کی تھی لیکن ناکام رہی۔ ظفر الملک نے تین پوری کرد کھائیں۔ لڑکی نے  
ہست نہیں ہاری تھی۔ برابر کو کوشش کے جاری تھی۔ آخر کار کچھ دری بعد اسے کامیابی ہو گئی۔  
ظفر الملک نے جیمسن کو آنکھ ماری تھی اور پھر میر ہیوں کی طرف دوڑ گیا تھا۔ اس بار اس نے چار  
قلبازیاں کھائی تھیں... اور تیر تاہو اکنارے پر بیٹھ گیا تھا... اچھل کر جیمسن کے رہا برا جایا۔  
”کیا فائدہ ہوا.... یورہائی نس....“ جیمسن نے خشک لہجے میں پوچھا۔  
”تم پر ہر وقت فائدہ اور نقصان کیوں سوار رہتا ہے۔“

رہا ہوں!“

”صورت سے بھی کبڑی ہی لگنے لگے ہو!“

”لینکوچن پلیز...!“

”ساری تفریح بربار کراوی!“

”آپ ہمیشہ بھول جاتے ہیں کہ کس کام کے لئے نکلے تھے۔“

”تم نے کام میں تو خلل ڈالا ہے۔“ ظفرالملک بھنا کر بولا۔

”میں نہیں سمجھا۔“

”یہ وہی عورت ہے جس سے جان پیچان پیدا کرنے کا حکم ملا تھا!“

”یعنی ڈورا کر سئی... آسٹریلین بوتک والی۔“

”ہاں وہی ہے...!“

”تو حضور والا جان پیچان پیدا کر رہے تھے یاؤ اسے اپادشمن جانی بنا رہے تھے۔“

”خاموش رہو۔“

”ٹھہر جاؤ... تم دونوں پلیز...“ عقب سے آواز آئی وہ رُک گئے۔

وہی سفید قام لبے لبے ڈگ بھرتا ہوا ان کی طرف بڑھا آرہا تھا۔ جس نے انہیں سو بینگ پول سے ہٹ جانے کا مشورہ دیا تھا۔

”مجھے بے حد افسوس ہے۔“ وہ قریب پہنچ کر بولا۔

”کوئی بات نہیں۔“ جیسن نے خوش اخلاقی ظاہر کرنے کے لئے ذات نکالے۔

”درachi وہ بہت ضدی ہے۔ اگر آپ لوگ وہاں موجود رہتے تو مجھے یقین ہے کہ وہ خود کا نصان پہنچا بیٹھتی۔“

”ضدی عورتیں مجھے پسند ہیں۔“ ظفرالملک بولا۔ ”کیا وہ آپ کی مزز ہیں۔!“

”میرا نام ماں یکل ہے، لیکن وہ میری یہوی نہیں ہے۔ بڑی پادری سمجھ لججے۔ ہم دونوں ایک بول دیتا ہوں۔ شرطیہ طور پر.... انہی خصوصیت کی بنا پر ہمارے بوتک نے شہرت پائی ہے۔“

”بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔“ جیسن نے مصالحت کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا

”میرا نام جیسن ہے... اور یہ میرے باس پر نس ظفرالملک!“  
 ”پس...!“ ماں یکل کے لججے میں حرمت تھی۔  
 ”ہاں! اگریث مغل کی اولاد ہیں!“

”اوہ....!“ وہ پر جوش انداز میں بولا۔ ”یہی تو میں سوچ رہا تھا کہ ناک کی بناؤٹ.... اور ہمبوں کی کشید... خدا کی پناہ... گریث مغل کی اولاد.... بڑی خوشی ہوئی جناب یور ہائی نس۔“  
 اس نے بڑی گرم جوشی سے مصافحہ کیا تھا۔  
 ظفرالملک کو جیسن کی اس حرکت پر غصہ آگیا۔ اس طرح تعارف کرانے کی کیا ضرورت تھی۔ گریث مغل کی اولاد لنگوٹی لگائے کھڑی ہے لا حل ولا قوتہ۔!  
 ”میں بے حد شرمندہ ہوں پر نس! اسے معلوم ہو گا تو اس کا بھی یہی حال ہو گا۔ وہ تو قدیم نلوں کی شیدائی ہے۔ وہاں گریث مغل۔“

”اب کیا فائدہ ان باتوں سے ہماری حکومت تو ختم ہو چکی!“ ظفرالملک زبردستی مسکرا کر بولا۔

”اوہ.... یہی تو بات ہے۔ گریث مغل کی حکومت اب بھی دلوں پر باقی ہے.... کبھی ہمارے بوتک میں تشریف لائیے.... آہا.... یہ بتانا تو بھول ہی گیا کہ ڈورا آج کل مثل طرزی آرائش پر میری رچ کر رہی ہے....!“

”یہ تو بڑی اچھی بات ہے۔“ جیسن جلدی سے بولا۔ ”میں انہیں مدد دے سکتا ہوں.... طرز آرائش کی تو چھوڑیے.... آپ کا سمجھیک بھی میری نظر میں ہے.... میں آپ کو بتاؤں گا کہ مغل شہزادیاں کس طرح اپنی جلد کی خلافت کرتی تھیں۔“

”بہت بہت شکریہ۔ کیوں نہ ہم اسی وقت مل بیٹھیں۔“ ماں یکل نے کہا۔

”یہیں کوئی اعتراض نہیں۔“ ظفرالملک نے کہا۔ ”سو یکمگ بول ہی پر ہماری میز مخصوص ہے۔ میز نمبر گیارہ... آپ دونوں وہاں ہمارا انتظار کر سکتے ہیں۔ ہم لباس تبدیل کر کے پہنچ جائیں گے۔“

”ایسے بھی کیا حرج ہے!“ جیسن بول ڈال۔

”تم اچھی طرح جانتے ہو کہ میں پانی ہی میں اس طرح رہ سکتا ہوں....!“ ظفر نے غصیلے

لنجھ میں کہا۔

”معافی چاہتا ہوں یورہائی نس۔!“ جیسن گڑھایا۔

ماں یکل سوینگ پول کی طرف پٹ گیا تھا۔ اور وہ اپنے لباس پینے کے لئے چل پڑے تھے۔  
”کسی رہی....!“ جیسن بولا۔

”ٹھیک ہی رہی.... لیکن تم خود کو قابو میں رکھو گے!“

”بجھے آپ پر نظر رکھنی پڑے گی کہ کہیں آپ بنے قابو نہ ہو جائیں!“

”مت بکواس کرو!“

”آخر پکڑ کر کیا ہے!“

”فی الحال اس سے رسم دراہ بڑھانے کی ہدایت ملی ہے۔“

”مقصد...!“

”میں نہیں جانتا.... اور نہ جاننے کی ضرورت سمجھتا ہوں۔“

”ہر مجھی کہاں تشریف رکھتے ہیں۔“ جیسن نے پوچھا۔ وہ عمر ان کو یور مجھنی کہہ کر خاطب کرتا تھا۔

”ہدایت میں یہ بھی شامل ہے کہ ان کے فلیٹ کی طرف رخ بھی نہ کیا جائے۔“

”پتا نہیں یہ سر کاری معاملہ ہے یا خالص رومانی!“

”آخر ہر مجھی بھی تو گوشت پوسٹ ہی رکھتے ہیں!“

”اور میرے توسط سے عشق کرنا چاہتے ہیں!“ ظفر الملک بھنا کر بولا۔

”کیا مضاائقہ ہے.... آدمی ہی آدمی کے کام آتا ہے۔“

ظفر الملک کچھ نہ بولا۔ جیسن با اوقات ”بکواس برائے بکواس“ شروع کر دیا تھا۔ یہ محبوس کر لینے کے بعد ظفر الملک خاموش ہی رہنے میں عافیت سمجھتا تھا.... ورنہ اس کی زبان کو ہو کے نہیں کی طرح چلتی ہی رہتی تھی۔

سوٹ پہن کر وہ پھر سوینگ پول کی طرف روانہ ہو گئے۔ اور انہوں نے ان دونوں کو دور ہی سے دیکھ لیا جوان کی مخصوص کراں ہوئی میز کے گرد بیٹھے ہوئے تھے۔

”ہم نے تو سوٹ پہن لئے لیکن وہ دونوں ابھی تک غیر مہذب ہی نظر آرہے ہیں۔“ جیسن

نے کہا۔

”یا فرق پڑتا ہے۔“ ظفر بولا۔

”میرے لئے تو پڑتا ہے فرق کیونکہ میں گریٹ مغل کی اولاد نہیں ہوں۔“

”تم نے یہودگی کر کے اچھا نہیں کیا۔“

”بھی یہودگی کام آئی ہے۔ ورنہ اتنی جلد میٹھنا تصیب نہ ہوتا۔ آپ کی قلابازیوں نے تو اسے تھری ہی کر دیا تھا۔“

قریب پہنچ تدوں نے انھ کر ان کا استقبال کیا تھا اور ذور اچک کر بولی تھی۔ ”میں تصور میں نہیں کر سکتی تھی!“

”میرا سکریٹری زبان دراز ہے۔“ ظفر الملک نے کہا۔

”آپ کی مہارت کا لوہا پہلے ہی مان چکی تھی۔“ ذور انے کہا۔

”بیٹھے.... بیٹھے....!“ ظفر ہاتھ ہلا کر بولا۔ ”آپ کا اتنا گل مجھے بہت پسند آیا تھا۔ اور میں پہنچا کر آپ ڈائیو کرنی رہیں.... اسی لئے وہ حرکت کی تھی.... ورنہ میں اسے چھچورا پین گھمنا ہوں!“

”بجھے شرمندہ نہ کیجھ۔“

”کیا پیش گے آپ لوگ۔“

”فی الحال کچھ بھی نہیں۔“ ماں یکل نے کہا۔ ”ہم صرف با تمن کرنا چاہتے ہیں.... ذور، یہ سڑ جیسک طرزِ آرٹش پر تحقیق کے سلسلے میں تمہیں مدد دے سکیں گے!“

”یہ تو بڑی اچھی بات ہے!“

”اور ان کے پاس وہ طریقے بھی حفظ ہیں جنہیں بروئے کار لا کر مغل شہزادیاں اپنی جلد کو باہم اور خوبصورت رکھتی تھیں!“

”بے شمار تجھے مجھے زبانی یاد ہیں۔“ جیسن ڈاڑھی کھجاتا ہوا بولا۔

”کیا آج آپ کا بوتک بند ہے۔“ ظفر الملک نے پوچھا۔

”نہتھے میں صرف پانچ دن کام کرتے ہیں.... وہ دون کی چھٹی.... کل بھی بند رہے گا یا نہیں....“ ماں یکل نے جواب دیا۔

اونٹ کی میتھی کو جلا کر الکھی میں تبدیل کر لیجئے.... اور پھر اسے خالص شہد میں ملا لیجئے۔  
پاؤ نہ تدار ہو گیا۔ رات کو سوتے وقت چہرے پر لیپ سمجھے اور صبح انھ کر بھیز کے دودھ سے منہ  
بُوڑا لئے!“

”یہ سب کچھ تو آسان ہے.... لیکن بھیز کا دودھ....!“ ذورانے احتاج کیا۔

”مغل شہر ادیوں کے لئے کچھ مشکل نہ تھا.... میک اپ کی بھیزوں کا ریوڑالگ سے ترتیب  
یادا تھا۔“

”جو ہمارے لئے ممکن ہو مسٹر جیمسن۔“ ماں ٹکل نے کہا۔ ”کوئی ایسا نسخہ بتائیے!“

”ایسا کوئی نسخہ زبانی یاد نہیں.... لیکن ایسے نسخے بھی فراہم کر سکوں گا!“

”بہت بہت شکریہ!“

ظفر عمران کی کال ریسیو کرنے کے بعد سے اور بھی سنجیدہ ہو گیا تھا۔ لیکن اس نے یہ  
معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی تھی کہ اس کی مگر انی کون کر رہا تھا۔

اس نے جیمسن سے کہا۔ ”فینٹری سے کال آئی تھی۔ وہ کرزا نے ہر تال کی دھمکی دی ہے!“

جیمسن نے نتھنے چھلانے تھے اور نہ اسامنہ بنا کر بولا تھا۔ ”ہر تال ضرور ہو گی!“

”خاموش رہو۔ تمہیں جرأت کیسے ہوئی ایسی بات کہنے کی!“

”میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں یورہائی نس....!“



اگر تھیلما جوش رقبات میں سلمانی کے سامنے ڈورا کر مٹی کو گالیاں دے سکتی تھی تو شہزاد  
الس سے کس طرح لاعلم رہ سکا ہو گا۔ تھیلما نے کبھی نہ کبھی اس پر بھی بات واضح کر دی ہو گی کہ وہ  
اٹکا اور ڈورا کر مٹی کے تعلقات کے بارے میں جانتی ہے!

ای نظریے کے تحت عمران نے براہ راست ڈورا سے رابطہ قائم کرنے کی بجائے ظفر الملک  
کے ذریعے حالات کا مشاہدہ کرنے کی کوشش کی تھی.... اور پھر یہ بات اس پر واضح ہو گئی تھی کہ  
ڈورا نے یہ خانہ بھی خالی نہیں چھوڑا۔

”ٹھیک اسی وقت ایک ویٹر نے اُن کے قریب آکر ظفر الملک سے کہا تھا۔ ”آپ کی کالب  
جناب!“

”اوہ.... اچھا.... معاف کیجئے گا.... میں ابھی آیا۔“ ظفر الملک ہوا بولا۔ اس ہوٹل میں  
جانی پہچانی شخصیت تھا۔

ڈائینینگ ہال کے کاؤنٹر پر پہنچ کر اُس نے کال ریسیو کی تھی۔ دوسرا طرف سے عمران کی  
آواز آئی۔ ”بہت تیزی دکھار ہے ہو۔!“

”آپ کہاں میں....!“

”تمہارے آس پاس ہی.... اپنے جیمو جھینگے کو قابو میں رکھنا....!“

”اس کے بعد کیا کرتا ہے۔!“

”پتا دیا جائے گا۔ اس وقت بات کرنے کی ضرورت یوں محسوس ہوئی کہ ایک آدمی تم روؤں

میں دل جھی لے رہا ہے۔!“

”میں نہیں سمجھا۔!“

”لڑکی کے ساتھی نے جیسے ہی تمہیں روک کر گفتگو شروع کی تھی.... وہ تمہاری طرز  
متوجہ ہو گیا تھا.... اور اب باقاعدہ طور پر تمہاری مگر انی کر رہا ہے۔!“

”کون ہے....؟“

”اس کی فکر نہ کرو.... اُسے میں دیکھ لوں گا۔! بس تم اس کا خیال رکھنا کہ آج کی ملاقات انہ

ہوٹل ہی تک مددور ہے۔!“

”میں نہیں سمجھا۔!“

”یہاں اسی وقت اتنے نا سمجھ ہو گئے ہو یا پہلے بھی تھے! احمد آدمی میں یہ کہہ رہا تھا کہ ان کے  
ساتھ کہیں جانا مت۔!“

”بہت بہتر....!“

دوسرا طرف سے سلسلہ منقطع ہو گیا.... اور وہ ریسیو رکھ کر گدی سہلا نا ہوا  
سویمینگ پول کی طرف چل پڑا۔

بیہان جیمسن نے جلد کو ملامٹ رکھنے والے نسخے چھیز رکھے تھے۔ کہہ رہا تھا۔

اُس کے آدمیوں نے ڈورا کے لئے جلوے والوں پر ظفر رکھنی شروع کر دی تھی۔ اس وقت عمران اُس شخص کا تعاقب کر رہا تھا جس نے ظفر الملک اور جیسن کا تعاقب ان کی قیام گاہ تک کیا تھا۔

تحوڑی دیر بعد اُس نے اپنی موڑ سائکل دیں روکے رکھی تھی۔ اور شم پلیٹ پر ظفر الملک کا نام پڑھنے کی کوشش کرتا تھا۔ عمران نے اپنی گاڑی اُس سے خاصے فاصلے پر روکی تھی۔ موڑ سائکل حرکت میں آئی تو اُس نے بھی انجن اسٹارٹ کیا، لیکن اُس آدمی نے تو پھر اُس ہوٹل کا رخ کیا تھا جہاں سے روانگی ہوئی تھی۔

ڈورا اور اس کا پارٹر اب بھی دیں تھے.... شاہد انہوں نے چھٹی کا دن دیں گزارنے کا فیصلہ کیا تھا۔

عمران نے بھی دیں ڈیرا ڈال دیا.... ریڈی میڈ میک اپ میں تھا۔ اس لئے دوسروں سے الگ تھلک ہی رہنا چاہتا تھا۔ اس میک اپ میں شکل اپنی خوفناک ہوجاتی تھی کہ دوسروں کی نظریں بار بار اُسی کی طرف اٹھنے لگتی تھیں۔

تحوڑی ہی دیر بعد وہ آتا گیا۔ ضروری نہیں تھا کہ وہ آدمی اُن دو توں کے وہاں سے ہٹنے سے قبل بھی کچھ اور کرتا۔ گویا حقیقتاً وہ ڈورا کر شی کی مگر انی اس نقطے نظر سے کر رہا تھا کہ اگر کوئی انہیں اُس میں دل چھکی لے تو اس کا نام اور پتہ معلوم کرنے کی کوشش کرے ورنہ وہ صرف ظفر الملک کی قیام گاہ تک جا کر کیوں پلٹ آتا۔

بہر حال اُسے جو کچھ معلوم کرنا تھا کرچکا تھا۔ اب کسی ماتحت کو اس کی مگر انی پر ماوراء کا جاسکتا تھا۔

بلیک زیر و نے فون پر گلگلو ہوئی تھی اور اُسے اُس آدمی سے متعلق ہدایات دے کر وہ کسی کی آمد کا منتظر رہا تھا۔ میں منٹ گزرنے کے بعد اُس نے ٹوائیٹ کا راستہ لیا۔....!

یہاں اُس نے ریڈی میڈ میک اپ نکال کر جیب میں رکھا تھا اور واش بینک پر جھک کر منہ دھونے لگا تھا!...! پھر سیدھا ہو کر چھپہ خشک کر رہا تھا کہ کیپٹن خاور دکھائی دیا! ہدایت کے مطابق وہ اُسی جگہ پہنچا تھا جہاں بلیک زیر و نے اُبے عمران سے ملنے کو کہا تھا۔

”دن میں کتنی بار منہ دھویا جاتا ہے۔“ اُس نے ہنس کر پوچھا۔

”جتنی بار کوئی نی لڑکی سامنے آتی ہے۔ پھر دوسرا کے لئے منہ دھو رکھتا ہوں۔!“

”ماوروں کے صحیح استعمال کا سلیقہ ہوتا جا رہا ہے۔!“

”ایک کا نام سلیقہ بھی ہے.... بہر حال اب تو منہ دھو ہی چکا ہوں۔ دیر تک تھاری شکل نہیں دیکھ سکتا... سو یمنگ پول کی نشتوں میں سے ایک پر ایک آدمی ہے۔ جس کی مگر انی تمہیں کرنی ہے۔ نیلے کوٹ اور سرخ نائی والا.... باہمیں گال پر چوٹ کا واضح نشان ہے جو دور سے بھی نظر آتا ہے.... بس اب جاؤ۔!“

خاور کے چلے جانے پر اُس نے دوبارہ ریڈی میڈ میک اپ ناک پر فٹ کیا تھا اور سو یمنگ پول کے قریب سے گزرے بغیر پار کنگ پلاٹ کی راہیں تھی۔

گاڑی میں بیٹھنے وقت بھی فیصلہ نہ کر سکا کہ اب اُسے کیا کرنا چاہئے۔

الیں.... پی راشد اور کشم کے ڈی۔ سی راجن کے متعلق بیک زیرو کی رپورٹ مل چکی۔ دونوں علامہ کے شاگرد رہے چکے تھے۔ لیکن اس کا کوئی ثبوت نہ مل سکا تھا کہ اب بھی علامہ سے قریبی تعلقات رکھتے ہوں۔!

”علامہ....!“ وہ دانت پر دانت جما کر بڑا بڑا اور گاڑی کا انجن اسٹارٹ کر دیا۔ شیلا اور پیٹر اب بھی رانا پیلس ہی میں تھے۔ ایک بار پھر اُس کا ذہن پیٹر کی طرف متوجہ ہوا! عمران اُس سے ابھی تک علامہ کے خلاف کچھ بھی نہیں اگلو۔ سکا تھا۔ وہ برا بری ہی کہے جا رہا تھا کہ علامہ کا کوئی تعلق نہیں ہو سکتا یا سیکن کی موت سے۔ اور شیلا کو اُس کے باپ دھنی رام نے زبردلو ناچاہا تھا۔

گاڑی پار کنگ شینڈے نکل کر سڑک پر آگئی اور اب وہ رانا پیلس کی طرف جا رہی تھی۔ رانا پیلس میں پہنچ کر سب سے پہلے اُس نے فون پر ظفر الملک سے رابطہ قائم کیا تھا! دوسرا طرف اس کی آواز سن کر بولا۔ ”تمہارا تعاقب کیا گیا تھا! تعاقب کرنے والے نے تمہاری نیم پیس بھی بغور دیکھی تھی۔!“

”تو پھر اب مجھے کیا کرنا چاہئے۔!“

”لی الحال خود ادھر کارخ نہ کرنا۔.... یہی ظاہر ہونا چاہئے کہ وہ ملاقات اتفاقیہ تھی۔!“

”اور اگر ڈورا کر شی یا اس کا پارٹر خود ہی یہاں چلے آئیں تو....!“

”یہ مطلب نہیں تھا۔“ بلیک زیر و جلدی سے بولا۔

”میں تنویر کی وجہ سے پریشان ہوں.... اُس کی حالت بہتر نہیں ہے۔“

بلیک زیر و کچھ نہ بولا۔ عمران نے ٹھوڑی دیر بعد کہا۔

”میرا خیال تھا کہ میاں تو قیر پارٹی کے کونٹشن میں ضرور شرکت کریں گے اور علامہ اُسی ”وران میں ان پر ہاتھ صاف کرنے کی کوشش کرے گا۔ لیکن کل کونٹشن کا آخر دن ہے۔“

”پارٹی کے آفس سے معلوم کرنے کی کوشش کروں۔“ بلیک زیر و نے پوچھا۔

”ضروری نہیں۔ میں جانتا ہوں کہ کچھ اہم مہماںوں کی وجہ سے وہ شرکت نہیں کر سکے!“ علماء نے شائد اسکیم بدلتی ہے۔ کچھ اور سوچ رہا ہے۔ کوئی اور طریقہ اختیار کرے گا۔ جولیا کو میں نے صرف اسی لئے بھیجا تھا کہ وہ سفر کے دوران میں ان کی گرانی کر سکے۔“

”فرحانہ جاوید کے ذریعے علامہ کیا کرنا چاہتا ہے۔“

”دیکھیں گے.... فی الحال تو میاں صاحب اُس کے عشق میں بتلا ہو گئے ہیں، جولیا کی روپورث سے یہی معلوم ہوتا ہے۔ اب میں ذرا پیش کو دیکھ لوں۔“

”اوہ.... اُس کے بارے میں تو بتانا ہی بھول گیا.... اُس پر دیوائی کے دورے پڑنے لگے ہیں۔ جس کمرے میں تھا اس کا سارا فرنچ پر تباہ کر دیا۔“

”کب کی بات ہے۔“

”آج صح....!“

”اور تم نے اتنی اہم بات بھلا دی تھی!“ عمران نے اُسے غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

”معافی چاہتا ہوں....!“

”پتا نہیں کیا ہوا تا جارہا ہے تم لوگوں کو.... کسی کی سمجھ میں کچھ نہیں آتا، اور کسی کو کچھ یاد نہیں رہتا۔ بہر حال اُسے دوسرے فرنڈ کمرے میں منتقل کر دیا گیا۔“

”دوسرے فرنڈ کمرے میں۔“ بلیک زیر و کے لبھے میں حرمت تھی۔

عمران نے مایوسانہ انداز میں سر کو جنبش دی اور اُس کمرے کی طرف چل پڑا جہاں سے ثالث سر کٹ لی وی سیٹ پر پیش کرے کمرے کی حالت دیکھ سکتا۔

پیش کمرے کے فرش پر چٹ پڑا نظر آیا۔ اپنے سارے کپڑے اُس نے چھاڑا لے تھے۔

”میں تمہیں اس صدی کا سب سے خوبصورت آدمی تسلیم کرلوں گا۔“ عمران خوشی ظاہر کرتا ہوا بولا تھا۔

”میں نہیں سمجھا۔“

”اپنی خوبصورتی سمجھ میں نہیں آتی، دوسرے سمجھاتے ہیں! اگر وہ خود ہی آئے تو کوئی مضاائقہ نہیں.... اور تمہیں اُس کے ملنے جلنے والوں میں ایک قدر آور اور جسم بھی پر نظر رکھنی ہے۔ دیسی ہی ہے.... غیر ملکی نہیں۔“

”بہت بہتر....!“ دوسری طرف سے آواز آئی۔

”لیکن تم اس سلسلے میں ڈور ایما نیکل سے براور است کسی قسم کی پوچھ چکھ نہیں کر دے گے!“

”پسی کاتام۔!“

”میں نہیں جانتا.. تمہیں اُسے تلاش کرنا ہے اُس کے بعد نام بھی خود ہی معلوم کر دے گا۔“

”میں سمجھ گیا! غالباً مجھے یہ معلوم کرنا ہے کہ اُس کے حلقہ احباب میں کوئی ایسا آدمی بھی شامل ہے یا نہیں۔“

”خاصی دیر لگانے لگے ہو سمجھنے میں۔ کیا بات ہے۔“

”کوئی بات نہیں۔!“

”ویس آں“ کہہ کر عمران نے سلسلہ منقطع کر دیا۔ بلیک زیر و قریب ہی موجود تھا۔

”میں سوچ رہا تھا جناب۔“ اُس نے کہا۔ ”اس کیس کا تعلق ہمارے محلے سے ہے گناہ کیا نہیں۔!“

”قطعی نہیں ہے۔ اس کا تعلق شریا کی سرال سے ہے۔!“

”یعنی کہ....!“

”بات یا سمین کی موت سے شروع ہوئی تھی جو شریا کی سرالی عزیزہ تھی.... سرال؛“

بھڑکنے کی ضرورت نہیں۔ ہمارا ملک لا تعداد سرالوں پر مشتمل ہے۔ اس کے باوجود بھی“

بیوں کا خیال ہے کہ ہمارے ملک کا سب سے برا مسئلہ طوائف ہے۔!“

”کیا آپ رات بھر نہیں سوئے!“ بلیک زیر و نے ہمدردانہ لبھے میں پوچھا۔

”شائد میں کوئی غیر ضروری بات کہہ گیا ہوں۔!“ عمران نے خود کلامی کے سے انداز میں کہا۔

”خدا جانے!“ بیک زیر و نے کہا۔ ”ابھی ابھی اطلاع ملی ہے کہ علامہ کیپن فیاض کے دفتر میں بینجا اس کا انتظار کر رہا ہے۔ کیپن فیاض موجود نہیں ہے!“  
عمران نے اُس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے ایک بھی سی ”ہوں“ کی تھی۔



کیپن فیاض سر جھکائے بینجا تھا اور علامہ نبڑی طرح گرج بر سر رہا تھا۔  
”اگر صورت حال پہنچ رہی تو مجبور امتحان بر اور راست وزیر اعظم سے گفتگو کرنی پڑے گی۔“  
”میں ایک بار پھر آپ کو یقین دلاتا چاہتا ہوں کہ میرے مکمل کا کوئی آدمی نہ آپ کا تعاقب کرتا ہے اور نہ آپ کی قیام گاہ کی گرفتاری کرائی جائی ہے!“  
”اس وقت بھی ایک موڑ سائیکل پیچھے لگی رہی تھی!“  
”تو پھر اس کا یہ مطلب ہوا کہ تعاقب کرنے والا باہر آپ کی واپسی کا منتظر ہو گا!“  
”میں کیا کہہ سکتا ہوں!“  
”ٹھہریے.... میں خود چیک کروں گا.... لیکن اس کے لئے آپ کو بھی باہر نکلنا پڑے گا.... مطلب یہ کہ جس طرح آئے تھے اُسی طرح روانہ ہو جائیے.... میں دیکھ لوں گا!“  
”میں سمجھ گیا.... چلتے....!“ علامہ اختر ہوا بولا۔

فیاض کو مزید ہدایات نہیں دینی پڑی تھیں۔ علامہ بالکل اُسی طرح رخصت ہوا تھا جیسے کوئی ناچ بات نہ ہو!

اس کی گاڑی خاصی دور نکل گئی تھی۔ فیاض نے اپنی گاڑی سڑک پر نکالی.... اور اُس کے پیچے چل پڑا۔

تحوڑی ہی دیر بعد اُسے علامہ پر شدت سے غصہ آیا تھا۔  
قریباً ایک میل کا فاصلہ طے کر لینے کے بعد بھی کوئی ایسا نہ دکھائی دیا، جس پر تعاقب کرنے کا شہر کیا جاسکتا.... اور کسی موڑ سائیکل سوار کا تو دور تک پتا نہیں تھا۔  
دُوز جاری رہی.... حتیٰ کہ علامہ اپنی کوٹھی تک پہنچ گیا.... فیاض بھی اپنی گاڑی کمپا و نہ

پورے کمرے کو الٹ پلٹ کر رکھ دیا تھا۔ ایسی توڑ پھوڑ چاٹی تھی کہ کسی چیز کو بھی قابلِ مرمت نہیں چھوڑا تھا۔ عمران نے طویل سانس لی اور اس طرح منہ چلانے لگا جیسے کسی تلخ چیز کا اثر زبان کی جگہ سے چمارہ گیا ہو۔

کچھ دیر بعد وہ قفل کھول کر پیٹر کے کمرے میں داخل ہوا تھا۔ لیکن پیٹر کی پوزیشن میں اونچی نہ دیکھ کر وہیں نہ لٹک گیا۔ وہ بدستور چپ پر اُسے لا تلقی سے دیکھ جا رہا تھا۔  
”پیٹر....!“ عمران نے اوچی آواز میں کہا۔ ”مجھے تم سے ہمدردی ہے!“

”وردی اے!“ .... پیٹر کی بندر کی طرح پچالیا تھا۔ ”وردی کیا... پی... پی...!“  
”چی... پی...!“ عمران نے استفہا میہ انداز میں سر کو جنمش دی!

”چر چیاں... چر لیں...!“ پیٹر حق کے بل بولا۔  
”چر وس چر وس....!“ عمران نے پھر سر بلاایا تھا۔

”چر.... را...!“ پیٹر اچل کر کھڑا ہو گیا۔ چہرے سے نہیں ظاہر ہوتا تھا کہ اُسے اپنی برہنگی کا ذرہ برابر بھی احساس ہو۔

”دیکھو بینے.... اگر میں تمہیں جان سے بھی مار دوں تو کسی کو کافوں کاں خبر نہ ہو گی.... پولیس اب تک جھک مارتی پھر رہی ہے.... اور شہزاد نے تو تمہلکہ مچار کھا ہے.... لیکن تم جہاں تھے وہیں ہو!“

”چر اس.... چیاں!“ پیٹر نے اس پر چھلانگ لگادی.... عمران نے جھک کر اُسے پشت پر لیا تھا اور دوسرا طرف الٹ دیا تھا۔

”چیں.... چیں.... چیں!“ وہ کسی ہزیمت خورده کتے کی سی آواز نکالتا رہ۔ فرش پر سے دوبارہ اٹھنے کی بھی کوشش نہیں کی تھی۔

”میں دیکھوں گا کہ یہ ڈھونگ کب تک چلتا ہے!“ عمران نے کہا اور کمرے سے باہر نکل کر دروازہ دوبارہ مقفل کر دیا۔

اُس کے چہرے پر گہری تشویش کے آثار تھے۔ بیک زیر و پھر آنکریا۔

”دیکھا آپ نے....!“  
”میں یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ یہ ڈھونگ ہے یا یعنی اس کا داماغ الٹ گیا ہے۔“

ہے۔ آرنسے کوئی بلک میڈ سمجھ لیا جائے تو آخر مقصد کیا ہے جبکہ ابھی تک اس کا کوئی مطالبہ بھی میرے سامنے نہیں آیا ہے۔“

”میرا حکم اس نامعلوم آدمی میں دچپی لے رہا ہے!“

علامہ پچھنہ بولا! اُس کی آنکھوں میں فکر مندی حملک رہی تھی۔

”آپ بھی کسی ایسے آدمی کی نشان دہی نہیں کر سکے جو آپ کو زک دینے کے لئے اس حد تک جاسکے!“

”میں کیا بتاؤں۔ جبکہ میں کسی کو بھی اپنادشمن سمجھنے پر تیار نہیں!“

”آپ کے دشمنوں کا بھی تک سراغ نہیں مل سکا!“

”شیلا اور پتیر!“

”جی ہاں.... وہی...“ فیاض سر ہلا کر بولا۔ ”اور اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس نے ان دونوں کو کیوں نہیں چھوڑا۔“

”ہو سکتا ہے وہ دونوں اُس کی دانت میں میرے متعلق دسروں سے زیادہ معلومات رکھتے ہوں!“ علامہ مسکرا کر بولا تھا۔

”اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ دونوں خود ہی روپوش ہو گئے ہوں!“

”خدا جانے!“ علامہ بیزاری سے بولا۔

”شیلا بہر حال ہماری لست پر ہے۔ کیونکہ وہ یا کہیں کے گھروالوں کو دھوکے میں رکھ کر ادھر ادھر لئے پھرتی تھی۔“

”آن کے ذاتی معاملات تھے!“

”اچھی بات ہے! اب اجازت دیجئے۔“ فیاض اٹھتا ہوا بولا۔

”چاۓ!“

”نہیں شکر یہ۔! ایک بے حد ضروری کام چھوڑ کر اٹھا تھا!“

فیاض پھر آفس کی طرف پلانا تھا.... جن جھٹاہست کا یہ عالم تھا کہ سختی سے دانت پر دانت جما رکھتے۔ جبڑے دکھنے لگے تھے۔

سیٹ پر بیٹھنے نہیں پیانا تھا کہ سکریٹری نے ان لوگوں کی لست پیش کر دی تھی۔ جن کی فون

کے اندر لیتا چلا گیا تھا۔

”دیکھا آپ نے...!“ علامہ نے اپنی گاڑی سے اترتے ہوئے کہا۔

”دیکھتا ہی آیا ہوں۔ لیکن مجھے تو کوئی ایسا آدمی نظر نہیں آیا جس پر شبہ کیا جاسکتا۔ اور خصوصیت سے نہ آپ کے پیچھے کوئی موڑ سائکل تھی اور نہ میری گاڑی کے پیچھے!“

علامہ پچھنہ بولا۔ لیکن اس کی آنکھوں میں حیرت کے آثار صاف پڑھے جاسکتے تھے!

”اور اب کوئی کے آس پاس ایسے لوگوں کو بھی تلاش کر دنگا جن پر گمراہی کا شبہ کیا جاسکے!“ فیاض بولا۔

”میری سمجھ میں نہیں آتا!“ علامہ آہستہ سے بڑا یا۔

”آپ اندر تشریف لے چلے!“ فیاض نے کہا۔ ”میں آس پاس نظر دوڑا کر ابھی آیا!“ وہ اپنی گاڑی سے اٹر کر کپاڈ مٹ کے چانک پر آیا تھا۔ بیباں بھی کوئی ایسا نہ ملا جسے فیاض علامہ کے بیان پر فٹ کر سکتا۔ پھر اُس نے باہر سے کوئی کے گرد بھی ایک چکر لگایا تھا اور بے مل و مرام واپس ہوا تھا۔ آخر یہ حضرت چاہتے کیا ہیں؟ وہ سوچ رہا تھا۔ وزیر اعظم سے شکایت کرنے کی دھمکی دے ڈال تھی!

بہر حال تھا ضرور کوئی چکر.... اور پھر اسے عمران کا خیال آیا۔ ساتھ ہی علامہ کے دشمنوں میں یاد آئے جنہیں کسی نے گرفتار کر کھا تھا۔ اور پھر حیرت انگیز طور پر چھوڑ بھی دیا تھا!

علامہ اُسے دیکھ کر اٹھتا ہوا بولا۔ ”کیا اب مجھ پر دروغ گوئی کا بھی الزام آنے والا ہے!“

”ظاہر تو حالات ایسے ہی ہیں!“ فیاض نے خنک لبھ میں کہا۔

”یعنی کوئی ایسا نظر نہیں آیا!“

”جی نہیں....!“ فیاض نے کہا۔ ”بہر حال آپ غلط متوجہ پر پہنچے تھے۔ اگر کوئی آپ کی گمراہ کرتا بھی رہا ہے تو وہ کم از کم میرے محلے کا کوئی آدمی نہیں ہو سکتا!“

”اگر ایسا ہے تو مجھے اپنے روئے پر افسوس ہے۔! تشریف رکھئے اور مجھے معاف کر دیجئے!“

”لیکن کوئی اور بھی تو آپ کے معاملات میں دل چھوٹی لے رہا ہے۔“ فیاض بیٹھتا ہوا بولا۔

”ہاں.... وہ نامعلوم آدمی جس نے میرے شاگردوں کو قید کر کھا تھا لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا۔ وہ کون ہے اور کیوں میرے پیچھے پڑ گیا ہے اور یا کہیں کا قتل میرے سر کیوں تھوپا جاتا

”مالکہ میں قسم کھانے کے لئے تیار ہوں کہ تمہارا ملکہ بالکل مخصوص ہے۔! بے قصور  
خواہ نواہ اُس کے جی کو لگا رہا ہے یہ علامہ... زبان سڑ جائے اسکی... تن کیڑے پریں...!  
کیوں بکواس کر رہے ہو!“

”یقین کرو... میں جانتا ہوں... تمہارا ملکہ پورے طور پر اس معاملے سے دستکش ہو گیا ہے!  
ایسا بھی نہیں ہے!“  
”اچھا تو پھر یہ بات ہو گی کہ تم محض اپنی گرل فرینڈ ڈاکٹر کی حد تک اس معاملے سے دلچسپی  
لے رہے تھے!“

”بھی سمجھ لو....!“ فیاض غرایا۔

”لیکن تم کیوں گئے تھے علامہ کے پیچھے!“  
”اوہ... تو وہ تمہارے آدمی ہیں!“  
”تم بھی بھی سمجھ لو....!“

”لیکن مجھے تو کوئی بھی نہیں دکھائی دیا تھا۔ نہ راستے میں اور نہ علامہ کی کوئی کے آس پاس!“  
”وہ میرے گرے گے ہیں۔ ان پر سر کاری چھاپ تو ہے نہیں کہ ہر ایک کو دکھاتے پھریں!“  
”آگ سے مت کھیلو... اگر اُس نے واقعی شکایت کر دی اور اوپر سے کوئی حکم آگیا تو  
تمہارے والد صاحب بھی بے بس ہوں گے!“

”یاد تم ہر بات پر والد صاحب کا حوالہ کیوں دے بیٹھتے ہو!“  
”خیر اندیش ہوں ان کا!“

”کیا بھی تک وہ شخص واپس نہیں آیا جس سے تم نے میر اونڈیکٹ کرنے کو کہا تھا!“  
”نہیں!“ فیاض نے غیر ارادی طور پر کہا اور پھر گڑ بڑا کر بولا۔ ”کیا کہا تھام نے آواز صاف  
نہیں آئی تھی!“

”غزل سرائی جاری رکھو... اگر ایکس چیخ سے میرے فون کے نمبر معلوم کر سکے تو  
ماڑھے دکھائی پاؤ موتی چور کے لڑو کھلاوں گا۔“  
”نجیدگی سے گفتگو کرو... باز آ جاؤ... اپنی حرکتوں سے!“  
”پھر پھانسی کا پھنڈہ کس کی گردن کے لئے تیار کیا جائے!“

کالراں کی عدم موجودگی میں آئی تھیں سب کے اوپر عمران کا نام دلکھ کر بھڑک اٹھا۔  
”تم نے ان لوگوں کے فون نمبر نہیں بلکہ لئے!“

”کسی نے بتایا ہی نہیں جتنا بے!“  
”تمہیں معلوم کرنا چاہئے تھا۔ ہو سکتا ہے ان میں سے بعض لوگ اہم ہوں۔“  
”غلطی ہوتی جتنا بے!“

فیاض کچھ اور کہنا چاہتا تھا کہ فون کی گھنٹی نج اٹھی۔  
اس نے ہاتھ بڑھا کر جلدی سے ریسیور اٹھایا تھا... اور دوسرا طرف سے عمران ہی کی  
آواز سن کر طویل سانس لی تھی۔

”کیا بات ہے؟“ اُس نے خود پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے پوچھا۔  
”خیریت دریافت کرنے کے علاوہ اور کیا غرض ہو سکتی ہے!“

سیکریٹری اب بھی میز کے قریب ہی موجود تھا۔ فیاض نے باسیں ہاتھ سے پسل اٹھائی اور  
پیڈ پر کچھ لکھنے کی کوشش کرنے لگا۔ ساتھ ہی عمران سے کہتا جا رہا تھا۔

”تم بہت بُرا کر رہے ہو۔ پیچھتاو گے!“  
”علامہ کیوں آیا تھا؟“ عمران نے پوچھا۔

”کیا مطلب!“

”مجھے اطلاع ملی تھی کہ وہ تمہارے آفس میں بیٹھا ہوا ہے!“  
”کس سے اطلاع ملی تھی!“

”میرے اپنے ذرائع ہیں۔! اگر مناسب سمجھو تو مجھے بھی بتاو!“  
فیاض نے باسیں ہاتھ سے لکھی جانے والی تحریر کی طرف سیکریٹری کو متوجہ کیا تھا اور عمران  
سے بولا تھا۔ ”اُسے شکایت ہے کہ میرے محلے کے لوگ اُس کی نگرانی کر رہے ہیں۔ کہہ رہا تھا کہ

اگر یہ سلسلہ بند نہ کیا گیا تو وہ برادر راست وزیر اعظم سے شکایت کرے گا۔“  
سیکریٹری نے جھک کر تحریر پڑھی تھی اور تیزی سے باہر چلا گیا تھا۔

”تو پھر اب تم کیا کرو گے؟“  
”کچھ بھی نہیں۔ دیکھا جائے گا!“

”کیا مطلب!“

”یا سہیں کی موت.... اتفاقیہ نہیں تھی.... یہ ثابت ہو چکا ہے!“

”سو تیل ماں کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ میں اب بھی اپنی بات پر قائم ہوں۔!“

”اچھا تو پھر منتظر ہو.... سول پولیس کی ناکامی کے بعد کیس تھہارے ہی پاس پہنچ گا۔“

”یقین کرو.... اسی کا انتظار ہے۔“ فیاض غرابی۔

انتہے میں سیکریٹری بھی واپس آگیا تھا۔ فیاض نے اس کی طرف دیکھا لیکن اس نے نہیں سر ہلا دیا۔

اور فیاض اچانک بہت زیادہ بھڑک کر بولا۔ ”جہنم میں جاؤ!“

اس نے ریسیور کریڈل پر چیخ دیا تھا۔

”ایکس چیخ سے کیا معلوم ہوا۔“ وہ سیکریٹری کی طرف دیکھے بغیر بولا۔

”ایکس چیخ نے مددوری ظاہر کی ہے جتاب!“

”کیا تم نے مجھے کا حوالہ کوڈ نمبر سمیت نہیں دیا تھا!“

”دیا تھا جتاب! وہ ڈیمکٹ نہیں کر سکے۔“

”جاوے....!“ وہ باتھ ہلا کر بولا۔ اور سیکریٹری کے جانے کے بعد کرسی کی پشت گاہ سے مکار اس طرح ہاتھے لگا جیسے کوہ پیائی کے بعد ڈھیر ہو گیا ہو۔ قرباً پانچ منٹ تک بھی کیفیت رعنی پھر اس نے شانوں کو جبش دی تھی اور گروں جھٹک کر سیدھا ہو بیٹھا تھا۔

پھر فون کی طرف ہاتھ بڑھا کر رحمان صاحب کے نمبر ڈائل کے تھے۔

دوسری طرف سے ان کے سیکریٹری کی آواز سن کر بولا تھا ”کمپنی فیاض! صاحب سے ملا!“

”ایک منٹ جتاب!“ دوسری طرف سے آواز آئی اور فیاض انتظار کرتا رہا۔!

”ہیلو....!“ رحمان صاحب کی آواز آئی تھی۔

”فیاض سر...!“

”کیا بات ہے!“

”حاضر ہونا چاہتا ہوں۔“

”کوئی خاص بات!“

”جی ہاں!“  
”آجاؤ۔“ دوسری طرف سے آواز آئی تھی۔ اور پھر سلسلہ مقطوع ہو جانے پر فیاض نے بھی رسیور کہ دیا تھا۔  
آنہ میں اور طوفان کی طرح رحمان صاحب کے دفتر کی طرف روانہ ہوا۔ عمران کے خلاف بری طرح نہیں رہا تھا۔ دفتر پہنچ کر انتظار نہیں کرنا پڑا تھا۔ رحمان صاحب نے فوراً ہی اندر بلوالیا تھا۔ کسی تمہید کے بغیر ہی فیاض نے علامہ کی دھمکی کی کہانی اور اپنی بھاگ دوڑ کی روادو شروع کر دی تھی.... رحمان صاحب سکون کے ساتھ سنتے رہے پھر عمران کا ذکر نکلا.... اور بات ختم ہونے تک وہ کچھ بھی نہ بولے۔

”اور کچھ۔“ انہوں نے اس کے خاموش ہونے پر پوچھا تھا۔

”جی نہیں۔“

”کیا علامہ نے عمران کے خلاف شبے ظاہر کیا تھا۔“

”جج.... جی.... نہیں!“

”تو پھر تم اتنے پریشان کیوں ہو۔!“

”عمران نے مجھ سے کہا تھا۔!“

”ظاہر ہے کہ تم علامہ کو اس سے آگاہ نہیں کرو گے۔!“

”یقیناً.... جتاب میں نے سوچا کہ آپ کے گوش گذار کر دوں.... دراصل بات یا سہیں کی ہوت سے شروع ہوئی تھی۔!“

”میں جانتا ہوں.... جب تک کیس باضابطہ طور پر ہمارے پاس نہ پہنچ ہمیں اس کے بارے میں سوچا بھی نہیں چاہئے.... لیکن کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ تم اس میں کیوں دلچسپی لے رہے ہو۔ مجھے اطلاع ملی ہے کہ متعلقہ تھانے کے انچارج کو تم نے اس بلبلے میں کچھ ہدایات بھی دے رکھی ہیں۔!“

فیاض کی پیشانی پر سینے کی بوندیں پھوٹنے لگی تھیں۔ اس نے جیب سے رومال نکال کر پینہ ٹک کیا تھا اور ہٹلانے لگا تھا۔ ”عم.... عمران نے بتایا تھا کہ....!“

”بن۔!“ رحمان صاحب نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ ”اب تم جاسکتے ہو۔!“ مجھے علم ہے تم کیا نہیں کہتا چاہتے۔ اپنے کام سے کام رکھو۔!“

”ہوش تو کرو کہ نہ ہے...!“  
 ”ضول باتیں نہ کرو... ہم اُسی میک آپ میں باہر نکلیں گے جس میں اُس دن تھے!“  
 ”اُسے بھول جاؤ...! شہر جانتا ہے کہ واحد اُس دن بیچ ہو مل میں کن لوگوں کے ساتھ  
 نا اور باہر نکلتے ہی غائب ہو گیا تھا!“  
 ”تو پھر کوئی دوسرا میک آپ...!“  
 ”کوئی پتا پڑتی ہے تو زوس ہو جاتی ہو!“  
 ”اُب تمہیں ایسی کوئی شکایت نہ ہوگی۔ اتنے دنوں کی قید نے دل کو پھر کر دیا ہے!“  
 ”پیش کی دیوالی کے بارے میں کیا خیال ہے!“  
 ”تم زبر کی بقیہ مقدار اُس کے پاس سے برآمد نہیں کر سکتے تھے! ہو سکتا ہے وعی کام آئی ہو!“  
 ”بقیہ مقدار سے کیا مراد ہے!“  
 ”ہو سکتا ہے ایک خوارک سے زیادہ مقدار ہی ہو!“  
 ”نہیں، اُس نے پوری شیشی خالی کر دی تھی شیشی میں نے اُس سے چھین لی تھی...  
 اصل اُس زبر کو ایک انگشتی میں بھر کر استعمال کیا جاتا ہے۔ انگشتی بھی اُس نے میرے  
 ڈالے کر دی تھی!“  
 ”تو پھر بن رہا ہو گا!“  
 ”نہیں میرا خیال ہے کہ وہ سچ مجذبی توازن کھو بیٹھا ہے!“  
 ”اس کا مطلب یہ ہوا کہ اب تم اُس سے کچھ بھی نہ انگلوں سکو گے!“  
 ”دیکھا جائے گا!“  
 ”آخر تم ہو کون اور کیا چاہتے ہو!“  
 ”سات سو ستر ہویں باریہ سوال کیا ہے تم نے!“  
 ”بہر حال جو کوئی بھی ہو بے حد شریف آدمی ہو!“  
 ””شہر میں ہماری کمیگی کے ڈلکے نج رہے ہیں اور آپ فرماتی ہیں بے حد شریف آدمی ہو!“  
 ”جو تمہیں کہیں کہتا ہے خود اُس کی سات پتوں میں کبھی کوئی شریف نہ رہا ہو گا!“  
 عمران کچھ کہنے ہی والا تھا کہ سوچ بورڈ پر سرخ رنگ کا ایک بلب جلدی جلنے بھئے گا تھا۔

”بب... بہت بہتر جناب...!“ فیاض امتحانا ہوا بولا تھا۔  
 ”ٹھہرہ...!“ رحمان صاحب بولے۔ ”اگر علامہ کو عمران سے کوئی شکایت ہو گی تو وہ براہ  
 راست پولیس سے رابطہ قائم کرے گا۔... نبی طور پر تمہارے پاس نہیں دوڑا آئے گا!“  
 ”جج... جی ہاں... یہ بات تو ہے...!“  
 ”بس جاؤ!“  
 فیاض نبڑی طرح ہامپا ہوا ذی۔ جی کے آفس سے برآمد ہوا تھا۔



شیلا چھاڑ کھانے کے موڑ میں تھی اور عمران مسمی صورت بنائے بیٹھا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے  
 تازہ تازہ تیک ہوا ہو!“  
 ”جب ایسی شکل ہو جاتی ہے تا تمہاری تو میرا غصہ فرو ہونے لگتا ہے۔“ اوہ دانت پیس کر بول۔  
 ”میں چیز ہی ایسی ہوں کہ مجھ پر غصہ اتنا راجا کے! یہن بتاؤ مجھے میں کیا کروں!“  
 ”یہ مجھ سے پوچھ رہے ہو!“  
 ”پھر کس سے پوچھوں! اتنی بھی چوری ہو کہ نہ تمہیں جیب میں رکھ سکتا ہوں اور نہ پاک  
 بک میں!“  
 ”میں کچھ نہیں جانتی! آج تمہارے ساتھ ضرور باہر جاؤ گی!“  
 ”چلے کانداز بدلتے کے لئے جو مشق بتائی تھی وہ بھی نہ ہو سکی ہو گی تم سے...!“  
 ”ہوئی تھی... یہ دیکھو...!“  
 وہ کمرے کے ایک سرے سے دوسرے تک چلی گئی تھی اور عمران نے کہا تھا۔ ”ہاں...  
 آں... کسی حد تک... اب کچھ باتیں کرو!“  
 ”کیوں اکو بنا رہے ہو!“  
 ”ارے واہ... وہ کھوپڑی ہدست کنڑوں بھی تو دیکھوں گا!“  
 ”ناممکن... باتیں کرتے وقت سر ضرور بلے گا!“

”کوئی خاص بات جناب۔!“ اُس نے ذرتے ذرتے پوچھا۔  
”اگر جارہا ہوں۔!“  
”نظر تاک...!“ وہ جلدی سے بولا۔ ”اگر کے آس پاس تو اُس نے درجن بھر آدمی چھپا  
لے ہوں گے۔!“  
”ویکھا جائے گا۔!“  
”میک اپ کے بغیر۔“  
”بھی سوچا ہے۔“  
”ورانا پیلس سے نکل کھڑا ہوا تھا۔ ریڈی میڈ میک اپ بھی استعمال کرنے کی زحمت نہیں  
راکی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا یہ کوئی اندر ہی چال چلنے کا راستہ رکھتا ہو۔!  
پیدل ہی روشن ہوا تھا ایک جگہ رُک کر ٹیکسی کا انتظار کرنے لگا۔!  
چہرے کے عضلات ڈھیلے پڑ گئے تھے، آنکھوں میں جھنجھلاہٹ کا شاید تک نہیں تھا۔  
کچھ دیر بعد ٹیکسی مل گئی تھی اور اُس نے ڈرائیور کو کوئی کاپتا بتایا تھا۔  
کوئی تک بہنچ بھی گیا۔ ٹیکسی کماؤنٹ میں داخل ہو گئی تھی۔ سارے اندریش غلط نکلے تھے یا  
ٹیکسی کو کوئی اہمیت نہیں دی گئی تھی۔  
”رحمان صاحب اچھے موڈ میں نہیں تھے، عمران کو ذکر کھتے ہی برس پڑے۔!  
”تم کیا کرتے پھر ہے ہو۔!“  
”اگری تک تو کچھ بھی نہیں کر سکا۔!“  
”کچھ کر بھی نہیں سکتے۔ وہی ہو گا جو سول پولیس پہلے کرنا چاہتی تھی۔“  
”یعنی... یا سینم کی سوئیلی ماں کی گرفتاری۔!“  
”باکل.... اُس کی بہن کی موت....!“  
”کیا کسی نے اُس کو زینوں پر سے دھکا دیتے دیکھتا تھا۔!  
”وہ نیچے گرنے سے پہلے ہی مر گئی تھی۔!“  
”میں نہیں سمجھا۔“  
”زہر...! لاش کا پوسٹ مارٹم بھی ہوا ہے۔!“

”آؤه.... میں ابھی آیا...!“ عمران دروازے کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔  
شیلا کے کمرے سے نکل کر وہ اُس جگہ پہنچا تھا جہاں سے سُکنل دیا گیا تھا۔  
بلیک زیر و اُس کا منتظر تھا!

”کیا بات ہے...!“ عمران نے پوچھا۔  
”اُبھی ابھی... اطلاع ملی ہے کہ یا سینم کی بہن بھی مر گئی۔!  
”آؤه....!“ عمران سنائے میں آگیا۔  
”اور یہ کل شام کا واقعہ ہے! اگر میں زینوں سے اتر رہی تھی۔ لڑکھڑائی اور نیچے چل آئی۔  
لوگ اٹھانے دوڑے... لیکن وہ مر چکی تھی.... تفصیل نہیں معلوم ہو سکی۔!  
رحمان چند لمحے کچھ سوچتا رہا تھا پھر اُس نے فون پر رحمان صاحب کے نمبر ڈائل کئے تھے।  
”ہیلو...!“ دوسری طرف سے رحمان صاحب کی آواز آئی۔

”میں بول رہا ہوں جناب! مجھے ابھی ابھی دوسرے حادثے کی اطلاع ملی ہے۔“  
”تمہارا یہ طریقہ اب ناقابل برداشت ہوتا جا رہا ہے۔“ رحمان صاحب کی عصیلی آواز آئی تھی۔  
”میں نہیں سمجھا جتاب...!“  
”کہاں ہو...! مجھ سے فوراً ملو...!“  
”بہت بہتر...!“  
”میں آفس سے سیدھا اگر جارہا ہوں۔!“  
”ابھی حاضر ہوں۔!“

دوسری طرف سے سلسلہ منقطع کر دیا گیا تھا۔  
”رحمان اچھی طرح جانتا تھا کہ اس کا مقصد کیا ہے... اس حادثے کے بعد ہی سے رحمان  
صاحب کی کوئی کڑی مگر انی ہو رہی ہو گی! یعنی اُس نے اورہ کارخ کیا اور مارا گیا۔ لیکن اب  
جانا ہی تھا... روز روشن میں وہ راستہ بھی نہیں استعمال کر سکتا تھا جس کے ذریعے اپنے کمرے  
سے غائب ہو جایا کرتا تھا۔  
وفتناؤہ اٹھ کھڑا ہوا۔ بلیک زیر و اُسے حرمت سے دیکھ رہا تھا۔ کیونکہ شاید یہی بار اُس نے  
اُسکے چہرے پر جھنجھلاہٹ کے آثار دیکھے تھے۔

عمران ہونٹ سکوڑ کر رہ گیا۔  
 ”اور اب یہ کیس میرے محلے کو رینفر کر دیا گیا ہے!“  
 ”تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ علامہ کا پچھا چھوڑ دیا جائے۔“  
 رحمان صاحب کچھ نہ بولے۔  
 ”آپ نے زہر کی بات کی تھی۔“ عمران تھوڑی دیر بعد بولا۔  
 ”ہاں زہر... اسے کھانی کی شکایت ہو گئی تھی... ایک کف سیرپ پی رہی تھی... انہیں زہر کی آمیزش پائی گئی۔“  
 ”کف سیرپ اُس کی موت کے بعد ہی ہاتھ آیا ہو گا...!“  
 ”ہاں!“  
 ”موت کے بعد پولیس تک اطلاع پہنچنے سے قبل خاصاً وقت ملا ہو گا سوتیلی ماں کو...!“  
 رحمان صاحب کچھ نہ بولے... عمران کہتا رہا... ”پہلے ایک حادثہ ہو چکا تھا۔ اس لئے سوتیلی ماں کو اس سلسلے میں محتاط ثابت ہونا چاہئے تھا۔ پولیس کے پہنچنے سے قبل زہر آمیز کف سیرپ کو شیشی سمیت ضائع کر سکتی تھی!“  
 ”میں کب کہتا ہوں کہ مجھے اُس کے مجرم ہونے پر یقین ہے!“  
 ”ظاہر حادثاتی موت تھی۔ پوسٹ مارٹم کی تجویز کس کی طرف سے ہوئی!“  
 ”ایس پی راشد کا علاقہ ہے!“  
 ”اوہ...!“  
 رحمان صاحب ٹوٹنے والی نظر دی سے اُسے دیکھ رہے تھے۔ عمران تھوڑی دیر بعد بولا۔ ”پھر آپ کا محلہ کیا کرے گا!“  
 ”بیگم تصدق کو حرast میں لینا پڑے گا!“  
 ”بے حد ضروری ہے۔“ عمران بولا۔ ”ورنہ شاکر تیسرے شکار خود مسٹر تصدق ہوں ایک نہ اس جرم کو بہر حال بیگم تصدق کے سر تھوپنے کی کوشش کی جارہی ہے۔“  
 ”علامہ والی بات سمجھ میں نہیں آئی۔“  
 ”دفعتہ عمران چوک پڑا تھا۔“

”مسٹر تصدق کے فون نمبر ہیں آپ کے پاس!“ اُس نے رحمان صاحب سے یوچنا۔  
 ”کیوں!“  
 ”ضرورت ہے مجھے!“  
 ”تم اب اس معاملے سے الگ ہو جاؤ!“  
 ”اب الگ ہونے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ ہو سکتا ہے! وہی میں فتح کر دیا جاؤں!“  
 ”کیا مطلب....! اُوہ تو کیا یہ حقیقت ہے کہ علامہ کے شاگردوں کے غائب ہو جانے میں تمہارا ہی ہاتھ تھا!“  
 ”جی ہاں!“  
 ”شیلا اور پیٹر!“  
 ”میں نہیں جانتا کہ وہ کہاں ہیں!“ عمران نے کہا  
 ”سنوا۔! تم میری آنکھوں میں دھول نہیں جھوک کر سکتے۔“ رحمان صاحب غرائے!  
 ”سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ اُن دونوں کے غائب ہو جانے کے بعد ہی میں نے بقیہ لوگوں کو پکرا تھا۔ لیکن وہ علامہ کے بارے میں زیادہ نہیں جانتے تھے!“  
 ”اب مجھے آخری بات بتا دو.... کیا علامہ کسی طرح سر سلطان کے محلے کی گرفت میں بھی اکٹا ہے!“  
 ”فی الحال یقین کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا!“  
 ”تو پھر تم کہاں سے آپکے!“  
 ”ثیریانے کہا تھا بیگم تصدق اُس کی کوئی سر ای رشتہ دار ہوتی ہیں!“  
 ”مجھے معلوم ہے.... کیا تم صرف ثیریا کے کہنے پر...!“  
 ”جی ہاں بات تو اسی لکنے سے شروع ہوئی تھی.... لیکن دیکھنے اختتام کہاں ہوتا ہے! ویسے آپ کا محلہ اپنا کام کرتا رہے اور میں اپنادیکھوں گا!“  
 ”علامہ کے خلاف کتنے ثبوت فراہم کئے ہیں!“  
 ”ثبوت ہی تو نہیں فراہم کر سکا ہوں ابھی تک...!“  
 ”تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا!“

رحمن صاحب وہاں سے چلے گئے... لیکن ملازمین دیں کھڑے رہے۔ انہوں نے اُن سے پھر کچھ کہا بھی نہیں تھا۔

”چھوٹے صاحب!“ سب سے پرانے ملازم نے کچھ کہنا چاہا تھا۔ لیکن عمران ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”اب تو چھوٹے میاں ہی کہو!“

”سر کار نے کہیں گلی ڈنڈا کھلتے ہوئے دیکھ لیا ہو گا!“ سلیمان نے دوسرے ملازمین کی طرف مر کر کہا۔

”تیر اُو بھس کھینچ کر کھال بھر دوں گا.... تیری لگائی ہوئی آگ ہے.... نلا آتی!“ عمران اُسے گونوں دھا کر بولا۔ اتنے میں عمران کی کزنس بھی آپنپیشیں.... اُن کے پیچے گلرخ تھی۔ ”او گلرخ کی پیچی!“ عمران نے اُسے لکارا۔ ”ادھر آ.....!“

”جی صاحب.....!“ وہ سکھی ہوئی آگے بڑھی تھی۔

”یہاں منتقل ہونے کے بعد سلیمان نے ڈیڈی کو اس کی کیا وجہ بتائی تھی!“

”اُرے بُس مجھ سے نہ پوچھئے!“

”تیرے علاوہ اور کوئی سچ نہیں بولے گا!“

سلیمان نے گلرخ کی طرف دیکھا اور کھیانی سی ٹکسی کے ساتھ کہنے لگا۔ ”پھر کیا بتاتا۔.... مجھ سے نہیں۔ میں بتاتا ہوں!“

”جی نہیں.... آپ خاموش رہئے۔ گلرخ بتائے گی اب بولتی کیوں نہیں۔ اگر یہ تجھے نیز ہی آنکھ سے دیکھے گا تو انشاء اللہ زندگی بھر آنکھ نیز ہی ہی رہے گی۔“

ملازمین منہ پھیر کر مسکراتے تھے۔

”اے جاؤ.... تم سب.... عمران ہاتھ ہلا کر بولا۔“ سلیمان اور گلرخ ٹھہریں۔

پھر اُس نے کزنس سے کہا۔ ”آپ لوگ بھی چلنے.... ابھی حاضر خدمت ہوتا ہوں!“ وہ بھی نہتی ہوئی چلی گئی تھیں۔ اب عمران نے اٹھ کر سلیمان کا گریبان پکڑا۔

”اُرے تو بتا بھی دے جلدی سے! دوسال پرانی قمیض ہے!“ سلیمان نے گلرخ سے کہا۔

”صاحب! اس نے بڑے صاحب سے کہا تھا کہ بہت براخطرہ تھا شاکر پوری بلڈنگ ڈائیمیٹس سے ازادی جاتی!“

”اب تو میرا بھی بھی خیال ہے! بیگم تقدیق پر الزام نہ آنے دینے کی کوشش کر رہا تھا۔ لیکن وہ بہر حال دھر لی جائیں گی۔ لہذا میر افترست ختم...!“

”میا مطلب!“

”مطلوب یہ کہ اب دوسرا قصہ شروع ہو گا۔ علامہ مجھے قتل کرادینے کی کوشش کرے گا۔ اور مجھے اپنا بچاؤ کرنے کے سلسلے میں جو کچھ بھی کرتا پڑے گا۔ وہ آپ کے محلے کو پسند نہیں آئے گا۔“ ”میں کہتا ہوں کہ کھل کر بات کرو۔“ رحمن صاحب پیر ٹھیک کر بولے۔

”اس کیس کے دوران میں دوبار مرتبے مرتبے بچا ہوں.... ایک بار جب جوزف کی ناگزئی تھی.... اور دوسری بار جب موڑرینگ گراؤنڈ میں دھماکے ہوئے تھے!“

”تریننگ گراؤنڈ کے دھماکے.... وہاں تو خون بھی ملا تھا!“

”وہ سر سلطان کے محلے کے ایک آدمی کا خون ہوتا تھا!“

”کیا مر گیا!“

”نہیں زخمی ہے۔ حالت نازک ہے۔!“

”کہیں کوئی رپورٹ درج نہیں کرائی گئی!“

”سر سلطان جائیں!“

رحمن صاحب نڈھاں سے ہو کر بیٹھ گئے تھے۔

پھر اٹھے اور گھنٹی کا میٹن دبا کر دروازے کے قریب ہی کھڑے رہے تھے۔ عمران سر جھکائے بیٹھا تھا۔ گھنٹی کی آواز پر ایک ملازم دوڑا آیا تھا۔

”سارے ملازمین کو یہاں بلاو۔“ رحمن صاحب نے اُس سے کہا۔

عمران کے کان کھڑے ہوئے تھے اور اُس نے آنکھیں چھاڑ کر رحمن صاحب کی طرف دکھا تھا۔ لیکن وہ سختی سے ہونٹ سینچنے خاموش کھڑے رہے۔

جب سارے ملازم وہاں اکٹھا ہو گئے تو انہوں نے عمران کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا۔ ”جگہ سے باہر قدم نہ رکھنے پائے۔“ اور عمران پیٹ پر ہاتھ پھیر کر رہ گیا۔

ان ملازمین میں سلیمان بھی شامل تھا اور عمران کو عجیب سی نظریوں سے دیکھے جا رہا تھا۔ ”

عمران کا یہ عالم تھا کہ ہونقوں کی طرح ایک ایک کی شکل تک رہا تھا۔

”کیوں بے۔!“ عمران نے گریبان کو جھکا دیا۔

”اور کیا کہتا کہ کسی عورت کے ذر سے بھاگے بھاگے پھر رہے ہیں۔!“

”کون سی عورت۔!“ عمران نے آنکھیں بکالیں۔

”اگر نام پر معلوم ہوتا تو خود ہی نہ جا کر ہاتھ پر جوڑ لیتا۔!“

”کیا بھگ پر رکھی ہے تو نے۔!“

”عورتوں کے علاوہ تو اور کسی سے بھی اس طرح بھاگتے نہیں دیکھا آپ کو.... اور میں تو یہ سمجھتا تھا شائد فوکر دل پر بھی ہاتھ چھوڑ دیتی ہے اسی لئے آپ نے ہمیں فلیٹ سے ہٹا دیا ہے۔!“

”تیر اتو میں قیمہ بناوں گا۔!“

”آپ کے بغیر دل ہی نہیں لگ رہا تھا یہاں۔ خدا سلامت رکھے سر کار کو میں خاص طور پر دیکھوں گا کہ ان کے حکم کی قیمتیں ہو رہی ہے یا نہیں۔!“

”تو کھڑی سُر رہی ہے اس کی باتیں۔!“ عمران گل رخ کی طرف دیکھ کر غریا۔

”کیا جچچ کوئی عورت ہی ہے صاحب۔!“ گلرخ نے شرما کر پوچھا۔

”کیا تو بھی تھپٹر کھانا چاہتی ہے۔ عمران آنکھیں نکال کر بولا۔“ چل جلدی سے ٹیلی فون ڈائرکٹری اٹھا لاء۔“

وہ دوڑتی ہوئی چلی گئی تھی۔ سیلیمان خاموش کھڑا رہا۔ عمران کے انداز سے بھی ایسا لگنے لگا تھا جیسے اب اسے وہاں سیلیمان کی موجودگی کا احساس نکل نہ ہو! پھر گلرخ کی واپسی ہی پر چوڑا تھا۔

اُس کے ہاتھ سے ٹیلی فون کی ڈائرکٹری لیتا ہوا بولا۔ ”اب اپنے ڈم پچھے سمیت دفع ہو جاؤ یہاں سے۔!“

”صاحب آپ ناراضی تو نہیں ہیں اس سے۔!“ اُس نے سیلیمان کی طرف دیکھ کر کہا۔

”میں نے کہا تھا دفع ہو جاؤ۔!“ وہ ہاتھ ہلا کر بولا۔

ان کے پلے جانے کے بعد اُس نے ٹیلی فون ڈائرکٹری کی ورق گردانی شروع کی تھی.... مشر تصدق کے نمبر مل جانے پر اٹھا تھا اور اُس کرے میں آیا تھا جہاں فون رکھا تھا۔

نمبر ڈائل کے.... دوسرا طرف سے کسی عورت کی بھرائی ہوئی سی آواز آئی تھی۔

”کیا تصدق صاحب تشریف رکھتے ہیں۔!“ عمران نے پوچھا۔

”کون صاحب ہیں۔!“

”تصدق صاحب ہی کو بتا سکوں گا۔!“

”وہ موجود نہیں ہیں۔!“

”ایم تصدق کو بلا دیجئے۔!“

”میں ہی بول رہی ہوں۔!“

”ایم صاحبے! میں مشر رحمان کے آفس سے بول رہا ہوں۔!“

”لف.... فرمائے۔!“

”میا آپ میاں تو قیر محمد جباریم کو جانتی ہیں۔!“

”کیوں! نام سناتے ہے.... ملے کا اتفاق نہیں ہوا۔“

”نام کس سے منا تھا۔!“

”تصدق صاحب سے.... مر حومہ لڑکوں کے خالہ زاد بھائی ہیں۔!“

”اُوہ.... یعنی تصدق صاحب کی پہلی یہوی میاں تو قیر کی خالہ تھیں۔!“

”میں ہاں....!“

”مگل....!“

”میں ہاں۔!“

”آپ کو اپنے کسی ملازم پر شہر ہے۔!“

”پہلے ہی پولیس کو بتایا جا پکا ہے کہ ہماری مالاکل دوپہر سے غائب ہے....!“

”یعنی حادثے سے قبل ہی غائب ہو گئی تھی۔!“

”میں ہاں.... کل سے پہر کو اسے واپس آتا تھا۔ آج تک نہیں آئی۔!“

”کہاں رہتی ہے۔!“

”تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ وہ پولیس کو اپنے گمر پر بھی نہیں ملی۔!“

عمران ان کے سوال کو نظر انداز کر کے بولا۔ ”میاں تو قیر کے اور کسی قریبی عزیز کا نام بتا گئی۔!“

”میں ان لوگوں سے زیادہ واقفیت نہیں رکھتی! آپ تصدق صاحب سے براہ راست

”تمہیں کیا ہو رہا ہے۔!“  
 ”مم.... میں.... اب مر جانا چاہتی ہوں۔!“  
 ”پوچھنی کی باتیں مت کرو۔!“  
 ”یقین سمجھ۔ آپ کی زبان سے یہ سننے کے بعد زندہ رہنے کی خواہش نہیں رہی۔!“  
 ”آخر کیوں۔!“  
 ”اس لئے کہ آپ کے علاوہ اور کسی مرد کا تصور میرے قریب بھی نہیں چکتا۔!“  
 ”مم.... میرا۔!.... قصور۔!“ علامہ کی زبان لڑکھرا گئی۔  
 ”جی ہاں۔!“ فرحانہ کی آواز گھنٹے لگی تھی۔  
 ”یہ تم کیا کہہ رہی ہو۔!“  
 ”میں دل کی گہرائیوں سے کہہ رہی ہوں۔ کبھی زبان نہیں کھوئی لیکن اب میری برداشت سے باہر ہے۔ یا آپ یا کوئی نہیں۔.... اُس سے بہتر تو موت ہو گی کہ میں خود ہی اپنے ہاتھوں۔....  
 اپنے بذبات کا گلا گھونٹ دوں۔!“

”میں نے تو تمہارے مستقبل کے لئے ایک خواب دیکھا تھا۔!“  
 ”اے خواب ہی رہنے دیجے! اگر حقیقت بنا تو میں بے موت مرجاں گی۔!“  
 علامہ کے چہرے پر سر اسیمگی کے آثار تھے اور خود اسکی پیشانی سے بھی پیسہ پھوٹ رہا تھا۔!  
 ”تت۔.... تم نے مجھے دشواری میں ڈال دیا ہے فرحانہ۔.... میں تمہارے جذبے کی قدر کرتا ہوں۔.... لیکن۔....!“  
 ”کیا میں کسی قابل نہیں ہوں۔!“  
 ”یہ بات نہیں ہے! تمہیں اپنا کر مجھے بے حد خوشی ہوتی۔ لیکن میں ایک بد نصیب آدمی ہوں۔!“  
 ”میں تو ایسا نہیں سمجھتی۔!“  
 ”کماش! تمہیں پہلے نہیں سے میرے اس ذہنی مرض کا علم ہوتا۔!“  
 ”کس ذہنی مرض کا۔!“

علامہ کوئی جواب دیجے بغیر مذا اور تھکنے تھکنے قدموں سے چلتا ہوا اُس کری کی طرف آیا جس پر کچھ دیر پہلے بیٹھا ہوا تھا۔ بے سدد سا ہو کر کری پر ڈھیر ہو گیا۔

”معلومات حاصل سمجھے۔!“  
 ”بہت بہتر۔.... شکریہ۔!“ عمران نے ریسیور کریٹل پر رکھ کر طویل سانس لی تھی۔!  
 ◆  
 ایئر پورٹ سے سید ہمی دہ علامہ کے گھر پہنچی تھی۔ رات کے آٹھ بجے تھے۔.... جیسے یہ علامہ کے پاس اُس کا کارڈ پہنچا تھا وہ خود ہی اُس کی پذیرائی کے لئے برآمدے میں نکل آیا تھا۔  
 ”خوش آمدید۔.... فرحانہ۔....!“ اُس نے اُس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے کہا۔  
 ”بڑی تھکن محسوس کر رہی ہوں۔ ایئر پورٹ سے سید ہمی ادھر ہی چلی آئی ہوں۔!  
 ”چلو۔.... اندر چلو۔!“  
 وہ شنگ رومن میں آئے تھے۔  
 ”مشن کامیاب رہا ہے۔!“ وہ بیٹھتی ہوئی بولی۔

”مجھے ہمیشہ سے تمہاری صلاحیتوں پر اعتماد رہا ہے۔!  
 ”اُس نے شادی کی درخواست پیش کر دی ہے۔!  
 ”زندہ باد۔....!  
 ”لیکن اب کیا ہو گا۔!  
 ”شادی۔....!  
 ”علامہ اُس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا۔  
 ”جی۔....!  
 ”فرحانہ جاوید بوكھلا کر اٹھ گئی۔  
 ”بیٹھو۔.... بیٹھو! اس میں پریشانی کی کیا بات ہے۔!  
 ”مم۔.... میں۔.... نہیں۔!  
 ”اوہ۔.... کیا ہو رہا ہے تمہیں۔....!  
 ”علامہ اٹھ کر اس کی طرف بڑھا۔ فرحانہ کے اعضا مثلاً تیج سا ہونے لگا تھا۔ پیشانی پسینے سے بھیگ گئی تھی۔  
 ”فرحانہ۔!  
 ”علامہ نے جھک کر اسے آواز دی۔  
 ”جی۔....!  
 ”وہ نحیف سی آواز میں بولی۔

وہ کچھ نہ بولی۔ علامہ نے کہا۔ ”ہرگز نہیں.... اگر کبھی ایک جب بھی طلب کروں تو کتنے کا  
لپه سمجھنا۔“

”میری سمجھ میں نہیں آ رہا۔“

”غیر... ہاں تو تم نے اُس کی درخواست پر کیا کہا تھا!“

”اس قسم کی کوئی بات آپ ہی سے کی جائے!“

”گلڈ...! میں ایسی صورت میں بیکی چاہتا۔ تم بہت ذین ہو فرحانہ.... کیڑوں کمزوروں سے  
بہت بلند...!“

”لیکن... لیکن...!“

”سنو....“ دفعٹا وہ آہستہ سے بولا۔ ”مجھ پر اعتناد کرو.... نکاح کے فوراً بعد ہی وہ بیمار  
ہو جائے گا اور تم محفوظ رہو گی.... ہو سکتا ہے وہی بیماری موت کا سبب بن جائے!“

فرحانہ ایک بار پھر کانپ اٹھی۔

ٹھیک اُسی وقت فون کی گھنٹی بجی تھی۔ علامہ نے اٹھ کر رسیور اٹھایا۔  
”بیلو!“

”علامہ دہشت....!“ آواز نسوائی تھی۔

”ہاں میں ہی بول رہا ہوں.... کون ہے....?“

”میں یا سکین کی روح بول رہی ہوں!“

”کیا مذاق ہے؟.... کون ہے....?“

”تمہارا باپ پیر علی ایک دیندار آدمی تھا.... اُس کی روح تمہاری حرکات سے خوش نہیں  
ہے.... یقین کرو.... میں یا سکین کی روح ہوں کل شام میری بین بھی میرے پاس پہنچ گئی  
ہے.... تمہارا بہت بہت شکریہ!“

”نکو اس بند کرو....!“ علامہ حلق پھاڑ کر دہاڑا.... اور رسیور کریڈل پر ٹھنڈ دیا۔ وہ نمری  
لڑکا اپر رہا تھا۔

”کیا بات ہے.... کیا ہوا....!“ فرحانہ اٹھ کر اُس کے پاس آ کھڑی ہوئی۔

”کچھ نہیں! کوئی شرابی تھا! یا کوئی بیہودہ اسٹوڈنٹ.... مجھے سے پوچھ رہا تھا.... اُوہ بیہودہ

”کیسا ہی مرض.... مجھے بتائے تا۔!“ فرحانہ اٹھتی ہوئی بولی۔

اب وہ اس کے قریب فرش پر آ بیٹھی تھی۔

”ت.... تم نہیں سمجھ سکتیں۔!“

”آپ بتائیے بھی تو....!“

”س... ساری دلکشی عورتیں مجھے اپنی ماں میں اور بیٹیں لگتی ہیں۔ ان سے شادی کا تم  
بھی نہیں کر سکتا۔!“

علامہ کی شخصیت ہی بدلتا رہ گئی تھی۔ اتنی ذرا سی دیر میں برسوں کا بیمار نظر آنے والا تھا  
سارے کپڑے پہننے سے ٹھر ہو گئے تھے۔

”تو پھر.... مجھے میاں تو قیر سے شادی پر مجبور نہ کیجئے! آپ نہیں تو کوئی بھی نہیں... تل  
اس کے کہ کسی دوسرے کا ہاتھ...!“

”خاموش رہو.... خدا کے لئے ذرا دیر خاموش رہو.... ہبھاں سے بہت جاؤ۔... وہیں بھو  
جہاں بیٹھی ہوئی تھیں۔!“

فرحانہ نے فوراً قیمت کی تھی اور بُرے تشویش نظروں سے اُس کی طرف دیکھے جا رہی تھی۔  
علامہ نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ ”اگر یہ بات تھی تو تم اس کام کے لئے تیار کیوں ہو گئی تھیں۔!  
”کیا کبھی ایسا ہوا ہے کہ آپ کے کسی حکم کی قیمت نہ کی ہو! لیکن تصور بھی نہیں کر سکتی تھی  
کہ تجھے اُس سے شادی بھی کرنی پڑے گی۔!“

”سنو....!“ علامہ سید حاہو کر بیٹھتا ہوا بولا۔ ”یہ تمہاری صلاحیتوں پر منحصر ہے کہ تم اُنے  
اپنے قریب بھی نہ آنے دو اور وہ ناگواری بھی نہ محسوس کرے... صرف چند دن... اور اُس کے بعد  
اُس کا خاتمہ... پہلے تو میں نے یہی سوچا تھا کہ کوئی نائم بم اُسکے چھترے ازادے گا لیکن پھر خیال  
آیا کہ اتنی بڑی جائیداد خواہ مخواہ ضائع ہو جائے گی۔ کیوں نہ وہ اپنے ہی کسی آدمی کے ہاتھ لے گے۔  
نزو دیک یادو رکا کوئی بھی ایسا عزیز زندہ نہیں ہے جسے اُس کے ترکے کا چھوٹا سا حصہ بھی بہنچ سکے۔!

ایک ٹھنڈی سی نہر فرحانہ کے جنم میں دوڑ گئی۔

علامہ کہتا رہا۔ ”سب کچھ تمہارا ہو گا.... صرف تمہارا.... میری طرف دکھو! کیا تم  
سمجھتی ہو کہ تمہارے توسط سے میں اُس کی دولت بھی تھیں اچاہتا ہوں۔!“

کہیں کا... بد تیزی!“

”کیا پوچھ رہا تھا!“

”تم کیا سمجھتی ہو.... میں کوئی بیہودہ بات کسی خاتون کے سامنے دھراوں گا!“

”اوہ.... معاف کیجئے گا!“

”اچھا ب تم جاؤ.... آرام کرو.... لیکن مٹھر و.... تم نے جس یورپین عورت کا ذکر کرائے خط میں کیا تھا... وہ واپس چل گئی یا ابھی جھریام ہی میں مقیم ہے!“

”وہا بھی وہیں قیام کرے گی!“ فرحانے نے بیزاری سے کہا۔

”تم نے یہ تو نہیں محسوس کیا کہ وہ تمہاری ٹوہ میں رہتی ہو!“

”نہیں میں نے الی کوئی بات محسوس نہیں کی!“

”خوبصورت ہے!“

”میں نے کم ہی یورپین عورتیں اتنی خوبصورت دیکھی ہوں گی!“

”اچھا.... اچھا! خدا حافظ....!“ علامہ نے کہا تھا اور اس کے ساتھ برآمدے تک آیا تھا۔

ڈرائیور کو آواز دے کر کہا تھا۔ ”مس صاحب کو ان کے گھر پہنچا آؤ!“

اندر واپس آ رہا تھا کہ پھر فون کی گھنٹی کی آواز سنائی دی۔!

تیزی سے سٹنگ روم میں داخل ہو کر ریسیور اٹھایا تھا۔

”یا سکین کی روح!“ دوسری طرف سے آواز آئی۔

اس بار علامہ کے ہوتلوں پر مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔ اور اس نے کہا تھا۔ ”تم جو کوئی

ہو.... میں اچھی طرح سمجھتا ہوں!“

”میں یا سکین کی روح ہوں.... اور یہ کہنا چاہتی ہوں کہ ابھی تک وہ ماما عالم ارواح میں نہیں

پہنچی جس نے میری بہن کو میرے پاس پہنچانے میں مدد دی تھی۔!“

”تم کس وہم میں جلتا ہو۔ تم نے میرے دوشگرد دوں کو ابھی تک روک رکھا ہے۔ ایہ اچھی

بات نہیں!“

”پیر علی کے بیٹے! تم خود کسی وہم میں جلتا ہو۔ اور یہاں عالم ارواح میں افواہ گردش کر رہا

ہے کہ عنقریب تم بھی نہیں پہنچنے والے ہو۔ پیر علی جیسا صابر و شاکر بنہے تمہاری وجہ سے بارگا!“

”اوہ! میں سخت شر مندہ رہتا ہے!“

”بکواس بند کرو!“ علامہ حلق پھاڑ کر دھڑا تھا۔

”لیکن دوسری طرف سے ہکھتی ہوئی کی آواز سنائی دی تھی!“

”یا سکین کی آواز نہیں ہے!“ علامہ نے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

”عالم ارواح میں بہتری تبدیلیاں ہو جاتی ہیں۔ یہاں جسم تو ہے نہیں کہ آواز کو من و عن

بیت میں برقرار رکھ سکے۔ بہر حال تمہاری آمد آمد کا شہر ہے یہاں!“

”اس سے پہلے تو جائے گا۔ بلک میل!“

”پا نہیں تم کیا کہہ رہے ہو!“

”میں نے تھے اپنا فیصلہ سنادیا!“ کہہ کر علامہ نے ریسیور کریڈل پر ٹھنڈیا۔

اس کے چہرے پر ہوا یاں اڑ رہی تھیں۔ آنکھوں سے برسوں کا بیمار لگنے لگا تھا۔!

فون کی گھنٹی پھر بجی..... اس نے عجیب سی نظروں سے فون کی طرف دیکھا تھا.... ویسے

چکٹ کے آثار بھی اس کے چہرے سے عیاں تھے.... ہاتھ آہستہ آہستہ ریسیور کی طرف

چھکتے کے ساتھ اس نے ریسیور اٹھایا تھا۔!

”ہیلو!“ اس بار اس کی آواز حیرت انگیز طور پر بدی ہوئی تھی۔!

”پروفیسر صاحب تشریف رکھتے ہیں!“ دوسری طرف سے مردانہ آواز آئی۔

”آپ کون صاحب ہیں۔“

”میں نے پوچھا تھا کہ کیا پروفیسر صاحب تشریف رکھتے ہیں!“

”میں نہیں! آپ کاتام.... کوئی تیج....!“

”بڑا است گفتگو کرنی تھی!“

”نام جتاب!“

لیکن جواب ملنے کی بجائے دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہونے کی آواز آئی تھی۔!

اُس نے بھی ریسیور رکھ دیا اور نہ حال سا ہو کر آرام کر سی پر یہم دراز ہو گیا۔!

آنکھیں بند تھیں اور وہ گھری گھری سانسیں لے رہا تھا۔

تو ہوزری دیر بعد اُس نے آنکھیں کھولی تھیں اور آہستہ سے بڑھ دیا تھا۔ ”پیر علی کے بیٹے! پ

پیر علی کے بیٹے.... کون جانتا ہے۔ کیا وہ بیک میلر.... پیس کر رکھ دوں گا!۔“  
دفعہ اُس کی آنکھیں شعلوں کی طرح دکھنے لگی تھیں.... پیشانی کی رگیں ابھر آئیں۔ ایسا گز  
تھا جسے اپنی راہ میں حائل ہونے والے پہاڑوں کو بھی ریزہ ریزہ کر کے رکھ دے گا!



عمران فون کاریسیور کہ کر مڑا تھا۔ پیچے بلیک زیر کھڑا نظر آیا۔  
”کوئی خاص بات!“

”جی ہاں! خاور کی اب تک کی روپورٹ کا ماحصل یہ ہے کہ وہ شخص خواہ کہیں بھی جائے اُس  
کی واپسی ستلام ہاؤز ہوتی ہے! اور وہ اس وقت بھی ظفرالملک کے بنگلے کے قریب موجود ہے۔ ذرا  
کرشی اور مانگل کا تعاقب کرتا ہو ادھاں پہنچا تھا!“  
”اوہ.... تو وہ خود ہی پہنچ گئی ظفر کے پاس!“

”جی ہاں...!“

”خیر دیکھوں گا!“ عمران نے کہا۔

”کیا یہ ممکن ہے کہ میاں تو قیصر کچھ دنوں کے لئے غائب ہو جائیں!“  
”میں بھی بھی سوچ رہا تھا!“

”رانا پبلیک میں بڑی سماں ہے!“

عمران کچھ نہ بولا.... رحمان صاحب نے اُس پر کوئی بھی تکمیل نہ دو رہنے کی پابندی لگا لی۔ لیکن سر شام ہی کسی نہ کسی طرح ملازموں کو ڈوچ دے کر نکل بھاگا تھا۔ اور اس وقت گیا  
اسے اپنے آس پاس کوئی ایسا آدمی نہیں دکھائی دیا تھا جس پر تعاقب کرنے والے کا شبہ کیا  
جا سکتا!“

”پیر کا کیا حال ہے!“ اُس نے پوچھا۔

”فی الحال تو نہ سکون نظر آ رہا ہے۔ چپ چاپ پڑا رہتا ہے۔ کھانا بینا قطعی ترک کر دیا ہے!“  
”خصوصی غمہ داشت کی ضرورت ہے! خیال رکھنا اور اب خاور سے کہہ دو کہ اگر اس آدمی کی

”اپسی ستلام ہاؤز میں ہوتی ہے تو اس کی گنگاری کی ضرورت نہیں۔!“  
”کیوں....؟ میں نہیں سمجھا جتاب!“

”جس کے لئے کام کر رہا ہے اُس تک اُس کی پہنچ نہیں معلوم ہوتی۔ لہذا اُس پر وقت صرف  
کرنا پیدا ہے۔ اُوہ ستلام ہاؤز ہی میں کسی کو روپورٹ دیتا ہے اور وہ اس روپورٹ کو آگے بڑھادیتا  
ہو گا۔ لہذا اپنی شہر و نیک رسائی اُس کے توسط سے ممکن نہیں!“  
”اگر ہی شہر و اتنا محتاط نہ ہوتا تو کبھی نہ کبھی ہمیں بھی اس کی ہوا گئی ہی ہوتی!“ بلیک زیر و  
نے کہا۔

عمران کچھ نہ بولا! وہ پھر کسی کے نمبر ڈائیکل کر رہا تھا۔ بلیک زیر و کمرے سے چلا گیا۔  
”ہیلو....! کون صاحب ہیں!“ عمران نے ماڈ تھہ نہیں میں کہا۔

”سلمانی....!“

”میں ذہنی مریض ہوں....!“ عمران بولا۔

”اوہ.... میرے دوست....! کیا کوئی اچھی خبر سناؤ گے!“

”ہم کہاں مل سکیں گے!“

”کہیں بھی نہیں! فی الحال میں کسی کو اپنی شکل نہیں دکھا سکتا!“

”کیوں؟ خیریت تو ہے!“

”میرے چہرے پر لمبی لمبی خراشیں ہیں....! وہ پاگل ہوتی جا رہی ہے میری سمجھ میں نہیں  
آتا کیا کروں!“

”کیا کوئی نیا مہمان وارد ہوا ہے!“

”نہیں تو.... سلمانی کی آواز آئی“ اُس مردوں کا کہیں پا نہیں.... شائد اسی لئے وہ ایک  
خونخوار بیلی بن گئی ہے!“

”لیکن میرا خیال ہے کہ ایک نیا آدمی تمہاری کوئی میں دیکھا جا رہا ہے!“

”کون ہے....!“

”وہ جس کے دائیں گال پر لمبا ساچوٹ کا نشان ہے!“

”اوہ.... وہ تو میرا پی اے ساجد ہے!“

بہت جلدی میں بلکہ زیر و کوچھ ہدایات دی تھیں اور راتا بیس سے گھر کے لئے روانہ ہو گیا  
فکار کی بجائے گیراج سے موسر سائیکل نکالی تھی۔ اس وقت اسے میک اپ کا خیال آیا تھا اور نہ  
ہاتھ اندری سی کا ہوش تھا۔ بل جلدی گھر پہنچ جانا پڑتا تھا!

کوٹھی کے سامنے ایک جم غیر نظر آیا۔ مسلح پولیس کے جوانوں نے دور تک سڑک کا  
گھیرا کر لیا تھا۔ بدقت تمام چاہک تک پہنچ کا رحمان صاحب وہیں موجود تھے۔  
انے دیکھتے ہی مصطفیٰ باند انداز میں بولے۔ ”چل گئے تھے تو پھر واپس آنے کی کیا ضرورت  
تھی! جاؤ!“

”زرا اندر چلے!“ عمران بولا۔

وہ تیزی سے عمارت کی طرف بڑے تھے۔ عمران ان کے پیچے چل رہا تھا!  
دونوں اندر آئے!

”چوکیدار کا کیا حشر ہوا....!“ عمران نے پوچھا۔

”خوش قست تھا کہ دھماکے سے ذرا ہی دیر پہلے پکن کی طرف چلا گیا تھا!“  
”اب کہاں ہے!“

”پوچھ گھج کے لئے علیحدہ لے جایا گیا ہے!“

”یا کوٹھری مغلول کر کے پکن کی طرف گیا تھا!“

”نہیں۔“

”تمام بہر۔“

”ابھی کچھ نہیں کہا جا سکتا۔“ رحمان صاحب اُسے بغور دیکھتے ہوئے بولے۔ ”میا تم مجھ سے  
کچھ چھپانے کی کوشش کر رہے ہو۔!“

”شہزادی کسی پی کے بارے میں کوئی ریکارڈ ہے آپ کے مجھے کی تحویل میں۔!“

”میں نہیں جانتا!“

”یہ بات مجھے کس سے معلوم ہو سکے گی۔!“

”قیاض سے.... لیکن یہاں کسی پی کا کیا ذکر!“

”وہ علامہ کے غائب ہو جانے والے شاگردوں میں دل چھپی لے رہا ہے! اور اسے میری

”تمہارا پی اے....!“

”ہاں.... سجاد... قریباد سال سے میرے پاس ہے....! استنام ہاؤز ہی کے ایک حصے  
میں اُسے جگہ بھی دے رکھی ہے۔!“

”میا آجکل اُس سے کسی کی گفرانی کر ا رہے ہو۔!“

”نہیں تو.... سوال ہی نہیں پیدا ہوتا.... کیا مجھے پیری میں سمجھ رکھا ہے تم نہ۔!“

”تو پھر میرے آدمی کو غلط فہمی ہوئی ہو گی!“ عمران طویل سانس لے کر بولا۔

”وہ میرا ایک قابلِ اعتماد لازم ہے۔!“

”اچھا شکر یہ....!“ کہہ کر عمران نے رسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

وہ فکر مند نظر آنے لگا تھا....! دو ہی صورتیں ہو سکتی تھیں یا تو ساجد تھیں ما کور پورٹ دیتا تھا  
یا بر اور است ملوث تھا۔ اس طرح کہ سلمانی کو آج تک اس کی خبر ہی نہ ہو سکی ہو۔!

اُس نے پر تھکر انداز میں دوبارہ فون کی طرف ہاتھ بڑھایا تھا اور اس بار گھر کے نمبر ڈائل  
کئے تھے۔ گھنٹی بجتی رہی۔ کوئی رسیور اٹھانے والا نہیں تھا! اور کم از کم یہ رحمان صاحب کی کوٹھی  
کے لئے ناممکنات میں سے تھا۔

”ہیلو!“

عمران آواز نہیں بیچاں سکا تھا! پکھ اسی طرح کی لرزش تھی اُس آواز میں۔!

”کون ہے۔!“ عمران نے پوچھا۔

”اوہ صاحب جی! غصب ہو گیا میں گلرخ ہوں۔!“

”میا غصب ہو گیا بتانی کیوں نہیں۔!“

”چوکیدار کی کوٹھری میں زیر دست دھماکہ ہوا ہے۔ چا نہیں بیچارہ زندہ ہے یا مر گیا! اس  
ادھر ہی دوڑ گئے ہیں۔!“

”ڈیلی کہاں ہیں....!“

”وہیں ہیں.... سب ادھر ہی گئے ہیں.... میں اور اماں بی ادھر ہیں اماں بی کی حالت خراب  
ہو گئی ہے۔!“

”میں ابھی آیا....!“ عمران رسیور کر کر دروازے کی طرف چھپتا تھا۔

تلاش ہے! اس رات موڑرٹینگ کراؤٹ میں اُسی سے نکلاؤ ہوا تھا!“  
”علامہ.... میری سمجھ سے باہر ہے!“  
”بیگم تصدق کی ماماکار انگ ملایا نہیں!“  
”نہیں!“

”بیگم تصدق کو حرast میں لے جائے!“  
”کیوں....؟ جب تک ماماکار انگ ملے ضروری نہیں سمجھتا۔“  
”معقول رقم دے کر اُسے روپوشی پر آمادہ کر لیا گیا ہو گا!“  
”توبہ تم بھی بھی کہہ رہے ہو حالانکہ آج ہی بیگم تصدق کی موافقت میں بولتے رہے تھے!“  
”ضابطہ کی کارروائی نہ کی گئی تو علامہ کی طرف سے توجہ ہٹانے کے لئے اُس کا ہدرو شہزادور.... نہ جانے کیا کیا کر گذرے گا!“  
”تو تم اس دھماکے کو بھی اُسی سے متعلق سمجھ رہے ہو!“

”جی ہاں....! وہ چاہتا ہے کہ میں کسی طرح سامنے آؤں! ورنہ آپ اپنے چالیس سالہ ملازم چوکیدار کو کوئی ایسا تحریک کا رسم بخجئے جس نے کسی خاص مقصد کے تحت اپنی کو ٹھری میں آتش کیر مادہ چھپا رکھا تھا!“  
”میں تصور بھی نہیں کر سکتا!“ رحمان صاحب نے کہا۔ پھر چوک کر اُسے گھوتے ہوئے بولے۔ ”تمہیں یہاں نہیں آنا چاہئے تھا۔“  
”میری موڑ سائیکل باہر کھڑی ہے.... اُسے کپاؤٹ میں منگوا بخجے گا.... نمبر اسکس والی تین سو بارہ ہے!“  
”اور تم....!“

”کسی طرح نکل جاؤ گا.... موڑ سائیکل بیہیں رہے گی!“

255

لیکن جیسے ہی اشارت کر کے آگے بڑھنا چاہتا تھا کسی نے ڈڈنیا کی باڑھ کے پیچھے سے چلا گئی تھی اور کیری پر بیٹھا ہوا بولا تھا۔ ”چلتے رہو!“  
”اُسک.... کون ہو تم....!“  
”دوسٹ....! چلو کہیں وہ ہماری نظروں سے او جھل نہ ہو جائیں!“  
پھر پاہٹ کے ساتھ اُس نے موڑ سائیکل آگے بڑھائی تھی.... تعاقب جاری رہا!  
اور بالآخر اگلی گاڑی اُسی عمارت کے سامنے جاڑی تھی جہاں ڈورا کر شی کا قیام تھا!  
”اُب بعد ہر میں کہوں گا ادھر چلو۔“ تعاقب کرنے والے کے پیچھے بیٹھے ہوئے اُجھی نے کہا۔  
”میاں تمہیں جانتا ہوں!“ ”تعاقب کرنے والے نے پوچھا۔  
”نہیں! تم مجھے نہیں جانتے!“  
”تو پھر....!“  
”تو پھر کیا! مجھ سے جو کچھ کہا گیا ہے میں کر رہا ہوں۔“ اُجھی نے جواب دیا۔  
”کس نے کہا ہے!“  
”بجٹ کرو گے مجھ سے!“  
تعاقب کرنے والے نے موڑ سائیکل سڑک سے پنجے اتار کر روک دی۔ ...! یہاں اندر ہمراہ اتنا تھا!۔  
”یہ کیا کر رہے ہو!“ اُجھی نے پوچھا۔  
”تمباری ٹھکل دیکھنا چاہتا ہوں....!“ تعاقب کرنے والے نے کہا۔ ... لیکن دوسرے ہی نہیں کوئی سختی چیز اُس کے دامن پہلو سے چھینے لگی اور اُجھی بولا تھا۔ ” غالباً میں نے کہا  
اُب بعد ہر میں کہوں ادھر چلو....!“  
”اُگ.... کیا مطلب....!“  
”یہ میری انگلی نہیں ریو الور کی نال ہے!“  
”اوہ.... لیکن کیوں....!“  
”جہاں لے چلوں چپ چاپ چلتے رہو۔ وجہ بھی بتادی جائے گی....! کیا تم ایڈو وکٹ کیلے کے پیاس نہیں ہو!“

ڈورا کر شی اور سائیکل ظفرالملک کے بیگلے سے برآمد ہوئے تھے.... اور ان کا تعاقب شروع ہو گیا تھا! تعاقب کرنے والے نے ان کی گاڑی اشارت ہوتے ہی اپنی موڑ سائیکل سنپھال لی

”اس سے زیادہ اور کچھ نہیں۔!“ اجنبی بولا۔

”تمہارا بابس کون ہے۔!“

”خوٹی دیر میں میرے والد کا نام بھی پوچھو گے۔!“

”بہت تک مراجع معلوم ہوتے ہو۔!“

”مناسب یہ ہو گا کہ ہم کہیں بیٹھ کر کافی کا ایک ایک کپ پیشیں۔!“ اجنبی بولا۔!

”اچھا خیال ہے! اس طرح میں جلد از جلد تمہاری شکل بھی دیکھ سکوں گا۔“ ساجد نے کہا ”تم تو میرے کو اُنف سے بھی بخوبی واقع معلوم ہوتے ہو۔!“

”ٹپ ناپ کی طرف چلو۔!“

”بت... بہت مہمگی جگہ ہے۔!“

”آخر اجات میرے ذمے....!“ اجنبی بولا۔

”اور اسی طرح ریو اور کی نال پر لے چلو گے۔!“

”ریو اور کی نال نہیں ہنا سکتا۔ اویے تم مطمئن رہو۔ کوئی تیرا اُسے نہیں دیکھ سکے گا۔!“

ٹپ ناپ کی کپاؤٹھ میں پہنچ کر ساجد نے اجنبی کی شکل دیکھی تھی اور ایک سرد سی ہر اس کے پورے جسم میں دوڑ گئی تھی۔ بوی خوناک آنکھیں تھیں۔ بھدی سی موٹی ناک کے پینچے اتنی

گنجان موچھیں تھیں کہ دہانہ دکھائی نہیں دیتا تھا۔!

”اندر چلو.... وہ غرایا تھا۔

”جو کچھ پوچھنا ہو.... یہیں پوچھ لو.... میں اندر نہیں جاؤں گا! یہاں ایسے لوگ بھی ہو گے جو مجھے اچھی طرح پہچانتے ہوں گے۔!“

”تو پھر اس سے کیا فرق پڑے گا۔!“

”میں ایڈو ویٹ نادر سلمانی کا پرشیل استنشت ہوں! بہترے جج اور وکیل مجھے اچھی طرح پہچانتے ہیں۔ اُن سے یہاں ملاقات ہو سکتی ہے۔ ظاہر ہے کہ میری حیثیت اتنی نہیں ہے کہ میں

المیں جگہوں پر دیکھا جاسکوں۔!“

”اور تم یہ نہیں چاہتے کہ یہ بات سلمانی تک پہنچے۔!“

”ظاہر ہے۔!“

”ہاں.... تو پھر....!“

”چلو!“ اجنبی نے ریو اور کی نال کا دباو بڑھاتے ہوئے کہا۔ ”جدھر سے آئے ہو.... اُم ہی بائیک موڑلو!“

تعاقب کرنے والے نے تعقیل ہی کرنے میں عافیت سمجھی تھی۔

کچھ دیر بعد ساجد نے پوچھا تھا۔ ”آخر مجھے کہاں لے جاؤ گے۔!“

”تم لے جا رہے ہو مجھے۔!“ اجنبی بولا۔

”لفٹ لینے کا حریت انگیز طریقہ ہے مشر... اور اگر دوسرا کوئی بات ہے تو یہ بتا دوں کہ میرے پر س میں زیادہ رقم نہیں ہے! اور کلائی پر گھڑی بھی نہیں ہے۔!“

”کلائی پر گھڑی نہ ہونا میرے لئے حریت انگیز ہے۔!“ اجنبی نے کہا۔

”جباں اُترنا ہو بتا دینا.... میں بھی خاصاً زندہ دل ہوں۔!“

”اگر زندہ دل آدمی ہو تو سیدھے ستام ہاؤز ہی کی طرف نکل چلو!“

”کک.... کیا مطلب۔!“

”تم وہیں تو جا رہے ہو۔!“

”تم کیا جانو.... آخر تم ہو.... کون....!“

”زرکے کی ضرورت نہیں.... چلتے رہو۔!“ اجنبی نے ریو اور کا دباو بڑھا کر یادہ بانی کرالی۔

”یہی بتا دو.... آخر چکر کیا ہے۔!“

”تمہیں اس کام پر کس نے لگایا ہے اور کیوں....؟“

”کمال ہو گیا.... نہ لفٹ لینا چاہتے تھے اور نہ مجھے لوٹنا چاہتے تھے.... بس یہ معلوم کرنا چاہتے ہو کہ مجھے کس نے اس کام پر لگایا ہے۔!“

”تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔!“

”اور اگر میں یہ پوچھوں کہ تمہیں اس سے کیا سروکار۔!“

”تو میں صاف صاف بتا دوں گا کہ ڈورا کر شی میرے باس کی محبوبہ ہے اور میرا باس یہ ضر۔“

جاننا چاہے گا کہ اُس کا کوئی رقبہ تو نہیں پیدا ہو گیا۔ اجنبی نے غصیل لمحہ میں کہا۔

”اوہ.... تو یہ بات ہے....!“

”تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ ذور اکی مگر ان خود سلمانی نہیں کر رہا۔“  
”ہرگز نہیں۔!“

”تو پھر۔!“

”بیگم صاحبہ.... سلمانی صاحب کو اس کا علم نہیں۔!  
”ہوں.... وہ کیوں اس کی مگر انی کر رہی ہیں۔!“

”میں نہیں جانتا۔!“

”اچھا تو پھر تم نے ہوٹل سے آن دنوں کا تعاقب کیوں کیا تھا۔!“

”آن میں ایک ڈاڑھی والا بھی بھی تھا.... دراصل وہ ذور اکر شی کی مگر انی اس لئے کر اری ہیں کہ اس کے ایک ملنے والے کا پتہ معلوم کر سکتیں۔ انہوں نے بتایا تھا کہ وہ ڈاڑھی والا ایک بھی ہے۔ بہر حال جب میں نے انہیں اس کا علیہ بتایا تو انہوں نے کہا کہ وہ نہیں ہو سکتا۔!“

”بات کچھ کچھ بھی میں آرہی ہے۔!“ خوفناک شکل والا بھی سر ہلا کر بولا۔ ”غیر۔۔۔ تو یا تم نے اس بھی کو ستانہ ہاؤز میں کبھی نہیں دیکھا جس کا پتہ تھیما معلوم کرتا چاہتی ہے۔!  
”نہیں۔۔۔ میں نے ستانہ ہاؤز میں کبھی کوئی بھی نہیں دیکھا۔!“

”کوہرا کھلاتا ہے۔!“

”پہلی بار نام سن رہا ہوں۔....!“

”غیر۔۔۔ تو تم اس ملاقات کا ذکر تھیما سے نہیں کرو گے۔! میرا بابا سمجھتا تھا کہ کوئی مرد ہے تمہاری پشت پر۔۔۔ لیکن بھی والا چکر بھی میرے باس کے لئے دل جسی سے خالی نہ ہو گا۔!“

”تمہارا بابا کون ہے۔....!“

”اس کی فکر نہ کرو۔۔۔ یہ لو۔۔۔ رکھو۔۔۔ جہاں دل چاہے کافی پی لینا۔!“ ابھی نے پرس سے پچاس کا ایک نوٹ کھینچا اور اس کے باٹھ پر رکھتے ہوئے کہا ”اگر اس بھی کا سراغ مل جائے تو مجھے بھی مطلع کرنا۔۔۔ اس طرح تم سوسو کے پانچ کڑیاتے ہوئے نوٹ کا سکو گے۔!“

”ساجد نے اس کے باٹھ سے نوٹ جھپٹے ہوئے کہا۔“ تم سے کس طرح رابطہ قائم کر سکوں گا۔!

”ذہم پ میرا نام ہے۔۔۔ اور یہ فون نمبر۔....!“

”اُس نے اسے ایک کارڈ دیا تھا جس پر صرف فون نمبر چھپا ہوا تھا۔“

”اور ہاں! وہ باتھ اٹھا کر بولا۔“ اگر میں نہ ملوں تو پیغام دے دینا۔!“

”ایسا ہی ہو گا۔!“

”ایک بار پھر آگاہ کر دوں کہ تھیما کو ہماری ملاقات کا علم نہ ہونے پائے۔!“

”مطمئن رہو۔۔۔!“



اُس رات شہر میں کئی جگہ دھا کے ہوئے تھے! اور پولیس ہیڈ کوارٹر اپنے دوسرے معاملات کو اتنا، میں ڈال کر اُن کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔!

لوگ خوفزدہ تھے۔۔۔ ان دھا کوں سے زیادہ تر سرکاری افسروں کو نقصان پہنچا تھا۔ اس لئے پولیس نے وطن دشمن اور تحریک کار عناصر کی تلاش شروع کر دی تھی۔ سابقہ خراب ریکارڈ رکھنے والے افراد کو بھی گرفتار کر لیا گیا تھا۔ لیکن رحمان صاحب کا حکم شہر در تائی کسی بھی کی تلاش میں تھا۔ ویسے وہاں اُس کا کوئی ریکارڈ موجود نہیں تھا۔

فیاض کو حیرت تھی کہ آخر یہ نیا نام کہاں ہے آپکا۔ لیکن چونکہ ہدایت برادر رامست رحمان صاحب کی طرف سے جاری ہوئی تھی اس لئے چوں وچرا کی گنجائش ہی باقی نہیں رہی تھی۔

خود فیاض کو دفتر چھوڑنا پڑا تھا اور اب اسے بڑی شدت سے عمران کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔

ادھر عمران دوسرے چکروں میں تھا۔ کچھ بھی دیر پہلے سائیکلو مینشن کے آپریشن روم میں جو لیا کا پیغام موصول ہوا تھا جسے ذی کوڈ کرنے کے بعد دوبارہ پڑھ رہا تھا۔!

پیغام کے مطابق میاں تو قیر نے فرمانہ جاوید سے شادی کی درخواست کی تھی۔ اور جلد ہی اُس کے گارڈین علامہ دہشت کی خدمت میں بھی حاضری دینے والے تھے۔ کیونکہ اُن کی درخواست پر فرمانہ نے بھی مشورہ دیا تھا۔ میاں تو قیر کی خواہش ہے کہ جو لیا بھی اُن کے ساتھ چلے۔۔۔ روائی کا دن مقرر نہیں ہو سکا تھا۔ وقت کا تعین ہوتے ہی اطلاع دی جائے گی۔

سائیکلو مینشن سے عمران رانا پولیس پہنچا تھا۔۔۔ اور بلیک زیر و کو طلب کر کے اُسے جو لیا کا

”بقول آغا خڑ - چڑا پچد ک کر باز کے پنجے میں آگئی ! مجھے پہلے ہی خدا شہ تھا !“ بیک  
زیر و کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”اسی لئے میاں تو قیر کی گندگی پر زور دیا تھا !“

”سوال تو یہ ہے کہ تمہاری تجویز کو بروئے کار کیسے لایا جائے !“  
”راستے ہی سے لے لڑیں !“

”یہ صرف اسی صورت میں ممکن ہو گا جب ٹرین سے سفر کیا جائے ! اگر فٹیا لا کے ہوائی اڈے  
سے روانہ ہوئے تو یہاں کے ایئر پورٹ ہی پر ان سے ملاقات ہو سکے گی ... ویسے میرا ہبی اندازہ  
ہے کہ میاں تو قیر ٹرین میں وقت نہیں ضائع کریں گے !“

”یہاں کے ایئر پورٹ پر بھی کوشش کی جا سکتی ہے !“  
”اسی صورت میں جب میاں تو قیر علامہ یا فرخانہ کو اپنی آمد سے مطلع کئے بغیر روانہ  
ہو جائیں گے !“

”جو لیا تو ہمیں روائی کے وقت سے ضرور مطلع کر دے گی !“  
”دیکھا جائے گا !“ عمران نے شانوں کو جذب دی۔ چند لمحے کچھ سوچتا ہا پھر بولا۔ ”اب یہ  
سارے معاملات تم سننا لو گے۔ میں تو چلا۔ فون پر رابطہ رکھوں گا !“  
پھر اُس نے اُسے ساجدہ سے متعلق ہدایات دی تھیں اور ڈھنپ نکے نام اُس کی کسی متوقع  
فون کاں کے بارے میں بتاتے ہوئے کہا تھا۔ ”اُس کا وہ پیغام ریکارڈ کر لینا۔“  
”بہت بہتر۔ !“

پھر وہ پیٹر کے کمرے میں آیا تھا جس کی حالت پہلے سے مختلف نظر آرہی تھی .... عمران کو  
اُس نے اس طرح دیکھنا شروع کیا تھا جسے پہچاننے کی کوشش کر رہا ہو ....!  
”کیا حال ہے .... !“ عمران نے پوچھا۔

”ٹھیک ہے .... خدا کا شکر ہے .... میں نے آپ کو پہچانا نہیں !“  
”تم مجھے کیا پہچانو گے۔ بہت چھوٹا سا تھا جب مجھے دیکھا تھا تم نے !“  
”خدا جانے .... ! مجھے کچھ بھی یاد نہیں .... یہ بھی نہیں جانتا کہ میں کون ہوں .... اور  
کہاں ہوں .... !“

عمران نے اُسے گھور کر دیکھا تھا لیکن اُس کا چہرہ سپاٹ نظر آیا۔ آنکھوں سے لا تعلقی ظاہر  
ہو رہی تھی۔!

”پھر اب کیا خیال ہے .... !“ وہ کچھ دیر بعد بولا۔

”خیال .... کیا خیال .... !“

”شائد تمہیں شراب نہیں ملی !“

”شراب، نہیں تو .... میں شراب نہیں پیتا! مجھے نہیں یاد پڑتا کہ کبھی پی ہو !“

”یہاں تمہیں کوئی تکلیف تو نہیں ہے !“

”قطیعی نہیں .... لوگ بہت مہربان ہیں .... کہتے ہیں کہ جب تم اچھے ہو جاؤ گے تو تمہیں  
باہر نہ لئے کی اجازت مل سکے گی !“

عمران نے مایوسانہ انداز میں سر ہلایا تھا اور واپسی کے لئے مڑ گیا تھا۔

شیلا کے پاس پہنچا تو وہ اس طرح منہ چھلانے بیٹھی نظر آئی جیسے اس کا قانونی حق رکھتی ہو !

”برقعے میں چلنے پڑے گا میرے ساتھ !“ عمران کھنکار کر بولا۔

”بس اتنی سی بات .... ! میں تو سمجھی تھی شائد کلوے مکلوے کر کے کسی بیٹھی میں رکھو گے  
اور وہ بیٹھیں اپنے سر پر اٹھانی پڑے گی !“

”میں ڈاڑھی اور شیر وانی میں کیا لگوں گا !“

”بہت اچھے .... دونوں اس بج و دھج سے نکلیں گے اور تم را گہریوں کو روک روک کر کہنا  
ایک عرض ہے جناب عالیٰ ٹرین پر سفر کر رہے تھے کسی نے جیب سے بنوانکاں لیا .... ساری  
رقم اور ریل کے ٹکٹ اُسی میں تھے .... لا کہ کہاٹکت پچیر کو لیکن اُس نے یقین نہ کیا۔ گاڑی سے  
انمار دیا .... واپسی کے لئے مدد کی درخواست ہے !“

”اگر تمہاری خواہش بیہی ہے تو اس کے لئے بھی تیار ہوں لیکن اب دیر نہ کرو !“

”کیا تم برقعے کی بات سمجھی گی سے کر رہے تھے !“

”ہاں .... یہی مناسب ہو گا .... !“

”کہاں چلو گے .... !“

”لبابر و گرام ہے .... با تین پھر ہو جائیں گی !“

”بپروہ تمہارے پائیں باغ میں کیا کر رہی تھی....!“

”میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا!“

”کچھ بولی تھی۔“

”نہیں جناب! لیکن ایسا لگتا تھا جیسے کسی قسم کا اشارہ کر رہی ہو!“

”محض وابہم.... اپنے ذہن کو فضولیات سے متاثر نہ ہونے دو....! روح جسم کے بغیر بعض ایک تصور ہے! اگر مدد ہی کرتے نظر سے دیکھو تب بھی کسی روح کی دوبارہ تجسم صور پھوکے جانے سے قبل ممکن نہیں!“

”بہت بہت شکریہ جناب!“

علامہ رسیور کریڈل پر رکھ کر برآمدے میں نکل آیا۔ تھوڑی ویر بعد اُس کی گاڑی یونینورسٹی کیسپس کی طرف جا رہی تھی اور وہ خود ہی ڈرائیور رہا تھا۔ اس کا چہہ پر سکون نظر آرہا تھا۔ اس عجیب و غریب اطلاع پر وہ آج کسی قسم کے ذہنی انتشار میں مبتلا نہیں ہوا تھا۔ حالانکہ اُس رات جب فون پر پیاسمن کی روح سے ہم کلام ہوا تھا تو اُس کی حالت غیر ہو گئی تھی۔

فرحانہ جاوید بچ مجھ خوفزدہ نظر آئی۔ چہرے کی رنگت زرد ہو گئی تھی۔

”تم نے وہ بھوت کس جگہ دیکھا تھا!“ علامہ نے اُس سے پوچھا۔

فرحانہ نے پائیں باغ کے ایک گوشے کی طرف اشارہ کیا۔

”تو اُس نے تمہیں کسی قسم کا اشارہ کیا تھا!“

”جی ہاں....!“

”اُس کے بعد.... لیکن مکھر و.... وہاں تو اندر ہی رہا۔ برآمدے کی روشنی اُس جگہ تک نہیں پہنچ رہی!“

”میں نے شائد آپ کو یہ نہیں بتایا تھا کہ خود اُس کے جسم سے بلکی روشنی پھوٹ رہی تھی اور اُس روشنی میں وہ پوری طرح دکھائی دیتی تھی۔ پھر دفتراً غائب ہو گئی تھی!“

”تم نے جسم سے پھوٹنے والی روشنی کا ذکر کیا تھا۔ بہر حال تم اسے وابہم سمجھنے پر تیار نہیں ہوا!“

”مجی نہیں.... قطعی نہیں.... میں نے جاگی آنکھوں سے دیکھا تھا!“

پھر اُس نے بلیک زیر و سے پیٹر کو سائیکو میشن منتقل کر دینے کے لئے کہا تھا۔ اور شبہ ظاہر کیا تھا کہ وہ اپنی یادداشت کھو بیٹھا ہے!“

”بن رہا ہے جناب....!“ بلیک زیر و نے کہا۔

”حقیقت بھی ہو سکتی ہے....! سائیکو میشن کے اسپیشلسٹ ہی فیصلہ کر سکیں گے!“

”بہت بہتر.... آج ہی منتقل کر دیا جائے گا!“



دو دن شہر میں مختلف جگہوں پر دھماکے ہوئے تھے۔ اور تیرا دن پر سکون گزر گیا تھا۔ چوتھی رات علامہ باہر جانے کی تیاری کر رہا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی تھی۔ ناگواری کے آثار اُس کے پرے پر ظاہر ہوئے تھے لیکن اُس نے رسیور اٹھالیا تھا۔

”میں فرخانہ بول رہی ہوں جناب....!“ دوسری طرف سے آواز آئی۔

”اوہ.... اچھا.... کیا بات ہے....!“

”میں بہت خاکف ہوں جناب....!“

”تم.... خاکف ہو....!“ علامہ کے لجھ میں حیرت تھی۔ ”کس سے....!“

”میں نے.... ابھی ابھی اُس لڑکی کو دیکھا ہے!“

”کس لڑکی کو....!“

”وہ جو اچانک مر گئی تھی.... یا سمیں.... یا سمیں....!“

”تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے....!“

”میں چ کہہ رہی ہوں۔ خواب نہیں دیکھا.... اور نہ کوئی نشہ کرتی ہوں۔ ابھی پندرہ منٹ پہلے کی بات ہے.... سفید لباسے میں ملوس تھی۔ میرے پائیں باغ میں.... اور اُس کے جسم پرے بلکی روشنی پھوٹ رہی تھی!“

”کیا تم اُس سے بہت زیادہ متاثر ہیں!“

”سوال ہی نہیں پیدا ہوتا!“

وہ اسے سننگ روم میں لائی تھی اور خود پکن کی طرف چلی گئی تھی۔

علامہ خاموش بینا سننگ روم میں رکھی ہوئی آرائشی مصنوعات کا جائزہ لیتا رہا۔  
رنخان فون کی گھنٹی بجی تھی اور وہ چونک اٹھا تھا۔ ہاتھ بڑھایا تھا! یسیور کی طرف اور پھر زک گیا  
تھی بجتی رہی۔ آخر فرخانہ ہی دوڑتی ہوئی کال ریسیو کرنے آئی تھی۔

”ہللو۔“ وہ ریسیور اٹھا کر ماٹھ پیس میں بولی۔ ”جی ہاں.... جی ہاں....“  
ٹریف رکھتے ہیں بہتر ایک منٹ!“

پھر اس نے ریسیور علامہ کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ”آپ کی کال ہے۔!“  
”میری کال.... یہاں؟.... کون ہے؟“  
”کوئی خاتون ہیں....!“

علامہ نے برا سامنہ بنا کر اس کے ہاتھ سے ریسیور لیا تھا! اور اپنانام بتا کر دوسرا طرف سے  
کچھ سننے کا منتظر رہا تھا!

”پروفیسر۔“ نسوانی آواز آئی تھی۔ ”میں تمہیں نظر نہیں آؤں گی.... لیکن تم سے تعلق  
رکھنے والے دوسرے لوگ مجھے دیکھتے رہیں گے۔“

”تم جو کوئی بھی ہو! مجھے بار نہیں کہا سکتیں کہ تم یا سکین کی روح ہو.... لہذا یہ ڈرامہ ختم  
کرو.... اور مجھے پتاو کہ تم کیا چاہتی ہو۔!“

”میں صرف یہ چاہتی ہوں کہ وہ جو دنیا میں رہ گئے ہیں تمہاری دستبرد سے محفوظ رہیں۔“

”بڑائیک خیال ہے.... لیکن تم یہ نیک کام کس طرح انجام دو گی۔!“

”تمہارا وہ شکار محفوظ ہو گیا ہے۔ جسے شادی کے لئے مارنے کا رادہ رکھتے تھے۔!“

”کیا بات، ہوئی....!“

”اگر یہ بات نہ ہوتی پروفیسر تو میں اس وقت فرخانہ کے بنگلے میں کیوں نظر آتی.... میں تم  
سے بہت قریب ہوں۔!“

علامہ نے سکھیوں سے فرخانہ کی طرف دیکھا تھا! اور وہ جلدی سے بولی تھی۔ ”اوہ میں چلوں  
پانی انکل گیا ہو گا۔!“

وہ چلی گئی اور علامہ پھر روح کی بات سننے لگا تھا۔ وہ کہہ رہی تھی۔ ”اس طرح فرخانہ بھی

”چلو.... دباں چلتے ہیں۔ دیکھیں شاہد قدموں کے نشانات بھی چھوڑ گئی ہو۔ اگر وہ مجرم  
تھی تو قدموں کے نشانات بھی ہوں گے۔!“

”اس وقت اوہر جانے کی بہت نہیں کر سکتی۔ کل دن میں دیکھ لوں گی۔!“  
”میں ساتھ ہوں تمہارے۔ بچوں کی سی باتیں نہ کرو۔!“

وہ نہیں مانی تھی۔ برآمدے میں کھڑی رہی تھی۔ اور علامہ نارچ روشن کے ہوئے جھاڑیوں  
کی طرف بڑھ گیا تھا۔ بہت غور سے آس پاس کی زمین کا جائزہ لیتا رہا۔ لیکن کسی قسم کے بھی  
نشانات نہ مل سکے۔ تحکم ہار کر پھر برآمدے میں واپس آگیا۔

”اگر اسے بھوٹ تسلیم بھی کر لیا جائے تو تمہارے بنگلے میں اُس کا کیا کام۔!“ علامہ نے کچھ  
دیر بعد کہا۔

”میں خود نہیں سمجھ سکتی جتاب۔!“

”تمہیں شاہد علم نہیں ہے کہ یہاں کا ایک بلیک میلر میرے پیچھے پڑ گیا ہے اور اس کو شش  
میں لگا ہوا ہے کہ کسی طرح یا سکین کی موت کی ذمہ داری مجھ پر ڈال دے۔!“

”وہ کون ہے۔!“

”خداجانے.... بلیک میلر کبھی اپنی اصل شخصیت نہیں ظاہر کرتے۔!“

”آخر وہ کس بناء پر کہہ سکتا ہے کہ یا سکین کی موت کے ذمہ دار آپ ہیں۔!“

”یہی بات میری سمجھ میں نہیں آتی۔ اور اگر اسے بھان متی کا تماشہ ہی دکھاتا تھا تو مجھے  
وکھاتا.... تمہیں کیا سروکار ان یاتوں سے۔!“

”تو کیا چجع....!“ وہ جلدی جلدی سائنس لیتی ہوئی بولی۔

”بیو تو فی کی باتیں مت کرو.... اُس کی موت سے مجھے کیا فائدہ پہنچتا۔!“

”چلے.... اندر بیٹھئے.... میں کافی بنتا ہوں۔!“

”کیا وہ بوڑھی عورت آج کل نہیں ہے جو کچن میں کام کرتی تھی۔!“

”اُسے ملیریا ہو گیا تھا۔ میں نے آرام کرنے کو کہا ہے۔!“

”اس لئے خود ہی سارے کام کر رہی ہو۔!“

”جبوری ہے۔!“

محفوظ ہو گئی ہے۔!

”کیا میں اسے مجدوب کی بڑی سمجھوں...!“ علامہ جبختا کر بولا۔

”نہیں....! یقین کر لو کہ میں یا سمیں ہوں! اور عالم ارواح سے بول رہی ہوں ورنہ تمہاری دنیا میں کون جانتا ہے کہ تم پیر علی کے بیٹے ہو۔!“

”مت بکواس کرو... مت بکواس کرو!“ دفتار علامہ کے پورے جسم میں تھر تھری پڑی گئی تھی۔

”اب تمہیں میاں تو قیر کا سراغ نہیں مل سکے گا۔!“

”شٹ اپ....!“ علامہ حلقت پھاڑ کر دھاڑا تھا۔

اور دوسرا طرف سے سلسلہ منقطع ہونے کی آواز آئی تھی۔

وہ رسپور رکھ کر لا کھڑا تا ہوا صوفے تک آیا۔ لیکن فون کی طرف ایسی نظر و سے دیکھے جا رہا تھا جیسے حقیقتاً اس میں ت کوئی غیر مرئی شے نکل کر ماڈی بیت اختیار کر لے گی۔

فرحانہ ٹرالی دھکیلتی ہوئی سینگ روم میں داخل ہوئی تھی.... اس کی آہٹ پر وہ چڑکا تھا اور وہ اُسے حیرت سے دیکھتی ہوئی بولی تھی۔ ”آپ.... آپ ٹھیک تو ہیں۔!“

”ہاں.... آں....!“ اُس نے زبردستی مسکرانے کی کوشش کی تھی۔

”کوئی نبڑی خبر تھی؟“

”یا سمیں کی روح فون پر مجھے سے مخاطب تھی۔!“

”نہیں۔!“ فرحانہ چلتے چلتے رُک گئی۔

”اوہ نہ... کیا اہمیت ہے اس کی.... کافی پلاو....!“ علامہ نے کہا اور جیب سے روپاں کھینچ کر چہرے کا پینہ خٹک کرنے لگا۔

”فون پر کیا کہہ رہی تھی۔“ فرحانہ نے پوچھا۔

”میاں تو قیر کو میری دستبرو سے محفوظ رکھنا چاہتی ہے! لہذا اب مجھے اُس کا سراغ نہیں ملے گا۔!“

”میں نہیں سمجھی۔!“

”ختم کرو... کافی لاو۔!“

فرحانہ نے کافی انڈیل کر پیاں کی طرف بڑھائی تھی۔

ایک گھونٹ لے کر پیاں میز پر رکھتا ہوا بولا۔ ”تو وہ کل یہاں پہنچ رہا ہے۔!“

”خط میں بھی لکھا تھا۔۔۔ لیکن یہ نہیں لکھا تھا کہ قیام کہاں کرے گا۔!“

”بہیش کافی نیشنل میں ٹھہرتا ہے.... میں جانتا ہوں.... لیکن مجھے یقین ہے کہ مجھ تک نہیں پہنچ سکے گا۔!“

”اک.... کیوں....!“

”روح اپنا کام کر چکی ہے۔!“

”میں نہیں سمجھی۔!“

”وہ بیک میک... شیلا اور پیٹر کا سراغ آج تک نہیں مل سکا! وہ دونوں اُسی کے قبضے میں ہیں۔!“

فرحانہ کی آنکھوں میں عجیب سی چک پیدا ہوئی تھی اور چہرہ کھل اٹھا تھا۔

علامہ نے یہ تبدیلی محسوس کر لی اور اُسے اسی نظر وں سے دیکھنے لگا جیسے اس نوعیت کا فاؤش انہمار مسرت اُسے ذرہ برا بر بھی پسند نہ آیا ہو۔

”تم اس پر خوش ہو رہی ہو۔!“

”بہت زیادہ... اپنی پسند یا کچھ بھی نہیں۔!“

”میں آدمی سے مایوس ہوتا جا رہا ہوں۔!“

”کیوں جتاب۔!“

”کسی قسم کی بھی تربیت اُسے جذبات کی غلامی سے رہائی نہیں دلائی۔“

فرحانہ کچھ نہ بولی۔ علامہ نے خاموشی سے کافی ختم کی تھی اور انھر کھڑا ہوا تھا۔

”میں آپ ناراض ہیں مجھ سے۔!“ فرحانہ گھکھایا۔

لیکن وہ کچھ کہے بغیر باہر نکلا چلا آیا تھا۔ فرحانہ بھی یچھے یچھے آئی تھی۔ وہ گاڑی میں بیٹھا نجیں

لٹارت کیا اور گاڑی بیک کر کے کپڑا نڈ سے نکالی۔ فرحانہ جہاں تھی وہیں دم بخود کھڑی رہی۔

گاڑی سڑک پر پہنچتے ہی تیر فتاری سے مغرب کی جانب روانہ ہو گئی۔ دیوانوں کی طرح

ڈراموگ کر رہا تھا اور ساتھ ہی بڑہ بڑا تھا جیسا کہ جارہا تھا۔ ”تف ہے میری زندگی پر.... ابھی تک اُس

اُس کو تلاش نہیں کر سکا۔ جاگ شہزاد... جاگ.... شہزاد...!“

وہ اتنے زور سے چینا تھا کہ پلا خڑائے کھانی آگئی تھی۔!

کار خاصی تیز رفتاری سے سڑکیں ناپتی رہی۔ پھر شاہزاد اُس نے اُسے کسی خاص راستے پر دل دیا تھا۔ اس گاڑی میں اندر اور باہر کئی عقب نما آئیں گے ہوئے تھے۔ ان کی موجودگی میں خواہ کسی بھی انداز میں تعاقب کیا جاتا علماء کی نظر میں سے پوشیدہ نہ رہ سکتا۔

شاہزاد اس ویران سڑک پر آنکھے کا بیکی مقصود تھا کہ وہ تعاقب کرنے والوں پر نظر رکھ لے۔ تھوڑی دیر بعد اُس نے گاڑی پھر شہر کی طرف موڑ دی تھی۔ اطمینان ہو گیا تھا کہ اُس کا تعاقب نہیں کیا جا رہا اور پھر شہر کی جاگی مگر کافی ہوئی سڑکوں سے گذرتے وقت ایک بار پھر اُس پر بڑی دل دل اس کا دورہ پڑا تھا۔

”علماء کا کوئی بال بھی بیکا نہیں کر سکتا۔۔۔ اور شہر و فولاد کی چیزان ہے۔ فولاد کی چیزان ہے۔۔۔ آخری آدمی۔۔۔ تو قیر زندہ نہیں رہ سکتا۔۔۔ خواہ سات پردوں میں چھپا دیا جائے۔۔۔ نہیں سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔۔۔ اگر وہ بیک میڈر میری اصلاحیت سے واقف ہو گیا ہے تو کیا فرق پڑتا ہے اس سے۔۔۔ وہ کسی طرح بھی اسے ثابت نہیں کر سکے گا۔۔۔ اور اب میں اُسے بھی دیکھوں گا۔۔۔؟“

گاڑی اُس کی کوئی بھی کی طرف جاری تھی۔۔۔ اور پھر اچانک اُسے معلوم ہوا کہ اب ایک گاڑی اُس کا تعاقب کر رہی ہے۔

وہ زبریلی بھی کے ساتھ بولا تھا۔ ”آؤ۔۔۔ آؤ۔۔۔ آج تمہاری شامت ہی آگئی ہے۔ تم جو کوئی بھی ہو۔۔۔!“

کچھ دور چلنے کے بعد اُس نے اچانک بریک لگائے تھے۔۔۔ اور بچھل گاڑی نے ہارن دیا شروع کر دیا تھا۔ پھر وہ تھوڑی سی کڑڑ کر اُس کی گاڑی کے قریب ہی سے آگے نکل گئی۔

ڈرائیور کرنے والے کی پشت ہی دیکھ سکا۔ اب وہ خود اُس گاڑی کا تعاقب کر رہا تھا۔۔۔ اور پھر تھوڑی دیر بعد اُس پر بھی کا دورہ پڑا تھا۔۔۔ کیونکہ اُس نے ایک موڑ پر ڈرائیور کی ٹھیک لہ تھی۔۔۔ وہ کوئی عورت تھی۔۔۔ اور عورت بھی۔۔۔ سفید فام۔۔۔

اُس نے ہونٹوں پر زبان پھیری اور دونوں گاڑیوں کا فاصلہ کم کرنے کی کوشش کرنے لگا اور پھر ایک جگہ موقع دیکھ کر اپنی گاڑی اُس سے آگے نکال لے گیا۔

”اوہ۔۔۔ تو یہ ہے۔۔۔!“ وہ نہ اسامنہ بنا کر بڑی بڑی تھا۔ گاڑی آگے نکالے وقت اُس نے اُس کی ٹھیک ہی تھی۔!

لیکن وہ اُس کا تعاقب کیوں کر رہی تھی۔ بحیثیت علامہ دہشت وہ اُس کے واقعوں میں سے نہیں تھی۔۔۔! پھر۔۔۔؟ ایک برا اساسوالیہ نشان ذہن میں ابھر اتھا۔!

اپنی کوئی تھی کے قریب پہنچ کر اُس نے گاڑی روکی تھی اور اترنے بھی نہیں پایا تھا کہ بچھل ہی تھی۔

عورت نے کھڑکی سے سر نکال کر کہا۔ ”بد تیزی ضرور ہے لیکن کیا میں پوچھ سکتی ہوں کہ گاڑی کس کی ہے۔۔۔؟“

علامہ نے چوک کر اپنی گاڑی کو دیکھا تھا اور نیچلا ہونٹ دانتوں میں دبایا تھا۔!

”آپ کیوں پوچھ رہی ہیں۔۔۔؟“ علامہ نے سنبھل کر سوال کیا۔

”میرا خیال ہے کہ یہ میرے ایک دوست کی گاڑی ہے۔۔۔؟“

”تو پھر۔۔۔ مجھے اعتراض ہے کہ یہ گاڑی میری نہیں ہے۔۔۔؟“

”کس کی ہے۔۔۔؟“

”آپ کے دوست کی؟“ علامہ مسکرا یا تھا۔

”کیا نام ہے اُس کا؟“

”کمال ہے آپ اپنے دوست کا نام بھی نہیں جانتی۔۔۔؟“

”میں اُس کو برائے نام سے جانتی ہوں۔۔۔!“

”کیوں نہ ہم اندر چل کر اس سلسلے میں گفتگو کریں۔۔۔!“

”مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔۔۔!“ عورت بھی گاڑی سے اترنی ہوئی بوی۔

”آئیے۔۔۔!“ علامہ پھانک کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

وہ اسے سنگ رومن میں لایا تھا۔

”میرا نام تھیلما نادر ہے۔۔۔!“

”اور میں دہشت ہوں۔۔۔!“

”دونوں نے مصافیہ کیا تھا۔۔۔!“ اور تھیلما اسے بغور دیکھتی ہوئی بوی تھی۔ ”مجھے اپنے دوست

کی تلاش ہے! وہ مجھ سے ناراض ہو گیا ہے۔!

”لیکن میں کسی کوبرا کو نہیں جانتا۔!

”تم نے کہا تھا کہ وہ گاڑی تمہاری نہیں ہے۔!

”ہاں میرے ایک دوست کی ہے... اور وہ یہیں میرے ساتھ مقیم ہے۔ اس وقت ہاں

لا ببریری میں ہو گا۔!

”کیا وہ کوئی پسی ہے۔!

”ہاں ہے تو پھر ہی۔!

”تمہاری طرح مضبوط اور قد آور۔!

”ہاں... وہ ایسا ہی ہے۔!

”خدا کے لئے مجھے اُس سے ملوادو... میرے پاس اُس کے لئے ایک اہم خبر ہے۔!

”اجھی بات ہے... آپ یہیں بیٹھے...! میں اُسے بھیجا ہوں“ علامہ نے کہا اور انہوں کر اندر چلا آیا۔!

وس منٹ کے اندر اندر شہزاد بن کر اس نے انٹر کوم پر کسی ملازم کو مخاطب کیا تھا... اور دوسری طرف سے جواب ملنے پر بولا تھا۔

”سنگ روم میں ایک انگریز عورت بیٹھی ہوئی ہے... اسے لا ببریری کے دروازے تک پہنچا کر واپس چلے جاؤ۔!

اس کے بعد وہ دروازے کے قریب ہی آکھڑا ہوا تھا۔ قدموں کی چاپ سن کر دروازہ کھوا تھا اور تھیلہ کا ہاتھ پکڑ کر اندر کھینچ لیا تھا۔ وہ اس کے بازوں میں آگری۔

”یہ کیا حرکت تھی؟“ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی غرائی۔

”اوہ... ڈارلنگ... مجھے معاف کر دو...! میں نے تمہاری گاڑی پہچان لی تھی اس شریفہ آدمی نے اعتراف کر لیا کہ تم اس کے گھر میں موجود ہو۔!

”میں نے تمہیں منع کیا تھا کہ کبھی میری ٹوہ میں سہ رہنا۔!

”ول سے مجبور ہوں اور میں تمہیں ایک اطلاع بھی دینا چاہتی تھی اور ساتھ ہی یہ بھی ہے: چاہتی تھی جو کچھ بھی ہوا اس میں میرا قصور نہیں تھا۔ اگر تم مجھے حالات سے آکاہ نہ رہتے تو۔“

”اے بھول جاؤ!“ وہ ہاتھ ہلا کر بولا۔! ”کیا اطلاع دینا چاہتی تھیں۔!

”ایک آدمی تمہارے متعلق پوچھ گجھ کرتا پھر رہا ہے...!

”کون آدمی ہے۔!

”میں نے اسے نہیں دیکھا...!“ نادر کے پی اسے ساجد سے پوچھ گجھ کی تھی اور اسے پچاس روپے دیئے تھے اور کہا تھا کہ اگر وہ تمہیں ڈھونڈ نکالنے میں کامیاب ہو گیا تو مزید پانچ سور و پے دے گا!

”اوہ تو ساجد کو اس نے اپنام اور پتہ بھی بتایا ہو گا؟“

”بتایا تھا... مجھے تو یاد نہیں رہا۔ اسے یاد ہو گا۔!

”کیا ساجد نے مجھے کبھی دیکھا ہے۔!

”ضرور دیکھا ہو گا۔ ستام ہاؤز ہی کے ایک حصے میں تو رہتا ہے۔!

”غیر میں دیکھوں گا... اب تم اس آدمی کی بات کرو۔ جو میرے آدمی کو تمہاری تحولی سے لے گیا تھا۔!

”وہ معاملہ ہی میری سمجھ میں نہیں آسکا۔ جوڑ ہنی مر یعنی بن کر آیا تھا وہ ڈاکٹر برناڑ کو زخم کر کے اٹھا لے گیا۔!

”اور تم نے اسے وہ جگہ بھی بتا دی تھی جہاں ہم آخری بار ملے تھے۔!

”میں ہوش میں کب تھی۔!

”تمہیں کیا ہوا تھا۔!

”ڈاکٹر برناڑ کو زخم کرنے کے بعد اس نے مجھے بے بس کر دیا تھا اور اس کے بعد اتنا ہی یاد ہے کہ اس نے کوئی چیز میرے بازو میں اچکٹ کی تھی....!

”تمہیں اچکٹ خاموش ہو کر شائد سوچنے لگی تھی کہ اس جھوٹ کو کس طرح آگے بڑھائے۔“

”خاموش کیوں ہو گئیں۔!

”میری سمجھ میں نہیں آتا کہ انچکشن کے بعد کیا ہوا تھا... ہو سکتا ہے اسی دوران میں اس سامنے تھا اسے بارے میں سب کچھ پوچھ لیا ہو... مجھے بتاؤ کیا وہ اس جگہ پہنچ گیا تھا جہاں ہم اتر کی بارے ملے تھے۔!

”دل... لیکن پھر سوچتا ہوں کہ تم واقعی دل کے ہاتھوں مجبور رہی ہوگی... ویسے اول درجے کی امن... میں نے کتنی بار تم سے کہا ہے کہ تم سے ملنے کے بعد پھر کوئی عورت نہیں پچھی نظر دیں میں... ڈورا کر کر شم سے پہلے کی بات ہے۔ اسکے ساتھ میں اب کیسے دیکھا جاسکتا ہوں۔!“  
”میں مرنے کو تیار ہوں ڈارلنگ۔ تمہاری زبان سے یہ اعتراف سن لینے کے بعد زندہ نہیں رہتا چاہتی۔!“  
”کیوں!“ اس نے چونک کر پوچھا۔

”کل یہی بات کسی دوسری سے نہ کہنی پڑے۔ لہذا امیرے لئے یہ بہت بڑا اعزاز ہو گا کہ اس سے پہلے ہی مرجاوں۔!“

”ساجد نے اس کا کیا حلیہ بتایا تھا۔!“

”بڑی خوفناک شکل تھی۔ خونخوار آنکھیں۔ موٹی سی تاک.... موچھیں ایسی کہ دہنہ دکھائی نہ دیتا تھا۔ اس نے ساجد کو یہ بھی بتایا تھا کہ ڈورا کر کر شمی اس کے باس کی محظوظ ہے! باس کو اس پر شبہ ہو گیا ہے کہ اس کا تعلق کسی اور سے بھی ہے لہذا اس کے ملنے جلنے والوں کی نگرانی کر رہا ہے۔!  
وہ چند لمحے خاموش رہنے کے بعد بولا۔!“ اچھا تو اس نے ساجد سے یہ بھی کہا ہو گا کہ تم سے اس ملاقات کا ذکر کرنے کرے۔!

”اوہ.... بالکل یہی کہا تھا۔ تم کتنی سوچھ بوجھ رکھتے ہو ڈارلنگ مجھے بتاؤ وہ کون ہے اور تمہارے پیچھے کیوں پڑ گیا ہے۔!  
”ایک کاروباری حریف۔ تم فکر نہ کرو.... اور ساجد سے کہہ دو کہ بدستور ڈورا کر کر شمی کی نگرانی کرتا رہے۔!  
”وہ تو کر رہا ہے۔!  
”بہت وقار اور آدمی معلوم ہوتا ہے کہ تم سے ذکر کر دیا۔!  
”وہ تو اپنی جان بچانے کے لئے اس نے اس سے اتفاق کر لیا تھا ورنہ شائد گفتگو کرنا بھی پسند نہ کرتا....!  
”ہوں تو وہ چرس کا ایکسٹریکٹ۔!  
”حیرت انگیز ہے ڈارلنگ.... چرس سے بھی زیادہ سرور لاتا ہے۔....!  
”کیوں!“ اس نے چونک کر پوچھا۔

”سکھے معاف کر دو ڈارلنگ.... میں تم سے بہت متاثر ہوئی ہوں۔ ورنہ کوئی مرد مجھے ایسے لمحے میں گفتگو کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔!  
”تو تم اس طرح رہی ہو میری ٹوہ میں....!  
”مجھے معاف کر دو ڈارلنگ.... میں تم سے بہت متاثر ہوئی ہوں۔ ورنہ کوئی مرد مجھے ایسے لمحے میں گفتگو کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔!  
”پوری بات بتاؤ۔!  
”تمہیں نے ساجد کی کہانی دہرائی تھی۔  
اور وہ آنکھیں نکال کر بولا تھا۔ ”دل تو یہی چاہتا ہے کہ ابھی اور اسی وقت تمہارا گلا گھون

”ہاں پہنچ گیا تھا۔!“ وہ اسے غور سے دیکھتا ہوا بولا۔

”تب تو پھر اسی انجکشن کے زیر اثر میں نے اسے سب کچھ بتا دیا ہو گا۔! کیونکہ مجھے کچھ یا نہیں کہ اس کے بعد کیا ہوا تھا۔ اور سنو میں تم سے کچھ بھی نہیں چھپانا چاہتی.... اس آدمی نے مجھے چرس کا ایکسٹریکٹ بھی بھجوایا تھا۔ جسے میں آج کل استعمال کر رہی ہوں.... ورنہ تمہارے منہ پھیر لینے کے بعد مرہی جاتی.... میں نہیں جانتی کہ اس نے ایسا کیوں کیا۔?  
”تب تو وہ تم سے ملتا بھی رہتا ہو گا۔!  
”ہرگز نہیں.... اس نے فون پر مجھ سے کہا تھا کہ وہ پوکیدار کو میرے لئے ایک پیکٹ دیگیا ہے۔ میں وصول کر لوں.... اس پیکٹ میں چرس کا ایکسٹریکٹ ہے اور میرے لئے بہت دونوں کے لئے کافی ہو گا۔ اب میں سمجھ سکتی کہ اس نے ایسا کیوں کیا۔!  
”اور اب ساجد کے بارے میں بھی کچھ بات بتا دو۔!  
”مگر.... کیا مطلب....!  
”محبوبائیں جھوٹ بولتی ہیں تو میں انہیں جان سے مار دیتا ہوں۔!  
”وہ.... وہ.... میں تمہارے ہی ڈر سے جھوٹ بولی تھی.... مجھے معاف کر دو۔ تمہیں تلاش کرنے ہی کے سلسلے میں سب کچھ ہوا ہے۔!  
”اور کیا ہوا ہے۔?  
”سکس ساجد والا معاملہ.... اس نے تمہیں کبھی نہیں دیکھا۔ وہ دراصل میں نے اس ڈار کر کر شمی کی نگرانی پر لگایا تھا کہ شائد کبھی تم اس سے ملو.... اور ساجد تمہارا تعاقب کر کے تمہاری قیام گاہ سے واقف ہو جائے۔!  
”تو تم اس طرح رہی ہو میری ٹوہ میں....!  
”مجھے معاف کر دو ڈارلنگ.... میں تم سے بہت متاثر ہوئی ہوں۔ ورنہ کوئی مرد مجھے ایسے لمحے میں گفتگو کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔!  
”پوری بات بتاؤ۔!  
”تمہیں نے ساجد کی کہانی دہرائی تھی۔  
اور وہ آنکھیں نکال کر بولا تھا۔ ”دل تو یہی چاہتا ہے کہ ابھی اور اسی وقت تمہارا گلا گھون

”بُونی و رشی میں سو شالاوجی کا درس دیتا ہوں!“  
 ”اوہ.... تو میں ایک استاد سے متعارف ہوئی ہوں۔ خوش نصیبی!“  
 علامہ صرف مسکرا کرہ گیا تھا۔!



سابد نے ڈورا کر شی کو اسکے گھر تک پہنچا دیا تھا۔ اور پھر واپسی کے بارے میں سوچ ہی رہا تھا کہ ایک گاڑی۔ اسکے کی اور اس پر سے وہی بھم شہم پسی اتر تاد کھائی دیا۔ جس کا سراغ پانے ہی کے لئے ڈورا کر شی کی مگر انی کرتا رہا تھا....! سارے جسم میں سنسنی سی دوڑگی اور ہاتھ بیدر کا پیٹ لگی۔ سڑک کے دوسرے کنارے پر اس نے اپنی موڑ سائیکل روکی تھی۔ پسی کو عمارت میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا۔ اور موڑ سائیکل کا انجمن کھول کر ثارچ کی روشنی میں اس کا جائزہ لینے لگا۔ کبھی پلگ ٹکال کر اسے صاف کرتا اور کبھی کوئی پر زہ شوٹ۔ بہر حال پہنچاہر کرنا چاہتا تھا جیسے گاڑی میں اپاٹک کوئی خرابی ہو جانے کی بنا پر اسے رکنا پڑا ہے۔

لیکن ضروری نہیں تھا کہ پسی کی واپسی جلد ہی ہو جاتی۔ دل ہی دل میں اسے گالیاں دے رہا تھا۔ لیکن اس وقت کہاں سے آیا مردود جبکہ وہ دلبیں جارہا تھا دن بھر کی تھکن نے توڑ کر کھدیا تھا اور پچھلے دو ہونوں سے ڈورا کر شی خود اسے بھی اچھی لگنے لگی تھی۔ وہ سوچتا رہا تھا کہ اس قصینے کے انعام پر وہ بھی اس کے بوتیک میں جا کر اپنی جلد کے رنگ کو مزید نکھارنے کا شیکدے آئے گا۔

انہی پر بھکے بھکے کر کھنے لگی تھی.... اس لئے بیل بھر کو سیدھا ہونے کی کوشش کی۔ لیکن پوری طرح سیدھا بھی نہیں ہو یا تھا کہ کسی نے عقب سے گردن پر وار کیا۔.... ایسی ہی ضرب تھی کہ آنکھوں میں ستارے ناچے بھی اور تاریکی میں تحلیل ہو گئے۔ چکرا کر گرا تھا اور دنیا و اپیسا ہی سے بے خرو گیا تھا۔

”بارہ پتہ نہیں کہ آنکھ کھلی تھی.... اور کہاں کھلی تھی بوكھلا کر اٹھ بیٹھا۔“  
 بہتر سے کو دکر دروازے کی طرف جھپٹا! پینڈل گھما کر کھولنے کی کوشش کی تھی لیکن وہ

”اس کے بعد بھی اس نے تم سے فون پر گفتگو کی ہو گی!“  
 ”نہیں قطعی نہیں.... لیکن مجھے شبہ ہے....!“ میرا خیال ہے کہ سلمانی سے بات ہوتی رہتی ہے۔!

”اوہ....!“ اس نے زور دار قہقہہ لگایا تھا۔  
 وہ بھی ہنسنے لگی تھی اور پھر علامہ نے کہا تھا! ”اب تم جاؤ اور آئندہ اوھر کا رخ بھی نہ کرنا میں خود ہی تم سے ملتا رہوں گا۔!“

”تم بھول جاؤ گے۔!“  
 ”سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ دراصل کچھ معاملات صاف نہیں تھے۔ جو اس ملاقات کے بعد واضح ہو گئے ہیں۔ لہذا اب نہ ملنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔! اچھا اب تم شنگ روم میں جاؤ۔... میرا دوست اچھا آدمی ہے کچھ دیراں سے گفتگو کئے بغیر مت جاتا۔!“

”میں کسی پالتو کی تیکی طرح تمہارے احکامات کی تعمیل کرتی ہوں۔!“  
 ”اسی لئے تمہارے علاوہ اب اور کوئی عورت پسند نہیں آتی۔.... کل رات تک کے لئے رخصت....!“

”کل ملوگے۔!“ وہ خوش ہو کر بولی۔  
 ”ہاں.... ہاں۔ اب روز ملوں گا بے فکر رہو۔!“  
 وہ شنگ روم میں واپس آئی تھی۔ لیکن اب وہ شخص موجود نہیں تھا۔ پہنچاہٹ کے ساتھ ایک طرف بیٹھ گئی۔ لیکن اسے زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا تھا۔ علامہ جلد ہی اپنی اصل ہیئت میں دہاں پہنچ گیا تھا۔

”مجھے افسوس ہے محترم ایک ضروری کام میں الجھ گیا تھا۔ کیا آپ کی ملاقات اس سے ہو گئی۔ میں نے ملازم کو ہدایت کر دی تھی۔!“

”ہو گئی.... تمہارا بہت بہت شکر یہ۔!“ تھیلما بولی۔  
 وہ علامہ اور شہزاد کی آوازوں میں بلکی کسی بھی ممائش محسوس نہ کر سکی تھی۔

”آپ کیا بیٹیں گی۔!“ علامہ نے پوچھا۔  
 ”کچھ بھی نہیں۔ ویسے آپ نے اپنا پورا تعارف نہیں کر لیا۔!“

نیتیں  
مقفل غایب ہو۔

پاگلوں کی طرح دروازہ پینٹا شروع کر دیا۔ ساتھ ہی احتمالہ انداز میں چیخ بھی جارہا تھا۔  
بالآخر کسی نے باہر سے قفل میں کنجی گھمائی تھی اور ڈپٹ کر بولا تھا۔ ”چیچھے ہٹ جاؤ!“  
ساجد اچھل کر کمی قدم چیچھے ہٹ گیا تھا۔ دروازہ کھلا اور سامنے وہی دیوار ہی کھڑا نظر آیا۔  
کمرے میں داخل ہو کر اس نے دروازہ بند کرتے ہوئے نرم لمحے میں کہا ”آرام سے بیٹھا  
جاؤ... پریشان ہونے کی ضرورت نہیں!“

”مل... لیکن یہ سب کیا ہے!“ ساجد ہکلایا۔

”کچھ بھی نہیں.... بس معقول معاوضے پر تم میرے لئے ایک کام کرو گے۔ اور میں صرف  
پانچ سو روپ تالے کی کوشش نہیں کروں گا۔ میری طرف سے پانچ ہزار!“

”م... میں سمجھا نہیں جتاب!“

”تم اپنی مالکہ کے لئے میرا پتہ معلوم کرنا چاہئے تھے!“

”نج... جی ہاں... میں بے قصور ہوں!“

”مجھے علم ہے۔ کوئی بھی مالک کا حکم نہیں ٹال سکتا!“

”جی ہاں۔ جی ہاں!“ ساجد خوش ہو کر بولا۔

”میں اس سلسلے میں تم سے باز پر س نہیں کرنا چاہتا!“

”شش... شکریہ جتاب!“

”لیکن وہ آدمی جس نے تمہیں اپنے مفاد میں درغلانے کی کوشش کی تھی!“

”آپ جانتے ہیں!“

”مجھے علم ہے!“

”تو پھر آپ یہ بھی جانتے ہوں گے کہ وہ مجھے پستول کے زور پر اپنے ساتھ لے گیا تھا۔“

”ہاں میں یہ بھی جانتا ہوں!“

”تو پھر میں بے قصور ہوانا!“

”میں نے ابھی تک تمہیں قصوردار تو نہیں شہر لایا!“

”بہت بہت شکریہ جتاب!“

”مجھے بھی اُس آدمی کی جلاش ہے۔ اگر ہاتھ آگیا تو میں تمہیں پورے پانچ ہزار دوں گا!“  
”آپ اتنے مہربان ہیں تو میں آپ کا کام مفت بھی کر سکتا ہوں جتاب عالی!“  
”تم کس طرح کرو گے میرا کام...!“  
”جس طرح آپ فرمائیں گے جتاب!“  
”نہیں ہے میں ایسا ہی جواب سننا چاہتا تھا.... تمہارے پاس اس کے فون نمبر ہیں!“  
”جی ہاں....!“  
”اُس سے فون پر رابطہ قائم کر کے کہو کہ تم نے میری قیام گاہ کا پتہ لگایا ہے!“  
”بہت اچھا جتاب!“  
”چہ میں تمہیں بتا دوں گا....!“  
”نہیں ہے.... لیکن اگر اُس نے مجھ سے کہا کہ اُس کے ساتھ جا کر آپ کی قیام گاہ  
دکھاؤں تو....!“  
”ایسی صورت میں اُس سے پانچ سورو پے پہلے ہی وصول کر لینا!“  
”آپ کو کوئی اعتراض تو نہ ہو گا!“  
”سوال ہی نہیں پیدا ہوتا!“  
”تو پھر اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ مجھے رہا کر دیں گے!“  
”مکال کرتے ہو.... ارے بھی گرفتار کب کیا تھا کہ رہا کروں گا۔ وہاں سڑک پر رُک کر  
تمہیں پوری بات سمجھا دینا خطرے سے خالی نہ ہوتا.... اس لئے یہ طریقہ اختیار کیا گیا!“  
”کوئی بات نہیں....!“ ساجد سر ہلا کر بولا۔ ”لیکن جتاب.... آخر میری مالکہ آپ کے  
بچپن کیوں پڑ گئی ہیں!“  
”بیو قوفی کی باتیں مت کرو....!“ وہ اسے آنکھ مار کر مسکرا یا تھا۔  
ساجد کے دانت نکل پڑے.... انداز ایسا ہی تھا جیسے بات اُس کی سمجھ میں آگئی ہو!

”وہ... وہ لڑکی ہے کہاں جو میرے ساتھ تھی!“ دعثامیاں تو قیر چوک کر بولے۔  
”مے تو ہم نے اتر کاٹنی نیشنل پنجادیا تھا! وہ وہیں آپ کا انتظار کر رہی ہو گی!“ عمران  
سادگی سے بولا۔ ”عورتوں کے اخواء کو ہم بد تیزی سمجھتے ہیں!“  
”اگر اسے کوئی نقصان پہنچا تو...!“

”عورت کو کبھی نقصان نہیں پہنچتا۔ اگر وہ ایسا سمجھتی ہے تو غلط فہمی میں جلا ہے!“  
”تم جانتے ہو۔! میں کون ہوں!“  
”میاں تو قیر محمد جھریام!“

”اچھا اچھا.... میں سمجھ گیا اپوزیشن....!“  
”خدا کے لئے یہاں سیاست نہ چھیڑ دیا۔... ویسے تمہاری موت کی ذمہ داری اپوزیشن ہے  
کہ سر آنے والی تھی کہ اچاک قائل نے اسکم بدل دی۔ ویسے مجھے جرأت ہے کہ تمہیں اپنی  
دلوں خالہ زاد بہنوں کی موت کی اطلاع نہیں ملی!“

”دونوں.... کیا مطلب.... مجھے یا سکین کی موت کی اطلاع ملی تھی اور اس سفر کا اصل  
مقصد ماتم پر سی تھا!“

”دوسری بھی چلی بی۔... آپ کا انہال بھی ختم....!“  
”خداوندا.... آخر تم کیا کہہ رہے ہو!“

”زہر مالی ڈائریتور قیر محمد....!“  
”کیا سوتی ماں....!“

”جی نہیں! سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔... وہ بڑی نیک عورت ہے!“  
”تو پھر!“

”لمی کہانی ہے.... اس کے لئے آپ کو ماضی میں چلا گکنی پڑے گی!“  
”جلدی سے تباہ!“

”آپ کے والد صاحب نے اپنے ایک مزارع پیر علی پر ٹلم کیا تھا....!“  
”میں....!“ میاں تو قیر ہاتھ اٹھا کر بولے ”خدا کیلئے اس کا ذکر مت کرو۔ میں نے سنا ہے!“  
”اور اس گمراہے کا ایک فرد بیک گیا تھا!“

ایسپورٹ پر میاں تو قیر محمد جس شخص کو اتر کاٹنی نیشنل کا نمائندہ سمجھ بیٹھے تھے وہ بلیک زریو  
کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا! اُس کی فراہم کی ہوئی گاڑی میں جو لیاسیت بیٹھے تھے اور پھر  
بیٹھے ہی بیٹھے سو گئے تھے۔ کیونکہ گاڑی کی روائی سے قبل بلیک زریو نے انہیں کافی بھی پلائی تھی۔  
بیدار ہونے پر انہوں نے خود کو گاڑی کی بجائے کسی خواب گاہ میں پلائی تھا۔

بلیک زریو سے دوبارہ ملاقات ہوئی تھی اور اُس نے انہیں کچھ پوچھنے کا موقع نہیں دیا تھا خود  
ہی بتانے لگا تھا کہ اُن کی زندگی خطرے میں تھی اس لئے انہیں ایک محفوظ مقام پر لاایا گیا ہے۔

”میری زندگی خطرے میں تھی!“ میاں تو قیر نے بے لینی کے سے انداز میں پوچھا۔  
”جی ہاں.... اور اُسی عورت کے توسط سے جس کے لئے آپ یہاں تشریف لائے ہیں!“  
میاں تو قیر کا چہرہ غصے سے تتما اٹھا تھا.... انہوں نے گرج کر پوچھا....!“ تم آخر ہو کون  
اور تمہیں اس کی جرأت کیسے ہوئی!“

”آگے اصلیت پر....!“ تیری آواز سنائی دی اور وہ اُس طرف مر گئے۔

بانیں جانب والے دروازے سے عمران اندر داخل ہوا تھا!

”آپ اپنی شخصیت پر کتنے ہی غلاف چڑھائیں.... آپ کی اصل نہیں چھپ سکتی!“

”کیا مطلب....!“

”ایک ہی جھٹکے میں فرشتہ پر رخصت ہو گیا! گرج برہے میں بیچارے پر!“

”ارے کہیں.... تم لوگوں کا داماغ تو نہیں چل گیا!“

”سنا بھی....!“ عمران نے بلیک زریو سے کہا۔ ”ان کی شیر میں زبانی کے چچے تھے!“

”اوہ.... آخر تم لوگ ہو کون!“

عمران نے اُن کی بات کا جواب دینے کی بجائے بلیک زریو سے کہا۔ ”تم نے اسارت ہی غلط لیا  
تھا۔ انہیں یہ باور کرنے کی کوشش کرتے رہو کہ ہم لوگ انہیں اخوا کر لائے ہیں اور مبلغ پانچ  
لاکھ وصول کے بغیر نہیں چھوڑیں گے!“

”تو یہ کہتے کہ آپ کسی سرکاری ادارے سے تعلق رکھتے ہیں!“

”بھی سمجھ لجئے۔! یہاں آپ آرام سے رہیں گے۔ لیکن جب تک سارے معاملات صاف نہ ہو جائیں اس عمارت سے باہر قدم نہیں نکل سکتے گے.... میں اپنے خصوصی اختیارات کی بنا پر وزراء تک پرانی پابندیاں لگوں سکتا ہوں۔!“

”میرا سرچکار ہا ہے....!“

”آرام کچھے.... تھوڑی دیر بعد وزارت داخلہ کے توسط سے آپ کو مطمئن کر دیا جائے گا کہ آپ غلط ہاتھوں میں نہیں پڑے ہیں۔“

میاں تو قیر کچھ نہ بولے۔ پھر عمران اس کرے میں واپس آیا تھا جہاں جو لیا اس کی منتظر تھی۔

”شیلا کہاں ہے؟“ اس نے عمران کو دیکھتے ہی پوچھا تھا۔

”ہو گی کہیں....! تمہیں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔!“

جو لیا چکا ہونٹ دانتوں میں دبائے اسے گھوڑتی رہی تھی۔ وغطاٹھ کر جھپٹ پڑی۔

”ارے.... ارے.... دماغ تو نہیں چل گیا۔!“ عمران ایک طرف ہٹا ہوا بولا۔

جو لیا پھر پڑی تھی اس کی طرف!

”چھو گلم....!“ عمران چھو گلم کا پیکٹ اس کی طرف بڑھاتا ہوا بولا۔

اس پار وہ حملہ آور نہیں ہوئی تھی۔ جھنجھلائٹ اور شرمندگی کے مطے جلے آثار چھرے پر لئے کھڑی رہی۔ شاید سوچ رہی تھی کہ اس بوکھلاہٹ کی کیا ضرورت تھی۔

”کیا میں پوچھ سکتی ہوں کہ یہ کیس ہمارے ٹھکے سے کس طرح تعلق رکھتا ہے۔!“

”کسی طرح بھی نہیں۔!“

”تو پھر ہم لوگ کیوں استعمال کئے جا رہے ہیں۔!“

”یہ اپنے چیف سے پوچھو کہ اس نے تم لوگوں کو میرے حوالے کیوں کر دیا ہے۔!“

جو لیا کچھ نہ بولی۔ لا جواب ہو گئی تھی۔ کیونکہ عمران بحیثیت عمران انہیں اپنے حکم پر چلانے کے اختیارات ”ایکس ٹو“ ہی سے حاصل کرتا تھا۔

بات کچھ اور آگے بڑھتی لیکن اسی وقت انٹر کوم سے بلیک زیر کی آواز آئی تھی۔ ”آپ کی

فون کال ہے عمران صاحب۔!“

”وہ کون ہے؟ کہاں ہے؟ جس طرح بھی ممکن ہو گا میں اسے خوش کرنیکی کو شش کروں گا!“

”ہونہے.... آپ سے کہیں زیادہ اوپنچی پوزیشن والا ہے.... اور آپ آخری آدمی ہیں جس کے خاتمے کے بعد شائد اس کے انتقام کی آگ فرو ہو جائے....! وہ مصنوعی دبا کی لائی ہوئی تھی جس کا شکار آپ کے افراد خاندان ہوئے تھے۔!“

”اوہ....!“ میاں تو قیر کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

”لیکن اسے کسی طرح بھی ثابت نہیں کیا جا سکے گا کہ وہ پیر علی کا بیٹا ہے۔!“

”آخر.... وہ ہے کون....?“

”وہی جس کی خدمت میں آپ فرمانہ جاوید سے شادی کی درخواست پیش کرنیوالے تھے۔!“

”پروفیسر....!“ میاں تو قیر اچھل پڑے۔

”ہاں..... علامہ دہشت..... فرمانہ اسی لئے جرمیام پنجی تھی کہ آپ کو ال جھانے کی کوشش کرے!“

”خداوند....!“ میاں تو قیر دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر رہ گئے....!“ کچھ دیر خاموشی رہی پھر انہوں نے سراٹھا کر پوچھا۔ ”لیکن تم کون ہو... اور تمہیں ان معاملات کا علم کیے ہوا۔!“

”اس فکر میں نہ پڑیے....!“

”میں تمہاری بات پر کیسے یقین کرلوں....!“

”کیا میں نے ابھی تک مااضی سے متعلق جتنی باتیں کی ہیں ان میں کچھ غلط تھی۔!“

”نہیں لیکن....!“

”مطمئن رہئے جو کچھ بھی ہو رہا ہے آپ کی بہتری کے لئے ہے! جیسے ہی مجھے ان حالات کی

علم ہو اتھا میں نے آپ کے تحفظ کا انتظام کر لیا تھا۔ جو لیا فائزہ واڑ میری ہی بھیجی ہوئی تھی۔!“

آپ کی شناساکی فرائیسی خاتون کی بھاجنی نہیں ہے۔!

”اوہ....!“

”وہ محض اسی لئے وہاں بھیجی گئی تھی کہ علامہ زہروں کا ماہر معلوم ہوتا ہے۔!“

میاں تو قیر سکتے کی سی حالت میں بیٹھے رہے۔

”علامہ کے خلاف کوئی واضح ثبوت ابھی تک نہیں مل سکا اسی لئے یہ قدم اٹھانا پڑا۔“ عمران بولا۔

سیکھ سروس کے دوسرے ممبروں کی موجودگی میں وہ اس کو عمران صاحب کہہ کر مخاطب کرتا تھا۔ اور وہ سب اسے راتاپیلس کے گران کی حیثیت سے جانتے تھے۔ ان کے فرشتوں کو بھی علم نہیں تھا کہ ایکس ٹوکی عدم موجودگی میں وہی ایکس ٹوکارول ادا کرتا ہے!

عمران نے جولیا کی طرف دیکھا تھا اور دروازے کی جانب بڑھ گیا تھا۔



ساجد رسیور کان سے لگائے دوسری طرف سے ڈھمپ کی آواز سننے کا منتظر تھا۔ کسی نے اسے ہولڈ آن کرنے کو کہا تھا۔  
اس نے بھیسوں سے شہرور کی طرف دیکھا اور ماڈ تھے پیس پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ ”ہولڈ آن کرنے کو کہا گیا ہے۔“

شہرور نے سر کو جنبش دی۔ لیکن اس کی طرف دیکھا رہا۔  
تحوڑی دیر بعد ساجد نے ڈھمپ کی آواز سنی۔

”میں ساجد بول رہا ہوں جناب۔ وہی جس کو آپ نے پچاس روپے چائے پینے کو دیئے تھے۔“  
”اوہ... اچھا... سب خیریت!“ دوسری طرف سے آواز آئی۔  
”جی ہاں... آپ کام بن گیا ہے! میں جانتا ہوں کہ اس وقت وہ کہاں ہے۔!  
”کہاں ہے۔!“

”یوں نہیں جتاب۔ ابلغ پانچ سو جیب میں ڈالنے کے بعد ہی بتاؤں گا۔!  
”تحصیلما کو بھی آگاہ کیا یا نہیں۔!“

”اب تو پہلے برس ہو گا یقین باقیں بعد کی ہیں۔!  
”میں نہیں سمجھا۔!“

”کیوں نہ پہلے آپ کام ہو جائے۔ ہو سکتا ہے وہ اس سے پہلے ہی مداخلت کر بیٹھیں اور آپ کام نہ ہو سکے....!  
”خاصے ذینب ہی معلوم ہوتے ہو۔!  
—

”بندہ پروری ہے آپ کی... ہاں تو پھر آپ کیا کہتے ہیں۔!  
”تم نے معقول فیصلہ کیا ہے۔!  
”میں رقم کی وصولیابی کی بات کر رہا تھا۔!  
”ٹھیک کہہ رہے ہو.... لیکن میں تمہیں رقم کہاں اور کیسے پہنچاؤں۔!  
”آدھے گھنٹے بعد جیم خانے کے گیٹ پر ملوں گا۔!  
”اوہ اگر اتنی دیر میں وہ کہیں اور رکھ گیا تو۔!  
”سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کیونکہ اس نے ڈورا کر شی سے وعدہ کیا ہے کہ وہ اسی جگہ رات کے کی حصے میں بھی اس سے مل سکتی ہے کیونکہ وہ پوری رات دیں گزارے گا۔!  
”تمہیں اس وعدے کا علم کیوں کر ہوا۔!  
”میں نے اپنے کافنوں سے سنا تھا۔ وہ ڈورا سے ملنے گیا تھا۔ واپسی پر ڈورا اسے سڑک تک پھر جانے آئی تھی۔ اور گاڑی کے قریب ہی کھڑے ہو کر انہوں نے گفتگو کی تھی۔ میں ڈذو نیا کی بلاہ کے پیچھے چھپا ہوا سب کچھ سن رہا تھا۔!  
”اچھی بات ہے میں آدھے گھنٹے بعد جیم خانے کے چاٹک پر ملوں گا۔!  
”دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہو جانے کی آواز سن کر اس نے بھی رسیور کھ دیا تھا۔  
”کیا ہی!“ شہرور نے نرم لمحہ میں پوچھا۔  
ساجد نے ڈھمپ کی گفتگو ہر ای تھی۔ اور شہرور بولا تھا۔  
”بہت خوب۔! اب تم روانہ ہو جاؤ... اور جو کچھ بھی سمجھایا گیا ہے اسے اچھی طرح یاد رکھنا۔!  
”یاد رکھوں گا جناب۔!  
”یہ ایک ہزار روپے...! یقینہ چار ہزار کام ہو جانے پر۔!  
ساجد نے نوٹ اس کے ہاتھوں سے چھپت لئے تھے اور انہیں بہت احتیاط سے کوٹ کی اندر ولی جیب میں رکھتا ہوا بولا تھا۔ ”شکریہ جناب کام آپ کی مرضی کے مطابق ہو گا۔!  
”پھر اس کی آنکھوں پر پی باندھی گئی تھی اور دو آدمی اسے پکڑ رہاں سے لے چلے تھے۔  
گاڑی پر بٹھایا تھا اور گاڑی کچھ دیر چلتی رہنے کے بعد رکی تھی۔ اپنے اس کی آنکھوں پر سے ٹھاٹھی اتار دی گئی اور ایک آدمی بولا۔ ”میں اتر جاؤ... دو فرلانگ پیدل چلنے کے بعد تم جیم خانہ

”مجھے سردی لگ رہی ہے کوٹ پہنون گا!“

”لیکن اگر تم نے پچی بات نہ بتائی تو ساری رقم کوٹ سمیت ضبط کر لی جائے گی۔“  
”نن... نہیں خدا کے لئے!“

”تو پھر جلدی سے پچی بات بتا دو!...!“

ساجد حڑسے لیٹ گیا اور انگوں ہاتھوں سے پیٹ پینے۔  
”یہ کیا ہو رہا ہے!“ ڈھمپ نے آنکھیں نکالیں۔

”سب اسی مردوں کی بدلت۔ ہائے میں پیٹ کا بلکا ہوں۔“

”لوہے کی گیندیں نگلوادوں گا اگر یہ بات ہے!“ ڈھمپ نے کہا۔

”میں نے میم صاحب کو آپ سے ملاقات کے بارے میں بتا دیا تھا!“

”ہوں تو یہ بات ہے! میر اندازہ غلط نہیں تھا.... میم صاحب نے اس پی کو بتا دیا۔ اور اس نے اسی طرح تمہیں انہوں لیا ہو گا۔“

”یہی بات ہے.... یہی بات ہے....!“

”میم صاحب کو کیوں بتایا تھا!“

”کوئی بات ہی نہیں رکتی پیٹ میں!“

”آپ نہ من کا کیس معلوم ہوتا ہے!“

”لک... کیا مطلب!“

”پیٹ پھاڑ کر دیکھوں گا کہ ایسا کیوں ہوتا ہے!“

”اور اگر میں سب کچھ حق بتا دوں تو...!“

”تمہاری جیب میں پورے دو ہزار ہوں گے.... اور تم چپ چاپ کسی دوسرے شہر میں ٹپے جانا چند نوں کے لئے!“

”مجھے منظور ہے!“

”تو پھر جلدی سے بتاؤ!“

ساجد نے پی کے ہاتھوں اٹھنے کی کہانی دہراتے ہوئے کہا۔ ”اب وہ سننے جو اس نے مجھے رہایا  
قرار“

”گیٹ تک پہنچ جاؤ گے!“

”بہت اچھا جناب کہتا ہوا ڈگاڑی سے اتر گیا۔ اسے علم تھا کہ اب کدھر جانا ہے پیلے چل پڑا  
تھا اور ڈگاڑی اسی طرف موڑی گئی تھی۔ جدھر سے آئی تھی۔

بار بار کوٹ کی اندر روانی جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک ہزار کے نوٹوں کو ٹوٹنے لگتا تھا جلدی  
جیم خانے کے گیٹ پر آپنچا... معینہ وقت سے دس منٹ پہلے آپنچا تھا۔

پانچ سو اور ہفتھیا تھے۔ وہ سوچ رہا تھا۔ جب دو موزیوں کے درمیان کھٹ پٹ ہو تو اتنی طرح  
فائدہ اٹھانا چاہتے۔ اور وہ بی حصیساً یوں خواہ مخواہ ٹرخاری تھیں.... قیامت کے وعدے پر... وہ  
اب تمہیں تو میں اگلے سال ہی بتاؤں گا کہ ہبھی کو کہاں دیکھا تھا۔ سالی ایسے منک منک کر چلتی ہے  
کہ ارے باپ رے۔!

”ارے باپ رے۔!“ بہ آواز بلند نکلا تھا زبان سے اور ایک بار پھر اس کے ذہن نے تاریکی  
میں قلابازی کھائی تھی۔ اسی رات دوبارہ اس کی گردن پر قیامت ٹوٹی تھی اور ضرب بھی اتنی ہی  
شدید تھی کہ فوراً بے ہوش ہو گیا تھا۔

پھر ہوش آنے پر ڈھمپ کا خونخوار چہرہ نظر آیا۔ اس بار معاملات کو سمجھنے میں دیر نہیں گئی  
تھی فوراً گردن کی دوسری چوٹ یاد آگئی تھی اور اس کے ذہن پر جھنجھلاہٹ کا جملہ ہوا تھا۔ انہوں  
میٹھنے کی کوشش کرتا ہوا بڑا بڑا یا۔

”اس سالے نے بھی....!“ پھر سختی سے ہونٹ بھینچ لئے تھے۔

”ہاں.... ہاں.... بات پوری کرو....!“ ڈھمپ سر ہلا کر بولا۔ ”اس سالے نے بھی  
تمہارے ساتھ یہی بتاؤ کیا تھا!“

”نن.... نہیں.... کیا.... ہائے میں کہاں ہوں.... کیا خواب دیکھ رہا ہوں!“

”بس لس! ابھی تم کہہ دو گے کہ مجھے بھی نہیں پہچانتے....!“  
”پپ پچانتا ہوں....!“ ساجد نے کہا اور دفعٹا عحسوس کیا کہ اس کے جسم پر کوٹ نہیں  
ہے۔ ایک ہزار کے نوٹ فوراً نیا آگئے۔

”میرا کوٹ.... میرا کوٹ!“ وہ مضطربانہ انداز میں چاروں طرف دیکھتا ہوا بولा۔  
”کوٹ کی جیب میں رکھی ہوئی رقم محفوظ ہے!“ وہ ساجد کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرا لیا۔

”شاؤ!“

”میں ڈورا کر شی کے مکان کی گھر انی کر رہا تھا کہ اچاک ایک گاڑی رکی اور اس پر سے دی پی اُترا اور مکان کے اندر چلا گیا۔... اُسے دیکھ کر میں ڈڈو نیا کی باڑھ کے پیچھے چھپ گیا۔ اور اس کی واپسی کا انتظار کرنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد وہ باہر نکلا۔... اور ڈورا کر شی ساتھ تھی۔ دونوں گاڑی کے قریب آکھڑے ہوئے تھے۔ بھی اُسے کہیں لے جانا چاہتا تھا۔ لیکن وہ برا بر کہے جا رہی تھی جہاں بھی بتاؤ تین گھنٹے بعد پہنچ جاؤں گی۔ تین گھنٹے تک بے حد مصروف ہوں۔... تب بھی نے کہا تھا کہ وہ رات بھر گرین ہش کے ہٹ نمبر تین سو گیارہ میں رہے گا۔... جب بھی اُسے فرمتے وہاں پہنچ جائے۔“

”خوب....!“ ڈھپ سر ہلا کر بولا۔ ”یہ کام کتنے معاوضے پر کرتے؟“

”اگر تم اس کے ہاتھ آجاتے ہو تو پورے پانچ ہزار۔... ایک ہزار پیشی دیا ہے۔“

”بہت مہنگے ہوتے جا رہے ہو۔!“

ساجد کچھ نہ بولا۔ پھر زور زور سے پیٹ پٹھنے لگا تھا۔

”کوئی فائدہ نہیں۔ یہ ٹھیک نہیں ہو سکتا۔!“

ساجد اٹھ بیٹھا اور بولا۔ ”اب مجھے جانے دو۔!“

”جب تک وہ ہاتھ نہ آجائے یہ ناممکن ہے۔!“

”ارے تو کیا ب میری نوکری بھی جائے گی۔!“

”چھ ماہ بعد بھی جاؤ گے تو بھی نوکری برقرار ملے گی۔“

”یہ کیسے ممکن ہے۔!“

”میرا ذمہ۔... سلمانی تمہیں برخواست نہیں کر سکتا۔ اچھا بس اب چپ چاپ پڑ رہو۔... یہاں تمہیں کوئی تکلیف نہیں ہو گی۔!“

اس کمرے سے نکل کر عمران نے ریڈی میڈ میک اپ اتنا تھا اور بلیک زریو کے کمرے کی طرف چل پڑا تھا۔... وہ اپنے کمرے میں موجود تھا۔

”کیا رہا۔...!“ عمران نے پوچھا۔

”ہمارا تعاقب نہیں کیا گیا۔ دور دور تک کسی کا پتا نہیں تھا۔!“

”ٹھیک ہے۔!“

عمران نے گھری دیکھی۔ سائز ہے بارہ بجے تھے۔ فون کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ ”پتا نہیں یہ نوں تالاً تھا۔ گھر پر موجود بھی ہیں یا نہیں۔!“

اس نے ظفر الملک کے نمبر ڈائل کرنے تھے۔

”بیلو۔“ دوسرا طرف سے آواز آئی۔

”جاگ رہے ہو۔!“

”جی ہاں! فرمائیے۔!“

”جیسیں کہاں ہے۔!...!“

”غالباً سو گیا۔!...!“

”بھاگ کر فون پر بھیجو۔!...!“

”بہت بہتر۔!“

”تھوڑی دیر بعد جیسیں کی بھرائی ہوئی سی آواز آئی تھی ”لیں یور مجھی۔!“

”پہلے پوری طرح بیدار ہو جاؤ۔!“

”جاگ ہی رہا تھا۔... آجکل رات کی نیزد و پھر کو آتی ہے۔!“

”گرین ہش کے ہٹ نمبر تین سو گیارہ کے بارے میں ایک بار تم نے مجھے کوئی خاص بات

ہائل تھی جواب یاد نہیں رہی۔!“

”ہٹ نمبر تین سو گیارہ۔... جی ہاں! وہ پیوں کا کلب ہے۔!“

”تمہیں اور ظفر کو وہاں پہنچنا ہے! جتنی جلدی ممکن ہو اور اب ریسیور ظفر کو دے دو۔!“

”جناب۔...!“ ظفر کی آواز آئی تھی۔ اور عمران اُسے ہٹ نمبر تین سو گیارہ سے متعلق

بیلات دیتا رہا تھا۔ ریسیور کھ کر بلیک زریو کی طرف مڑا۔

”تم میرے ساتھ آؤ۔!...!“ اس سے کہا تھا۔

کیپٹن فیض نے سر شام ہی ماماکی لاش دریافت کر لی تھی۔... اور مسٹر قدق نے اس کی

جانے تو کیا وہ اول درجے کا حق ثابت نہیں ہوتا!“  
”ابتدا آپ کی کوئی کے دھاکے سے ہوئی تھی!“  
”ہوں تو پھر!“

”عمران کے خیال کے مطابق اس کا مقصد یہی تھا کہ....!“  
”عمران کا نام مت لو!...!“ رحمان صاحب ہاتھ اٹھا کر بولے۔ ”اپنے نقطہ نظر سے حالات کا جائزہ لو!“

”میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ یہ دھاکے اسی لئے ہوتے رہے ہیں کہ ہماری توجہ کسی خاص معاملے سے ان دھاکوں کی طرف مبذول ہو جائے!“

”ناولوں کی کہانیاں مت دہراو!“ رحمان صاحب نہ اسامنہ بناؤ کر بولے۔  
”تب پھر مجھے از سر نو غور کرنا پڑے گا۔!“ فیاض نے جان چھڑانے کے لئے کہا۔  
ویسے تھے دل سے عمران کے نظریے پر ایمان لے آیا تھا۔  
”یہی بہتر ہو گا!“ رحمان صاحب نے کلائی کی گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔  
”اب اجازت دیجئے!“ فیاض امتحنا ہوا بولا۔  
”شب تھی!“

وہاں سے نکل کر گھر کی راہی تھی۔ عمران نے رابط قائم کرنے کے لئے بے چین تھا۔ لیکن کوئی صورت ایسی نہیں تھی جس کی بنا پر یہ ممکن ہوتا۔

گھر پہنچ کر دیر تک ذرا بیگ روم میں بیٹھا رہا تھا۔۔۔ پھر خواب گاہ میں چلا آیا تھا۔ ان دونوں یوں اپنے والدین کے گھر گئی ہوئی تھی اس لئے ہر طرح کی بے قاعدگیاں جاری رہتی تھیں۔  
کوئی انتہا کر کری پر ڈالا تھا اور جو توں سمیت بستر پر گر گیا تھا۔۔۔ اور پھر ذرا ہی کی دیر میں خڑائی بھی شروع ہو گئے تھے۔۔۔ پھر شائد ایک گھنٹہ بھی نہیں گزر اتھا کہ فون کی گھنٹی کا شور خواب گاہ کی مدد و نضا میں گونجنے لگا تھا!

بوکھلا کر اٹھ بیٹھا! پہلے تو سمجھ میں نہ آیا کہ آنکھ کیوں کھلی ہے۔ پھر کسی قسم کے شور کا احساس ہوا تھا! پھر نیند کا غبار چھٹ گیا اور گھنٹی کی آواز واضح ہوئی گئی۔ جھپٹ کر ریسیور اٹھایا اور ہاتھ پیس میں دھماڑا تھا۔ ”ہیلو وو!“

شناخت بھی کی تھی۔

قریبادس بے شب کو پوسٹ مارٹم کی رپورٹ مل گئی جس کے مطابق موت واقع ہونے کے وقت کا تعین اسی دن دو بجے سے پہر کیا گیا تھا۔ اور موت کی وجہ زہر خواری تھی۔

فیاض رپورٹ لے کر رحمان صاحب کے پاس پہنچا۔ وہ گھر ہی پر موجود تھے! رپورٹ پیش کر کے خاموش بیٹھا رہا۔

”کم از کم اس موت کا تعلق بیگم تصدق سے ہرگز نہیں ہو سکتا!“ رحمان صاحب رپورٹ دیکھنے کے بعد بولے تھے۔ ”یوں کہ انہیں کل ہی حرast میں لے لیا گیا تھا!“

”خواری دیر خاموش رہ کر انہوں نے کہا تھا۔“ معدے میں جو غذا پائی گئی ہے وہ کسی بڑے ہی دستہ خوان کی معلوم ہوتی ہے۔۔۔ لیکن لاش ملی ہے دیرانے سے۔۔۔ خود زہر کھا کر ویرانے کی راہ لینا سمجھ میں نہیں آتا!“

”نہیں صاحب! صاف ظاہر ہے کہ لاش دیرانے میں پھیکوائی گئی تھی۔!“ فیاض بولا۔

”شہزاد کے بارے میں کیا معلومات حاصل کیں۔!“

”وجود ہے اس کا۔۔۔ لیکن کوئی نہیں جانتا کہ وہ کہاں رہتا ہے۔!“

”کیا اس کا کوئی آدمی ہاتھ لگا ہے۔!“

”چار آدمی۔۔۔ اور وہ چاروں منشیات کی غیر قانونی تجارت میں ملوث ہیں۔!“

”اوہ۔۔۔!“

”اور جناب۔۔۔ یہ مجھے خاصا طاقتور اور سانسکھنک طور پر منظم کیا ہوا کرو گرہ لگتا ہے۔!“

”یہ کس بناء پر کہہ رہے ہو۔!“

”ان میں سے تین پہلے بھی کئی بار گرفتار ہو کر سزا پا چکے ہیں لیکن کسی شہزاد کا نام ان کی زبانوں پر نہیں آیا تھا۔ اس بار خاصی کدو کاوش کے بعد ان سے اگلو یا جاسکا ہے۔ وہ بھی اس لئے کہ ہم کسی شہزاد کے وجود سے آگاہ ہو چکے تھے۔!“

رحمان صاحب نے پر ٹھکر انداز میں سر کو جھنس دی۔۔۔!

”اور اس دریافت کا سہرا عمران کے سر ہے۔“ فیاض بولا۔

”لیکن یہ دھاکے جو شہزاد کے مختلف حصوں میں ہوئے ہیں اگر انہیں شہزاد سے منوب کہ

”کیا آسمان گر پڑا ہے سر پر۔“ دوسری طرف سے آواز آئی۔

”لک.... کون ہے.... ہالو.... عمران، عمران....!“

”پہلے پوری طرح ہوش میں آجائے!“

”اوہ.... ٹھیک ہے.... کیا بات ہے!“

”یا سین اور اس کی بہن کی اموات کا معہ حل کرنا چاہیتے ہو۔!“

”کیوں نہیں۔ کیوں نہیں! ماماکی لاش بھی مل گئی ہے۔!“

”کہاں اور کب!“

”آج شام قرباً چھ بجے.... ہائی وے کے دسویں میل پر جہازیوں میں.... ایک ٹرک

ڈرائیور نے اطلاع دی تھی! اور وہ بھی زبردست سے مری ہے۔!“

”موت کے وقت کا تعین ہو سکا ہے یا بھی نہیں۔!“

”ہو گیا ہے.... آج ہی دو بجے سہ پہر۔!“

”اور بیگم تصدق کل حرast میں لی گئی تھیں۔!“

”خواہ خواہ.... میں تو اس کے حق میں نہیں تھا... لیکن ڈی جی صاحب۔!“

”کوئی بات نہیں.... ہاں تو اگر تم کریٹ لینا چاہتے ہو تو بستر چھوڑو۔!“

”کوئی خاص بات۔!“

”خاص الخاصل۔! کچھ سادہ پوش بھی ساتھ لے لینا۔ گرین بھس کی طرف آؤ.... تین سو

گیارہ نمبر کے ہٹ پر نظر رکھنا۔ لیکن وہاں کی بھیز سے الگ رہ کر۔!“

”وہاں کیا ہے۔!“

”بھیس کے پائے پک رہے ہیں.... توری روٹیاں اپنی لاتا۔!“

”یار سنجیدگی اختیار کرو....!“

”اتی سنجیدگی تو نہیں اختیار کر سکتا کہ بیوی کی پوری ہو جائے۔!“

”آف.... فہ....!“

”وقت ضائع نہ کرو.... جو کچھ کہا گیا ہے اُس پر عمل کرو۔!“

”پوری بات معلوم کئے بغیر بلوں گا بھی نہیں۔!“

”جہنم میں جاؤ!“ کہہ کر سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔  
فیاض نے بر اسامنہ بناؤ کر رسیور کریٹل پر رکھ دیا تھا۔

ساحل کا یہ حصہ ریتلہ نہیں تھا۔ سنگاخ چٹانوں کا سایہ مائل سلسلہ دور تک پانی میں اترتا چلا گیا تھا۔ اور انہی چٹانوں کے درمیان وہ عمارت واقع تھی.... اور ہر چند کہ گرین بھس والی آبادی یہاں سے خاصے فاصلے پر تھی لیکن اس کا شمار اسی آبادی میں ہوتا تھا اور بھس کے سلسلے میں آخری عمارت سمجھی جاتی تھی.... لعنتی ہٹ نمبر تین سو گیارہ.... خاصی بڑی عمارت تھی.... بہت سے کروں والی لیکن کھلاتی تھی ”ہٹ“ ہی۔!

اس کے گرد خاردار تاروں سے بہت بڑے رقبے کو اس طرح گھیر لیا گیا تھا کہ عمارت و سط میں آگئی تھی اور اس گھیرے میں سر شام بڑی بڑی مشعلیں روشن کر دی جاتی تھیں.... اور پیوں کے گروہ کھلے آسمان کے نیچے مخلوقوں کی سرخ روشنی میں ”نشے پانی“ کے ساتھ غل غپڑا چلایا کرتے تھے۔

umarat کے اندر ایک بڑا ساہل تھا جہاں رقص و موسيقی کی محفلیں جتنی تھیں اور یہ ڈائینگ ہل کی حیثیت بھی رکھتا تھا۔ اور پری منزل پر رہائشی کمرے تھے! جہاں کم حیثیت والے غیر ملکی سماں قیام کرتے تھے۔ اور کم مایہ ہی یہی عورتیں انہی کروں میں مقامی آدمیوں سے اپنے دوسرا دن کے اخراجات وصول کرتی تھیں۔

بہر حال کاغذات پر یہ عمارت ایک اقامتی ہوٹل کی حیثیت رکھتی تھی۔

بظاہر دلادر خان ناہی ایک آدمی اس کا مالک تھا لیکن حقیقتاً یہی شہزادہ کی تجارتی تنظیم کی ایک شاخ تھی۔!

گرین بیچ ہوٹل اور ہٹ نمبر تین سو گیارہ کے درمیان چھ فرلاگ کا فاصلہ تھا۔ لیکن کسی کے دم دگمان میں بھی نہیں آسکتا تھا کہ دونوں کا تعلق کسی ایک ہی تنظیم سے ہو گا۔  
سورج غروب ہوتے ہی ہٹ نمبر تین سو گیارہ کے خاردار تاروں والے احاطے میں پیوں کی

”کیا بات ہے!“ ظفر بولا۔

”وزر اُسے دیکھئے!“

”دیکھ رہا ہوں۔“

”کوئی خاص بات مارک کی آپ نے!“

”ہاں اونا کوں والی ہے!“ ظفر جھنجلا کر بولا۔

”مزاق نہیں! غور سے دیکھئے... آپ نے اخبارات میں اُس لڑکی کی تصویر دیکھی ہو گی۔ کیا ہم خاؤں کا... یا سکنی... وہ یونیورسٹی کی طالبہ جس کی دوا کی شیشی میں زہر لیلی تکیاں شامل کردی تھیں کسی نے!“

”ٹھیک کہتے ہو... ہو بہو... وہی لگتی ہے!“

”اور تھا بھی ہے.... اوہ... اب ہمیں دیکھ رہی ہے۔ ارے وہ تو ادھر ہی آ رہی ہے!“

”کیا اندر چلنے کا رادہ ہے۔“ اُس نے قریب پہنچ کر انہیں اردو میں مخاطب کیا تھا!

”ضرور... ضرور....!“ جیمسن تھوک نگل کر بولا۔

”تو آؤ پھر....!“ اُس نے جیمسن ہی کے بازو میں ہاتھ ڈال دیا تھا! ظفر نے شانوں کو جنمیں دی اور ان کے پیچھے چلنے لگا۔

ہاں میں زیادہ تر میزیں گھری ہوئی تھیں اور ایک نیم عربان غیر ملکی عورت اُن کے درمیان قفر کی پھر رہی تھی۔ مانگر دفن سے طربیہ مو سیقی نشر ہو رہی تھی۔

انہوں نے ایک میز سنjalی۔ لڑکی پیٹھتے ہی بولی! ”میرے لئے تو شیری منگوادو... اور اگر تم لوگ بکری کے دودھ سے بھی خغل کرو گے تو مجھے کوئی اعتراض نہ ہو گا!“

”کوئی دخانی نہ نہیں کرو گی!“ جیمسن نے پوچھا۔

”دخانی کیا ہوتا ہے؟“

”مطلوب یہ کہ دھوکیں والا... لیعنی کہ کچھ چرس ورس...!“

”میں چرس نہیں پیتی!“

”تو پھر یہاں آنے کی کیا ضرورت تھی.... گھری پر پیٹھی رہتیں۔“

”تم سے مشورہ نہیں مانگتا تھا کیا یہاں سچے شراب نہیں ملتی!“

بھیڑ نظر آنے لگتی تھی۔ اور عمارت کی روشن کھڑکیاں دور سے اُسی لگتیں جیسے اُن شکستہ حال، پاپیوں کو بڑی حقدار سے دیکھ رہی ہوں.... کیونکہ وہ عمارت کے اندر اُسی صورت میں قدم رکھ سکتے تھے جب اُن کی عورتیں مقامی گاہوں پہنچ لئے تیار ہوں!

ضرورت مند غیر ملکی ہی ہو رہی تھی میں ایسے مقامیوں کی تلاش شروع کر دیتی تھیں جو انہیں ڈائینینگ ہال میں چلنے کی دعوت دے سکیں۔

ظفر اور جیمسن قریباً ڈیڑھ بجے وہاں پہنچ کے تھے ان صاف سترے پیوں کو دیکھ کر کسی عورتیں اُن کی طرف چھپی تھیں۔

”میں یہاں کبھی نہیں آیا!“ ظفر الملک بولا۔

”میں اُسی بجھوں پر تھا آتا ہوں یورہائی نس...!“

”اب انہیں سنبھالو!“

”ایک چھوٹا کو تو ساتھ لینا ہی پڑے گا... ورنہ ڈائینینگ ہال میں احمد لگیں گے!“

”ذر اضاف سترے!“ ظفر بولا۔

”صاف سترے ہی یہاں کیوں آنے لگی... اُو ہو... مگر مٹھر ہے...!“ تین چار عورتوں نے انہیں گھیر لیا تھا!

”نہیں ہم یہاں سروے کرنے آئے ہیں!“ جیمسن نے انہیں سامنے سے ہٹا کر آگے بڑھنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

”کس قسم کا سروے ڈار لگ!“ ان میں سے ایک نے جیمسن کے چہرے کے قریب انگلی نچا کر پوچھا۔

”ہر کھوپڑی میں کتنی جو میں پائی جاتی ہیں!“

”وہ اسے گندی سی گالی دے کر پیچھے ہٹ گئی تھی۔“

”یہاں کے لارڈ کا بھتیجا معلوم ہوتا ہے۔“ دوسرا نے کہا۔

”نہیں! برادر است آسماں سے اُترا ہے۔“ تیسرا بولی۔

”جنم میں جائے...!“ پوچھی نے کہا... اور راست صاف ہو گیا!

وہ آگے بڑھے اور پھر اچاک جیمسن رُک گیا تھا! اُس کی نظر ایک دلیسی لڑکی پر جم گئی تھی!

”طفی ہے.... لیکن شاید شیری نہ مل سکے!“

”تم پوچھ کر تو دیکھو!“

”پوچھ لوں گا۔ میرا نام جیسن ہے اور یہ میرے بار، ہزارلوں ہائی فس پرنس ظفر الملک بہادر!“

”بہادر ہوں یا نہیں ہوں لیکن اولی ضرور ہیں!“ لڑکی نے کہا۔

”تم نے اپنا نام نہیں بتایا!“

”یا سکھن۔!“

جیسن نے طویل سانس لی تھی اور ظفر پوری طرح اُس کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔

”مگر.... کیا نام....!“ جیسن ہکلایا۔

”یا سکھن.... کیا بیجے کر کے بتاؤں!“

”نہیں یونہی کافی ہے!“

”میں نے کہا تھا شیری ملنگو اک!“

”یہاں دیٹر کو آواز دینے کا رواج نہیں ہے۔ خود ہی آئے گا!“

”کیا یہ تمہارا پرنس چار منگ گونگا ہے؟“

”اُسی کوئی بات نہیں!“ ظفر بولا۔

ایک دیٹر تیری سے اُن کی طرف آیا تھا۔

”یہ میز مخصوص ہے جتاب!“ اُس نے بڑے ادب سے کہا۔

”یہاں کوئی ریز روشن کارڈ موجود نہیں ہے۔“ جیسن غصیلی آواز میں بولا۔

”کہیں گر پڑ گیا ہو گا جتاب!“

”تو پھر ہم کہاں بیٹھیں!“

”میرے ساتھ تشریف لائیے!“

وہ اٹھ گئے تھے اور دیٹر انہیں کاڈنر کے قریب والی ایک میز تک لا یا تھا۔

”یہاں تشریف رکھے!“ اُس نے بڑے ادب سے کہا۔

”شیری ملے گی!“

”ضرور جتاب...!“

”ایک بوتل.... ایک گلاس....!“

”پوری بوتل کی قیمت آپ کو کاڈنر پرداز کرنی پڑے گی!“

”یار! کیا صیخت ہے!“ جیسن بھنا کر بولا۔ ”ہربات نرالی ہے!“

”کھانے کو کیا لاؤں جتاب!“

”جھنگی اور روکی سلاد!“

ویٹر چلا گیا تھا۔ جیسن نے کاڈنر سے شیری کی بوتل خریدی اور میز پر واپس آگیا۔

”شیری تم شہر ہی میں کہیں سے خرید کر پی سکتی تھیں۔ اس دیرانے میں کیوں دوزی آئیں!“ اُس نے لڑکی سے کہا۔

ظفر الملک اُس میں ذرہ برابر بھی دل جسمی نہیں لے رہا تھا۔ اگر عمران کی طرف سے حکم نہ ملا ہوتا تو شاید ادھر آکھ کر دیکھنا بھی گوارہ نہ کرتا۔

”میں دیر انوں ہی میں رہتی ہوں!“ لڑکی کہہ رہی تھی۔ ”کوئی نہیں میں ایک روح ہوں!“

جیسن کامنہ حریت سے کھل گیا اور ظفر نے پھر لڑکی کو بہت غور سے دیکھا تھا۔

اُسی وقت دیٹر واپس آگیا۔ لیکن خالی ہاتھ تھا!

”سی فوذ کھلی چھت پر سرو کیا جاتا ہے۔ اس لئے آپ کو اوپر چلتا پڑے گا!“ اُس نے نئی اطلاع دی۔

”اور سر کے بل کھڑے ہو کر کھایا جاتا ہے۔“ ظفر بھنا کر بولا۔

”چلو ایک گلاس لاؤ بلدی سے.... اور ہم دونوں کے لئے کافی لاؤ۔!“

”بہت بہتر جتاب!“

” تو کھلی چھت پر کون سی قیامت آجائے گی! چلوتا۔“ لڑکی بولی۔

”تم ٹھہریں روح.... اوپر ہی اوپر پرواز کر جاؤ گی۔ لیکن ہمیں نیچے آنے کے لئے زینے ہی طے کرنے پڑیں گے۔“ ظفر نے نشک لبھ میں کہا۔

”یا تو بولو گے نہیں یا پھاڑ کھاؤ گے!“ لڑکی شکافت آمیز لبھ میں بولی۔

”تم یا سکھن کی ہم خلی ضرور ہو۔ لیکن روح والا اسٹنٹ ہمارے ساتھ نہیں چل سکے گا۔!“

ظفر نے کہا۔

”ہمارے علاوہ اور کوئی بھی نہیں ہے یہاں!“ جیسن چاروں طرف نظر دوڑاتا ہوا آہستہ ہے بولا تھا۔

اور پھر لڑکی کے کچھ کہتے سے قبل ہی تکن آدمی وہاں پہنچ گئے تھے جن میں سے ایک قوی پہل ہی تھا۔ خود جیسن اُس کے آگے بیج چینگاہی الگ رہا تھا۔

وہ ان کے مقابل ہی بیٹھ گئے۔ اپنی اُس لڑکی کو خونخوار آنکھوں سے گھورے جا رہا تھا۔

”میا تم دونوں یہ سمجھتے ہو کہ یہاں سے زندہ واپس جاسکو گے!“ دفعاً وہ غرایا تھا۔

”اُس سے پہلے ہم جھیٹیں اور رو سی سلاہ کھائیں گے!“ جیسن جی کر اکر کے بولا۔ بات اب پوری طرح اس کی سمجھ میں آئی تھی۔

”تم کون ہو؟“ پہن لڑکی کی طرف انگلی انداز کر بولا۔

”میرا نام شیلا ہے۔ اور میں آج کل ایک جن کے قبضے میں ہوں۔!“

”آہا..... تم شیلا ہو..... ہاں آواز شیلا تیکی ہے!“

شیلا نے بوتل کھوئی تھی اور دو گھونٹ لئے تھے۔ شہزادہ جیسن کی طرف دیکھ کر پوچھا۔ ”یہ کون ہے؟“

”میں نہیں جانتی! یہ دونوں یہیں ملے تھے اور میرے لئے شیری خریدی تھی!“

”دوسرا کون ہے؟“

”وہ بیچے بیٹھا ہوا ہے اُنک پڑھا ہے اور پر نہیں آیا۔!“

”وہ کہاں ہے جس کے قبضے میں ہو آ جکل.....!“

”میں نہیں جانتی..... مجھے یہاں پہنچنے کو کہا تھا!“

”اُس میک اپ میں....!“

”ہاں اُس نے مجھے میری ایک مر حومہ دوست کی نخل میں تبدیل کر دیا ہے....!“ مجبور کرتا ہے کہ میں اُس کے بھوت کاروں ادا کروں!“

”اُس کے ہاتھ کیسے لگیں!“

”میری گاڑی کا ناٹر فلیٹ ہو گیا تھا..... نیشنل ہائی وے پر..... شاہدار اجاری تھی..... وہ اور اُس کے آدمی زبردستی مجھے انھا لے گئے!“

”وہ تو میں دیکھ رہی ہوں کہ تم لوگوں پر فردہ برابر بھی اثر نہیں ہوا!“

”میں تکبیر عاشقان کا عامل ہوں!“ جیسن باسیں آنکھ دبا کر مسکرایا۔ ظفر الملک کی مضبوطی کی بنار پر خود بھی شیر ہونے کی سمجھ دو دیں لگا ہوا تھا۔

”جناب عالی!“ دیش پھر خالی ہاتھ واپس آکر بولا۔ ”اوپر ہی تشریف لے چلے... مجھے معلوم نہیں تھا۔ یہ میز بھی مخصوص ہے۔!“

”اس کا ریزو لیشن کا رڈ کہاں گیا!“

”میں معافی چاہتا ہوں جناب! دراصل آج ہی یہاں آیا ہوں! ریزو لیشن کا معاملہ زبانی پڑا ہے! کوئی کارڈ وارڈ نہیں ہوتا!“

”گویا یہ ایک جدید ترین کبادڑ خانہ ہے۔!“ ظفر نے کہا۔

”خدادی جانے جناب! میں خود حیران ہوں۔!“

”ہم اوپر ہی چلیں گے!“ دفعاً لڑکی اٹھ کھڑی ہوئی۔

”کیا مضائقہ ہے!“ جیسن بھی اٹھ گیا۔

”تم دونوں شوق سے جاؤ..... میں یہیں بیٹھوں گا!“

”چلو!“ لڑکی جیسن کا بازو تھپک کر بولی۔ ”تمہارا پرنس تو بدھو گتا ہے۔ تم اس سے زیاد خوبصورت ہو۔!“

جیسن نے ظفر کی طرف دیکھ کر دانت نکال دیئے تھے اور لڑکی کے ساتھ زینوں کی طرف بڑھ گیا تھا۔

”گلاس تو لے لو کاؤنٹر سے۔“ جیسن نے دیش سے کہا۔

”اوپر ہی سب کچھ موجود ہے جناب!“

”چلو بھی!“ وہ طویل سانس لے کر بولا۔

زینے طے کر کے وہ کھلی چھپت پر پہنچ گئے تھے۔ یہاں صرف ایک پیڑو میکس روشن تھا اور صرف ایک بڑی سی میز پڑی ہوئی تھی جس کے گرد دس بارہ کریساں رکھی ہوئی تھیں۔

”تشریف رکھئے..... میں گلاس اور مطلوبہ چیزیں ابھی حاضر کرتا ہوں!“ دیش نے کہا اور زینوں کی طرف پلٹ گیا۔

”یہ میرے ساتھ اوپر آئی تھی اور میرے ہی ساتھ واپس جائے گی!“  
شیلان کی گفتگو سے بے پرواہ ہو کر بوتل سے گھونٹ لئے جا رہی تھی.... ذرہ برابر بھی  
ہزار عوب نہیں لگتی تھی!

شہزاد نے اپنے دونوں ساتھیوں سے کہا۔ ”اسے اٹھا کر نیچے چینک آؤ!“  
”نہیں آپ حضرات تشریف رکھیں.... میں اتنا بادخلان نہیں ہوں کہ آپ حضرات کو  
تلک دوں گا.... لیجھے.... رخصت ہو جاتا ہوں....!“

”ہاں ہاں.... تم جاؤ!....!“ شیلان اپنے ہلا کر بولی۔ ”خواہ خواہ کوئی غیر متعلق آدمی ان معاملات  
میں کیوں الجھے!“

”باس کہیں یہ بھی اس کے ساتھیوں میں سے نہ ہو!“ شہزاد کا ایک ساتھی بولا۔  
”ہونے دو.... جاؤ تم کھڑے منہ کیا دیکھ رہے ہو!“  
”آپ کامنہ بے حد دفتریب ہے جتاب!“

”جاتا ہے یا جاؤں ایک ہاتھ...!“ شہزاد اٹھتا ہوا بولا۔  
”لیکوئی چیز!“

شیلان طرح نہیں رہی تھی جیسے نشے نے ذہن پر قبضہ جانا شروع کر دیا ہو۔ جیمن پر تشویش  
نہیں سے اس کی طرف دیکھتا ہوا چھپے ہٹ رہا تھا۔

شہزاد کے دونوں ساتھی اٹھے اور جیمن کو باہر نکال کر دروازہ بند کر دیا۔ لیکن ابھی  
دروازے کے قریب ہی تھے کہ شہزاد نے انہیں بھی چلے جانے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ”جاو  
او اس پر نظر رکھو!“  
اُن کے چلے جانے پر وہ شیلان کو گھورتا ہوا بولا تھا۔ ”کیا اس کے آدمی تمہاری گرانی نہ کر رہے  
ہوں گے!“

”میں نہیں جانتی۔!“

”تم جانتی ہو کہ وہ اس وقت کہاں ہو گا؟“

”جہنم میں جائے.... اتنے دنوں کے بعد شراب ملی ہے مجھے جیمن سے پی لینے دو۔ میں نہیں  
جانتی کہ تم کون ہو!“

”پیٹر کہاں ہے....!“

”میں نہیں جانتی.... لیکن تم کون ہو؟“

”تم صرف میری باتوں کا جواب دو۔ اس آدمی کا حلیہ بتاؤ!“

”کیا بتاؤ.... دور ہی سے یو تو ف لگتا ہے.... لیکن خطرناک آدمی....!“

جیمن کے کان کھڑے ہوئے تھے۔ لیکن وہ خاموش بیمار ہا۔ معاملہ پوری طرح بکھر میں  
اگیا تھا۔

”پیٹر کو تم نے کب سے نہیں دیکھا!“

”اپنے پکڑے جانے سے پہلے ہی دیکھا تھا۔ لیکن تم کیوں پوچھ رہے ہو تمہیں ان معاملات  
کے کیا سروکار!“

وہ اس کی بات کا جواب دیئے بغیر جیمن کی طرف ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”کون ہو؟“

”تم کون ہو....؟“ جیمن اس سے سوال کر بیٹھا۔

”جواب دو!“

”بیو تو نی کی باتیں مت کرو..... ویٹر کو بلاو اگر اس ہو ٹل کی انتظامیہ سے تمہارا کوئی  
تعلق ہے۔!“

”جو کچھ پوچھا جائے اس کا جواب دو!“ شہزاد کے ساتھیوں میں سے ایک غریبا۔

”ارے تم کوئی تھانے دار ہو۔ ازیادہ بکواس کرو گے تو مزہ چکھا دوں گا۔!“

”..... ارے نہیں پہلوان! ایسا غصب بھی نہ کرنا!“ شہزاد نہیں کر بولا۔

اور اس کے مقابلے میں اپنے جسے کومِ نظر رکھتے ہوئے جیمن کو خاصی شرمندگی محسوس  
ہوئی لیکن وہ بڑی ڈھنائی سے بولا۔ ”مزہ چکھادینے کا یہ مطلب نہیں تھا کہ تم میں سے کسی کو کشتی  
کے لئے لکاروں گا!“

دفعہ شہزاد ہاتھ اٹھا کر دھاڑا۔ ”چلے جاؤ.... تم یہاں کسی دلی کے ساتھ رات نہیں گزار  
سکو گے۔ کوئی غیر ملکی تلاش کرو!“

”لیکن اس لڑکی کا کیا ہو گا۔!“

”میں کہتا ہوں دفع ہو جاؤ!“

”تم نے دیکھا!“ شہزادہ چمک کر بولا۔ ”وہ یہاں قدم رکھنے کی جرأت نہیں کر سکتا!“  
 ”لیکن آج کچھ نہ کچھ ہو کر رہے گا!“ خیال اکپاری ہوئی آواز میں بولی۔  
 ”کس کو پروادا ہے؟!“ اُس نے شانوں کو جبش دے کر کہا۔ ”ابھی دیکھے لیتا ہوں۔“  
 ”مم.... میں نہیں جاؤں گی.... میں نے اسی لئے تمہیں بتا دیا ہے کہ اُس کے مشورے پر  
 عمل نہ کرتا پڑے!“

وہ کچھ کہنے ہی والا تھا کہ تمن چار آدمی دھڑکاتے ہوئے چھت پر آپنچے اپنے آدمیوں  
 کے پڑے جانے پر شہزادہ نے دروازہ بولٹ نہیں کیا تھا۔

”خبردار... کوئی اپنی جگہ سے جبش بھی نہ کرے!“  
 ”پولیس...!“ کیپشن فیاض نے رو اور کارخ اُس کی طرف کرتے ہوئے کہا۔

”لیکن کس خوشی میں!“  
 ”تم شہزادہ ہو...؟“

”یہ کیا چیز ہے؟!“

”تمہارا نام شہزادہ ہے...!“

”چہ خوب.... اب کیا پولیس لوگوں کے نام بھی بدلتے گلی ہے!“  
 ٹھیک اسی وقت فیاض کی نظر شیلار پڑی تھی اوز وہ چمک پڑا تھا۔ اُس کا منہ حیرت سے کھلا اور  
 بند ہو گیا۔

”یہ کون ہے؟“ اس نے غیر ارادی طور پر سوال کیا۔

”میری بیٹی ہے! اوہ.... بد معاش معلوم ہوتے ہو تم.... ابھی مزہ چکھاتا ہوں.... شاکر تم  
 نے کرٹی درانی کا نام نہیں سا جو زندگی سے بیزار ہو کر پی بن گیا ہے.... لاڈ تکالو پاٹا شاخت  
 نہیں.... اگر پولیس سے تمہارا تعلق ہے!“

اس نے کچھ اور لوگ بھی دہاں پہنچنے کے.... ان میں ظفر اور جیمن بھی شامل تھے۔  
 ”ذرادیکھنا تم لوگ....!“ شہزادہ آواز بلند بولا۔ ”یہ بد معاش خود کو پولیس والا ظاہر کر کے  
 ٹکھلوٹا چھتا ہے.... لیکن رو اور نلتی ہی معلوم ہوتا ہے!“

”نہیں جناب عالی!“ اچانک جیمن نے کہا۔ ”یہ مکہ سراغِ رسانی کے پر نہذب نہ کیپشن!“

”اچھی بات ہے پی لو.... میں انتظار کروں گا!“  
 وہ بوٹل سے ایک گھونٹ لے کر بولی۔ ”میں تج آگئی ہوں اپنی زندگی سے وہ کہتا ہے کہ میں  
 تمہیں پولیس سے بچائے رکھنے کے لئے یہ سب کچھ کر رہا ہوں اور اس وقت تک کرتا رہا ہوں گا  
 جب تک کہ یا سین کا اصل قائل نہ ہاتھ آجائے!“

”وہ تمہیں اس روپ میں فرحانہ جاوید کے بیگنے میں بھی لے گیا تھا!“  
 ”ہاں.... یہ درست ہے!“

”وجہ بتائی ہو گی!“

”نہیں.... میں اتنی بور ہو گئی ہوں کہ اب اُس سے کچھ نہیں پوچھتی!“  
 ”یہاں پہلے بھی بھی لایا ہے!“

”نہیں.... آج ہی آئی ہوں.... بور ہو رہی تھی کہ یہ دونوں مل گئے۔ دوسروں سے زیادہ  
 صاف سترے نظر آئے تھے اس لئے ان کے ساتھ ہوں!“

”اُس نے تمہیں موت کے منہ میں بھیجا ہے۔ آج وہ اور اُس کا کوئی ساتھی زندہ نہیں بچے گا!“  
 ”مگر.... کیا مطلب!“ ”فعلاً خیال بہت زیادہ خوف زدہ نظر آنے لگی۔

”میں غلط نہیں کہہ رہا!“ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ ”میرے آدمی پوری طرح  
 تیار ہیں۔ ملٹری تک سے نپٹ لیں گے!“

”اوہ.... تو کیا خون خراپ ہو گا!“

”بہت زیادہ!“

”خدا کے لئے مجھے کسی محفوظ مقام پر پہنچا دو.... اب میں تمہیں بالکل کچی بات بتائے دیتا  
 ہوں!“

”جلدی کرو.... وقت کم ہے!“ وہ گھڑی دیکھتا ہوا بولا۔ ”اگر تم نے کچی بات بتا دی تو وعدہ  
 کرتا ہوں کہ تمہاری حفاظت کی جائے گی!“

”وہ یہاں کہیں آس پاس ہی موجود ہے۔ اس نے مجھے تمہارا حلیہ بتا کر کہا تھا کہ اگر تم یہاں  
 موجود ہو تو میں تم سے مل بیٹھنے کی کوشش کروں اور پھر تمہیں تمہاں مقام پر لے جاؤں جہاں  
 چنانوں کے دوشاخے کے درمیان لہریں جھاگ اڑاتی ہیں!“

فیاض ہیں اور ریو اور نقلی نہیں ہے!“  
”اوہ خبیث... تم پھر آگئے!“  
شیلا میز کے پاس سے بہت کر دیوار سے جاگی تھی... اور اب آہستہ آہستہ ہٹکتی ہوئی  
دروازے کی طرف بڑھ رہی تھی!

”تو تم شہزاد نہیں ہو...!“ فیاض نے سخت لہجے میں پوچھا۔  
”معنوی اعتبار سے کہہ سکتے ہیں۔ لیکن میرا نام نہیں ہے! ہوٹل کامالک دلاور خان میرے  
یہاں کی شائید کرے گا کہ میں کرٹل درانی ہوں!“

”آپ درست فرمائے ہیں کرٹل صاحب۔“ دروازے کے قریب سے آواز آئی۔  
”آگے جا کر بات کرو...!“ فیاض کے ساتھیوں میں سے ایک نے اُس کا بازو پکڑ کر، ہکلے  
ہوئے کہا تھا... اور وہ فیاض کے قریب پہنچ کر بولا۔ ”میں دلاور ہوں اس ہوٹل کامالک اگر آپ  
کا تعلق پولیس سے ہے تو آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ یہ کرٹل درانی ہیں!“

”اور اب میں ازالہ حیثیت عرنی کا دعویٰ کروں گا!“  
”وہ لڑکی کہاں گئی؟“ فیاض چونکر چاروں طرف دیکھنے لگا۔ اور شاہد شہزاد کو بھی پہلی  
بار احساس ہوا تھا کہ وہ ہٹک گئی ہے۔

”بہت جاؤ بد بختو!“ وہ دھماز تاہوں آگے بڑھا۔ ”تم نے میری بچی کو خوف زدہ کر دیا!“  
مجموع کائی کی طرح پھٹا تھا۔ اور جیمسن ”ارے ارے ہی کرتارہ گیا تھا اور شاہد فیاض نے دل  
ہی دل میں عمران کو کوئی گندی سی گالی دی تھی۔

”ارے جناب کپتان صاحب وہ نکل گیا!“ ظفر الملک بولا تھا۔  
فیاض اُن دونوں کو جانتا تھا بار عمران کے ساتھ دیکھ چکا تھا۔  
”پتا نہیں کیا چکر ہے!“ فیاض بولا ”میں نیچے تم دونوں کی گفتگو ہی سن کر اوپر آیا تھا۔ تم نے  
ذکر کیا تھا کسی کیم شیم ہی کا!“

”آپ کہاں تھے!“ ظفر نے پوچھا۔  
”تمہارے قریب ہی... وہ اُس کی بیٹی تھی!“  
”کمال کر دیا وہ تو اُسے دھونسا تارہ تھا۔“ جیمسن بولا ”بیٹی ویٹی نہیں تھی۔ ہمارے ساتھ تھی!“

”خدا گارت کرے۔“ فیاض دروازے کی طرف جھپٹا۔  
”وہ نیچے پہنچے لیکن شہزاد اور اس کے دونوں ساتھیوں کا کہیں پڑا تھا۔  
”بناب کپتان صاحب! اُس لڑکی نے اُسے اپنا نام شیلا تیلا تھا اور ہم سے کہہ رہی تھی کہ میں  
مین کی روح ہوں!“

”اوہ... وہ عمران کا بچہ...!“ فیاض مٹھیاں سمجھنے کر بولا۔  
”انہوں نے کیا کیا ہے جناب۔“ جیمسن نے پوچھا۔

”تم لوگ یہاں کیوں آئے تھے؟“

”ہم روز ہی آتے ہیں! ہمارے ہی قبیلے کے لوگ یہاں پائے جاتے ہیں!“  
”مرمان نے نہیں بھیجا تھا!“

”سوال ہی نہیں پیدا ہوتا!“ ظفر الملک نے کہا۔

”چلنے باہر دیکھیں!“ جیمسن نے کہا اور فیاض کچھ کہے بغیر اپنے آدمیوں کے ساتھ  
دوازے کی طرف بڑھ گیا۔

”ٹھہرو!“ ظفر جیمسن کا بازو پکڑ کر آہستہ سے بولا تھا۔ ”آپ کون ہوتے ہیں تلاش کرنے  
اے۔ ہم سے صرف یہاں پہنچنے کو کہا گیا تھا۔ ہو سکتا ہے اہم روں ادا کر چکے ہوں!“

”مجھے لیکن ہے کہ جو کچھ بھی ہونے والا تھا... کیپیٹن فیاض کی مداخلت کی وجہ سے نہیں  
دلکا۔“ جیمسن نے نہ تکر لجھے میں کہا۔ ”یعنی کھیل بگڑ گیا!“

”میرا بھی بھی خیال ہے!“

وہ فتحاً ایک آدمی اُن کے قریب آکھڑا ہوا تھا۔ جیمسن نے اُسے تیکھی نظر دیں سے دیکھا یہ  
ٹھا جس نے شہزاد کے کرٹل درانی ہونے کی تصدیق کی تھی یعنی ہوٹل کامالک دلاور خان۔

”تم لوگوں نے کرٹل کی بیٹی کو چھیڑ کر اچھا نہیں کیا!“ اُس نے کہا۔

”ارے بھائی... وہ خود ہی ہمارے پاس آئی تھی۔ شراب کی فرمائش کی تھی اور تمہارے  
نکلنے ہمیں اوپر پہنچا دیا تھا!“

”اوپر... کیوں؟“ دلاور کے لجھے میں جیسٹ تھی!

”اُس نے کہا تھا کہ کھانے اور شراب کی سروں کھلی چھٹ پر ہوتی ہے!“

اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا!

”مم.... میں!“ شیلا منتنائی۔

”زو رو نہیں... میں دشمن نہیں ہوں... تمہیں بینی کہہ چکا ہوں!“ شہزادور نرم لمحے میں بولا۔

”جی.... کہنے... کیا بات ہے!“

”میاں نے پولیس کی مددی ہے....!“

”یقین کیجیے کہ اس سے زیادہ مجھے اور کچھ نہیں معلوم جتنا آپ کو بتاچکی ہوں!“

”تو اس وقت تم اس کے قبضے میں نہیں ہو۔ جدھر چاہو نکل جاؤ!“

”لیکن میں پولیس کے ڈر سے ایسا نہیں کر سکتی!“

”پولیس والا تمہیں یا سینیں کی شکل میں دیکھ کر چونک پڑا تھا!“

”میری سمجھ میں نہیں آتا کہ پولیس یا سینیں کی موت کی ذمہ داری مجھ پر کیوں ڈال رہی ہے!“

”اب تم میرے ساتھ چلو...!“

”آپ کہاں لے جائیں گے!“

”کسی محفوظ جگہ پر...!“

اچانک قریب ہی کہیں کسی کتے کی خوفناک غراہٹ سنائی دی۔ اور شہزادور اچھل کر گاڑی کی اوٹ میں ہو گیا۔

کوئی کتا کسی پر جھپٹ پڑا تھا۔ اور اب وہ چیخ تھر تھر کا پینے لگی تھی۔

دفعہ اس نے شہزادور کی آواز سنی...! ٹرپیکی... ٹیک ہم... کل...!“

لیکن وہ کسی عورت کی جیخ نہیں۔ شیلا نے بوکھلا کر گاڑی میں گھنے کی کوشش کی اور ٹھیک اسی وقت وہ کتناہ جانے کدھر سے اچھل کر اس کے بیرون کے پاس آپڑا تھا۔ اتنا اندر ہمرا بھی نہیں تھا کہ قریب کی چیزیں نہ دکھائی دیتیں.... کتے کے حلق سے عجیب سی آوازیں نکل رہی تھیں.... اور وہ دم توڑ رہا تھا۔

”ٹرپیکی.... ٹرپیکی...!“ دوسری طرف سے شہزادور کی آواز آئی۔

”اگر ٹرپیکی آپ کا کتنا ہے.... تو یہ مر چکا ہے۔!“

”نہیں....!“ اس کے حلق سے دہڑی نکلی تھی اور وہ گاڑی کے اوپر سے چھلانگ لگ کر ادھر

”کیا تم نشے میں ہو.... یہاں ایسی کوئی بات نہیں ہوتی.... ساری سر و میز ڈائیننگ ہال یہ میں ہوتی ہیں... ذرا بتاؤ تو.... وہ آدمی کون تھا؟“

”تم بارٹنڈر سے تصدیق کر سکتے ہو کہ ویٹر ہی کے کہنے پر میں نے شیری کی بوتل کی قیمت کا ڈنٹر پر ادا کی تھی۔ اُس نے کہا تھا کہ پوری بوتل اسی طرح مل سکتی ہے۔!“

”ایسا بھی کوئی طریقہ یہاں راجح نہیں ہے۔!“

”تو پھر اب وہ ویٹر بھی یہاں نہیں مل سکے گا!“ نظرالملک نے مایوسی سے کہا۔ اور یہی ہوا بھی.... دلاور نے اپنے آفس میں ملازموں کی شناخت پر یہ کرانی تھی۔ لیکن ”ویٹر ان میں نہیں تھا۔



شیلا نے بڑی پھرتی سے زینے طے کئے تھے اور ڈائینگ ہال میں داخل ہونے سے پہلے ہی اس طرح اس کارف سر پر ڈال کر گردن سے لپٹا تھا کہ چہرے کا نچلا حصہ چھپ گیا تھا۔ ڈائینگ ہال سے گذر کر باہر نکلی چلی آئی۔

خاردار تاروں کے احاطے سے بھی نکل آئی تھی۔ اور اب اس طرف بڑھ رہی تھی جہاں پہنچانوں کے درمیان گاڑی کھڑی کی تھی۔

سب کچھ عمران کی اسکیم کے مطابق ہوا تھا۔ لیکن وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ میں وقت؟ اس قسم کا کوئی ہنگامہ اٹھ کھڑا ہو گا۔

وہ تو شہزادور کو بادر ہی کرچکی تھی کہ آخر میں اس نے جو کچھ کہا تھا سچائی پر مبنی تھا۔ اس کے بعد وہ یقین طور پر باہر نکل کر ساحل کے اس حصے کی طرف جاتا جہاں کا حوالہ اس نے دیا تھا! اسے یاد آیا کہ پولیس والا سے دیکھ کر چونکا بھی تھا۔ لیکن عمران نے تو قطعی نہیں کہا تھا وہاں پولیس بھی ہو گی۔

گاڑی کے قریب پہنچی ہی تھی کہ کسی نے اس کا بازو پکڑ لیا۔ وہ اچھل پڑی.... اندر ہمرا ہوئے کے باوجود بھی اس نے اپنے قریب کھڑے ہوئے لمبے چوڑے آدمی کو پیچان لیا۔ شہزادور کے علاوہ

آیا تھا۔ جدھر شیلا تھی۔

”لگ.... کیے مر گیا...!“ وہ مردہ کتے کے قریب گھٹنے بلکہ اس پر جھکتا ہوا بولا۔ ”اوہ.... ٹرپی چی.... ٹرپی چی...!“

اس کی آواز بھرا گئی تھی.... پھر وہ سیدھا کھڑا ہو کر بولا۔ ”مگر وہ کسی عورت کی جیج تھی۔ یہ کیسے مر گیا!“

”وہ بھوت ہے۔! کوئی مافق الفطرت ہستی۔!“ شیلا کپکپاتی ہوئی آواز میں بولی۔

”کس کی بات کر رہی ہو۔!“

”اسی کی جس کے قبضے میں ہوں۔!“

”میں کہتا ہوں وہ کسی عورت کی جیج تھی۔!“

”ہو سکتا ہے آپ کا کتنا عورت کی طرح چینا ہو۔... اور کتے کی طرح وہ خود بھوکلتا رہا ہو۔!“

”کیا بکر ہی ہو۔!“

”یقین تکچھے وہ ایسا ہی ہے۔...! اگر مجھ سے شادی پر آمادہ ہو جائے تو میں دنیا کو ایک عجیب ترین نسل دے سکتی ہوں۔!“

”خبردار جو بے شرمی کی باتیں کیں۔!“ کسی طرف سے آواز آئی اور شہزادہ اچھل پڑا۔

پھر وہ اندازہ لگانے کی کوشش کرنے لگا تھا کہ آواز کدر سے آئی تھی۔

اچانک اس نے چیخ کر کہا۔ ”سامنے آؤ۔... فیل بلک میلر تم نے میرے کتے کو مارڈا الا ہے۔ تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔!“

لیکن بدستور سنانا چھایا رہا۔ پھر شیلا زور سے نہ پڑی تھی۔

”خاموش رہو۔...!“ شہزادہ غریبا۔ ”کیا اس گاڑی کی چابی تمہارے پاس ہے۔!“

”ہے تو۔...!“

”لاؤ۔... مجھے دو۔...!“

”اور اگر میں انکار کر دوں تو۔!“ شیلانے کہا۔ عمران کی آواز سن لینے کے بعد وہ شیر ہو گئی تھی۔

”چابی لاؤ۔!“ وہ گاڑی کی چھت پر ہاتھ مار کر بولا۔

”ہائیں۔... ہائیں۔... ڈنٹ پڑ جائے گا۔...!“ آواز پھر آئی۔... وفعنا شہزادہ مرزا تھا اور آواز

کی جانب دوڑ گا دی تھی۔



عمران نے کھیل بگڑتے دیکھا تھا اور وہاں سے کھک گیا تھا۔! لیکن رکنے کے لئے ایسی جگہ نسبت کی تھی جہاں سے چاروں طرف نظر رکھ سکتا۔ اس کے باوجود بھی اسے علم نہ ہو سکا کہ شہزادہ کس وقت ہوئی کی حدود سے نکل گیا تھا۔ وہ تو شیلا دکھائی دی تھی اور وہ اس کے پیچے چل پڑا تھا۔

اسے علم تھا کہ شیلانے کہاں گاڑی کھڑی کی تھی.... وہ گاڑی ہی کی طرف جاتی دکھائی دی۔ اور پھر گاڑی کے قریب پہنچ کر وہ کسی سے گفتگو کرنے لگی تھی۔

عمران سینے کے بل ریگتہ ہوا گاڑی کی طرف بڑھنے لگا کو شش کر رہا تھا کہ گاڑی کی دوسرا طرف پہنچ جائے کہ اچانک کسی جانب سے ایک کتاب غرا کر چھپ پڑا۔ پھر جتنی دیر میں عمران چاٹو نکالتا۔ کسی نے کتے کو ہدایات بھی دینی شروع کر دیں۔ اور پھر اس نے کسی عورت کی سی جیج حلقو سے نکالی تھی۔ اور ہدایات کا سلسلہ منقطع ہو گیا تھا۔ اور اتنی دیر میں وہ اس قابل ہو گیا کہ کتے کی آنٹیں نکال باہر کرتا۔

فارہ نہیں کرنا چاہتا تھا! شہزادہ پر۔... یہی تاثر قائم رکھنا چاہتا تھا کہ وہ تنہا ہے۔ فائز کردینے کی صورت میں فیاض اور اس کے ماتحت یقینی طور پر دوڑ پڑتے اور شائد پھر کھیل بگڑ جاتا۔ کیونکہ شہزادہ تو چھلاوہ تھا۔!

شیلانے کی گفتگو ہی سے اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ شہزادہ کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔! پھر اس نے دونوں کی گفتگو میں دخل اندازی کر کے اُسے اس قدر تاؤ دلایا تھا کہ وہ آواز کی سخت دوڑ پڑا تھا۔

اور اب اُسے جو کچھ بھی کرنا تھا اس کے لئے پوری طرح تیار تھا۔ جیسے ہی شہزادہ قریب پہنچا اس نے لیئے ہی لیئے ناگ چائی اور وہ اس پر سے قلبازی کھاتا ہوا دوسرا طرف جا گرا۔

پھر عمران نے اُسے دوبارہ اٹھنے کا موقع نہ دیا۔ بڑی پھر تی سے اُس پر چھلانگ لگائی تھی اور دلوچ بیٹھنے کی کوشش کر رہا تھا کہ کسی بچے کی طرح پرے جھک دیا گیا۔!

”در اصل تمہاری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ حقیقتاً کیا کرنا چاہئے۔ اس لئے میرا ملخصانہ مشورہ ہے کہ اس وقت گھر جاؤ اور صبح تک سوچ کر مجھے مطلع کر دینا۔!“  
شہزادہ نہ کر بولا۔ ”مجھے چرانے چلا ہے لوٹنے۔!“

”اتھے پڑھے لکھے ہو کر ایسی گھیاز بان استعمال کرتے ہو۔!“  
”تیر ادا مانع تو نہیں چل گیا.... اس پھوپھن میں اخلاقیات کا درس دینے چلا ہے۔!“

”علماء صاحب! میں صرف آپ کے چہرے کا خول اتار دینا چاہتا ہوں۔!“ عمران نے کہا.... لیکن اپنی اس حمافت پر اُسے سچ چھپھتانا پڑا تھا۔  
شہزادہ نے کچھ اتنے غیر متوقع طور پر چھلانگ لگائی تھی کہ اُسے فائز کرنے کا بھی موقع نہ مل سکا۔ اریو اور بھی ہاتھ سے نکل گیا اور پہاڑ تو آہی گرا تھا۔!

اور پھر اُس نے محسوس کیا کہ وہ اُس کا گلا گھونٹ دینے کی فکر میں ہے۔  
ٹھیک اُسی وقت کسی گاڑی کے ہیڈ لیمپس کی روشنی ان پر پڑی تھی۔  
شہزادہ کی گرفت ڈھلی پر گئی....! پھر کئی فائز ہوئے تھے اور شہزادہ اچھل کر ساحل کی طرف بجا گا تھا۔!

غالباً فیاض ہی کی گاڑی تھی.... اور اس سے پھر حمافت سر زد ہوئی تھی۔  
عمران اٹھ کر بے تحاشہ شہزادہ کے پیچھے دوڑا۔... لیکن قبل اس کے کہ اُس تک پہنچ سکتا اُس نے پانی میں چھلانگ لگادی۔ اپھر عمران نے بھی قطعی غیر ارادی طور پر اس کی تقدیم کی تھی۔  
پانی ٹھہرنا ہوا تھا! کیونکہ یہاں چاروں طرف چٹانیں بکھری ہوئی تھیں۔!  
اور وہ قسم کا سکندر تھی تھا کہ سیدھا پانی ہی میں گرا تھا۔ اگر دوڑھائی گز کا بھی فرق پڑتا تو کوچڑی کے درجنوں ٹکڑے ہو گئے ہوتے۔

شہزادہ کا آس پاپا نہیں تھا.... وہ بہ آہستی تیرتا ہوا قریبی چٹان تک پہنچ گیا۔!  
ٹھیک اُسی وقت ایک فائز ہوا اور شعلہ ساڑھا تھا ہواں کے قریب سے گذر گیا۔!  
اُس نے بڑی پھرتی سے غوطہ لگایا تھا۔!

ٹھلپ پر اپھرے بغیر اُسی طرف تیر نے لگا جدھر سے فائز ہوا تھا! ایک چٹان را میں حائل ہو کر

سر کے بل گرا ہوتا اگر حواس قائم نہ رکھتا۔  
”خطرناک!“ اس نے دل میں کہا اور باقاعدہ زور آزمائی کا ارادہ ترک کر کے بغلوں سے ریو اور نکال لیا۔ وہ تو کسی ارنے بھینے کی طرح طاقت در بھی ثابت ہوا تھا۔!

”خبردار... ریو اور کارخ تمہاری ہی طرف ہے۔!“

اُس نے ڈپٹ کر کہا اور شہزادہ کے بڑھتے ہوئے قدم رک گئے۔!

لیکن دوسرے ہی لمحے میں اُس کا حقارت آمیز قبھہ سنائی دیا تھا۔!

”چوٹیں... تو صرف چھ فائز کر سکے گا لیکن اُس کے بعد کیا ہو گا۔!“

”اُس کے بعد تم چھلنی کہلاؤ گے۔!“ عمران بولا۔

”اُس کے بعد بھی میں تیری بڑیاں توڑ رہا ہوں گا.... فائز کر کے دیکھ لے۔!

”اچھا تو پھر دوسری صورت کیا ہو سکتی ہے۔?“

”تو مجھے بلیک میل نہیں کر سکتا۔ میں تجھے مارڈاں گا۔!“

”بیو تو فی کی باتیں نہ کرو.... کیوں نہ ہم دوستوں کی طرح مل بیٹھیں۔ دراصل اب میں بھی بڑنس کرنا چاہتا ہوں۔!“

”بڑنس کرنا چاہتا ہے تو یہاں پولیس کی موجودگی کا کیا مطلب ہے۔?“

”پولیس میری جلاش میں آئی تھی۔!“

”بکواس ہے۔ میرا نام پولیس تک تیرے ہی توسط سے پہنچا ہے.... وہ بھی محض اس لئے کہ میرے کئی خاص آدمی تیرے بھٹے میں ہیں.... ورنہ چند افراد کے علاوہ اور کوئی بھی میرے نام سے واقف نہیں ہے۔ کیپن فیاض نے میرا نام لیا تھا۔!“

عمران خچلا ہونٹ دانتوں میں دبا کر رہ گیا۔ افیاض کو اُس نے محض اس لئے یہاں بلایا تھا کہ یہ معاملہ سیکرٹ سروس سے متعلق نہیں تھا۔

”اُن لوگوں کے اپنے ذرائع ہوں گے۔!“ اُس نے کہا۔

”میں تسلیم نہیں کر سکتا۔!“

”چلو.... تیری صورت کیا ہو سکتی ہے۔!“

”عرف تیری موت۔!“

اوی طلب کرنے تھے۔

شہرور غراٹا ہوا انھ کھڑا ہوا۔ اور ایک بار پھر عمران نہتا ہو گیا تھا۔... پتا نہیں چا تو شہرور کے بازو ہی میں پیوست رہ گیا تھا۔ یاد ہیں کہنیں گر گیا تھا۔

ویسے عمران نے محوس کیا کہ شہرور بھی اب خالی ہاتھ ہی ہے۔

دونوں آپس میں گھٹے ہوئے وحشانہ انداز میں ایک دوسرے کو نوچتے کھوئتے رہے۔ اسی دران میں اس کے بال عمران کے ہاتھوں میں آگئے اور اس نے زور جو لگایا تو ایسا معلوم ہوا جیسے وہ پھرے کی کھال سمیت اکھرتے چلے آئے ہوں۔

اچانک پھر کسی گاڑی کی روشنی ان پر پڑی اور شہرور عمران کو اچھال پھینکنے کی کوشش میں خود ہی چاروں خانے چت گرا۔

گاڑی کی روشنی پوری طرح انہی دونوں پر پڑ رہی تھی۔ شہرور نے انھ میختا چاہا تھا کہ اچانک اس کا کھوپا ہوا روپا اور ہاتھ آگیا۔

عمران پہلے ہی دیکھ چکا تھا اس نے شہرور کو فائز کرنے کا موقع نہ مل سکا۔ اس نے بیاں پیر روپا اور واں ہاتھ پر کھڑا دیا تھا اور دابنے سے ٹھوڑی پر ٹھوکر رسید کی تھی۔

ایک کریبہ کی آواز اس کے حلق سے برآمد ہوئی۔ اور دانت نکل پڑے۔  
”خدا کی بنناہ..... یہ تو علامہ ہے۔!“ عقب سے فیاض کی آواز آئی۔

اب متعدد نارچوں کی روشنیاں ان پر پڑ رہی تھیں۔۔۔ علامہ کی آنکھیں بند ہو گئی تھیں۔ پتا نہیں بن رہا تھا۔ یا کچھ بے ہوش ہو گیا تھا۔

”اور شہرور وہ رہا۔۔۔!“ عمران نے بالوں کے ڈھیر کی طرف اشارہ کیا تھا۔

شلا بھی ان کے ساتھ تھی۔۔۔ دوڑ کر عمران سے لپٹ گئی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔  
علامہ کے ہاتھوں میں ہتھ کڑیاں ڈال دی گئی تھیں۔

”روئے دھونے سے کیا فائدہ۔۔۔؟“ عمران اس کے سر پر ہاتھ پھیرتا ہوا بولا۔۔۔ اب چل کر کوئی ایسا اکثر حلاش کر دھوکتے کے کائے کائیکہ لگاتا ہو ورنہ میں ٹھوڑی دیر بعد تمہارے ہی قول کے مطابق بھونکنا شروع کر دوں گا!“

افتن میں صبح کی سپیدی نمودار ہونے لگی تھی۔

ایور اس نے سٹل پر تھوڑا سا سر ابھارا۔

شہرور پھر ہاتھ سے نکلا جا رہا تھا۔ اس نے دیکھا کہ وہ شکل پر پہنچ چکا ہے۔۔۔ اس گھراؤ پر سائل ڈھلوان تھا۔ عمران بے آواز تیرتا ہوا اس جانب بڑھا۔ اتنی دیر میں شہرور اور پہنچ کر نظر دوں سے او جھل ہو چکا تھا۔

وہ بھی بدقت اور پہنچا کیوں کہ بھیگے ہوئے جوتے ڈھلان پر پھسل رہے تھے۔ اور پہنچ کر چاروں طرف نظر دوڑائی تھی اور ایک جگہ بیٹھ کر ہبائپنے لگا تھا۔!

فیاض کا بھی کیا قصور ہے۔ اس نے سوچا غلطی خود اسی سے ہوئی تھی۔ بلا یا ہاؤ سے تو پوری بات بتا دیتا۔ فیاض جیسے لوگوں سے محض اتنا ہی کہہ دینا کافی نہیں تھا کہ ہوٹل میں قدم نہ رکھے بھلا کیوں نہ رکھے؟

”جہنم میں جائے۔!“ وہ سر ہلا کر بڑا بیا۔ ”پہنچانا جا چکا ہے پتے کر کہاں جائے گا۔!“

بائیں بازو میں ایک جگہ ایسی تکلیف ہو رہی تھی جیسے جلتی ہوئی سلاخ کھال سے ہڈی سک اڑ گئی ہو۔ شامکد کتے کے دانت لگ گئے تھے۔ اور سمندر کے کھارے پانی نے زخموں پر مزید ستم ڈھالا تھا۔ اس نے چینیں ٹولیں۔ چا تو محفوظ تھا۔ روپا اور توکھو ہی چکا تھا۔ چا توکھو کر مٹھی میں دبایا اور اٹھ کر تاروں کی چھاؤں میں پہنچا ہی تھا کہ عقب سے کسی کے چھکنے کی آواز آئی۔۔۔ جہاں تھا وہیں دھڑ سے زمین پر گر گیا اور تیزی سے آواز کی جانب کروٹ لی۔ نشیب کی ایک دراثت سے کسی کا سرا بھرا تھا۔ پھر شانے دکھائی دیتے تھے۔

چا تو کے دست پر عمران کی گرفت مضبوط ہو گئی تاریک اور قد آور ہیولی دراثت سے برآمد ہو کر خود بھی عمران ہی کی طرح زمین پر گر گیا تھا۔۔۔ لیکن عمران کی طرف آنے کی بجائے مغرب کی جانب رینگنے لگا۔

فاصلہ زیادہ نہیں تھا۔ عمران کسی سانپ کی طرح پلٹا تھا اور اس پر جا پڑا تھا۔

چا تو کا پھل اس کے بازو میں اترتا چلا گیا۔!

شاید اسی ہاتھ میں روپا اور بھی تھا۔ اضطراب ہی میں ٹریگر درب گیا تھا۔ فائز کی آواز سنائے میں گوئی۔

ساتھ ہی پولیس والوں کی سیٹیاں بھی فضا میں چکرانے لگیں تھیں۔ غالباً فیاض نے مزید

فیاض اسے حیرت سے دیکھتا ہوا اس کے پیچے چلنے کا باہر نکل کر عمران بولا تھا۔ ”یہ بن نہیں  
ذہنی طور پر ماضی میں لوث گیا ہے۔ بعض صدے ایسے ہی ہوتے ہیں.... شائد اسی لئے  
تھا کہ ان میں سے آخری آدمی کا بھی خاتمہ کر دے۔ لیکن نہ کر سکا!“

”کہاں کی بائک رہے ہو!“

”تم کچھ بھی نہیں جانتے!“

”میا نہیں جانتا!“

”علامہ کی پچھلی زندگی کے بارے میں!“

”بہت زیادہ سنجیدہ ہو رہے ہو!“

”ہم سب درندے ہیں مائی ڈیز فیاض....! سب کچھ سامنے آجائے گا۔ باقاعدہ پوری رپورٹ  
نیار کے تمہارے حوالے کر دوں گا۔ جسے عدالت میں پیش کر سکو گے۔ لیکن اس شخص کے لئے  
میرا دل رو رہا ہے.... کاش اس کے انتقامی جذبے نے انفرادی رنگ اختیار کرنے کی بجائے ایسی  
خربیوں کا ساتھ دیا ہو تا جو ظلم اور جبر کے نظام کو متادینے کے لئے کام کر رہی ہیں!“  
”کہیں میں ہے ہوش نہ ہو جاؤں۔ تمہیں سنجیدہ دیکھ کر....!“ فیاض کو کھلی سی فہمی کے  
ساتھ بولا تھا۔

عمران کے ہونٹ سختی سے بھینچ ہوئے تھے۔ اور وہ اپنی گاڑی کی طرف بڑھا جا رہا تھا۔

فیاض وہیں کھڑا سے دیکھا رہا۔ اس کی آنکھوں میں عجیب سے نثارات تھے!

﴿تمام شد﴾

دو پھر کورٹ ہن صاحب کے طلب کرنے پر وہ ان کے آفس پہنچا تھا۔ انہوں نے اطلاع دی  
کہ علامہ یا تو بن رہا ہے یا چچا گل ہو گیا ہے! مجھے ہی کی حوالات میں اسے رکھا گیا تھا۔  
فیاض کے ساتھ وہ حوالات کی طرف رونہ ہوا تھا۔ اور فیاض کا یہ عالم تھا جیسے اس نے اور  
عمران نے ایک ہی کوکھ سے جنم لیا ہو۔

”عجیب چیز ہے یہ علامہ بھی....!“ اس نے کہا۔ ”بالکل کسی پانچ یا پچ سال کے پیچے کی سی  
آواز میں پیختار ہتا ہے!“

عمران چلتے چلتے رک گیا۔ دفعتاں کے جھرے کی رنگت بدل گئی تھی....!

”یقین کرو.... وہ علامہ کی پاٹ دار آواز نہیں ہے۔ کسی پیچے کی آواز ہے!“ فیاض نے کہا۔

عمران نے تیزی سے حوالات کی طرف قدم بڑھائے تھے۔ ذہن میں آندھیاں اٹھ رہی  
تھیں۔ اور پہلی بار احساس ہوا تھا کہ وہ کیا کر بیٹھا ہے اس دوران میں وہ صرف فیاض کی آواز ستارہ  
تھا۔ اس کا دھیان نہیں تھا کہ وہ کیا کہہ رہا تھا۔

حوالات کے کٹھرے کے قریب پہنچ کر اس نے علامہ کو زمین پر اونٹھے پڑے دیکھا۔ اس  
نے اسے آواز دی تھی۔

علامہ نے اسے سر اٹھا کر دیکھا تھا۔ لیکن اس کی آنکھوں میں شناسائی کی بلکل بھی نہ  
وکھائی دی۔ ان میں ایسی ہی لا تلقی پائی جاتی تھی جیسے کسی چوپائے نے آنکھ اٹھا کر انہیں دیکھ لیا ہو۔

پھر اپاٹک وہ چینخ لگا تھا۔ ”ماں.... ماں.... بابا.... بابا.... میرے بابا....!“

آواز چچ کی پانچ یا پچ سال کے پیچے کی سی تھی۔

”مکمل کی آواز بدلتا ہے!“ فیاض بس کر بولا۔ ”شہر اور اس کی اصل آواز میں کتنا فرق تھا!“

عمران کچھ نہ بولا۔ اس کا تالو خٹک ہوا جا رہا تھا حلق میں کانے سے پڑنے لگے تھے۔

علامہ پھر اسی انداز میں ماں اور بابا کو پکارنے لگا۔ پھر وہ پھوٹ کر رونے لگا تھا!

”چلو....!“ عمران والپی کے لئے مرتا ہوا بولا۔

کالی کہکشاں! ملاحظہ فرمائیے! علامہ کا سلسلہ آپ نے پسند کیا تھا  
شکریہ! چند خطوط میں اس پروفوس بھی ظاہر کیا گیا کہ ”بیچارہ شہزاد“  
اس سلسلے کی آخری کتاب تھی۔ حالانکہ کہانی میں مزید پھیلاو کی  
گنجائش تھی۔

کالی کہکشاں ان لوگوں کی فرمائش پر لکھی گئی ہے جو چاہتے ہیں  
کہ ایک کہانی ایک ہی کتاب میں ختم ہو جایا کرے۔ فرمائش تو میں نے  
پوری کرداری ہے لیکن ساتھ ہی یہ بھی سوچ رہا ہوں کہ واقعی یہ کہانی  
پھیلاو کی مقاضی تھی۔ دو حصوں میں مکمل ہوتی تو اس کی دلچسپیاں  
بھی دو چند ہو جاتیں۔ جو نکٹے تنگی دام کے باعث جملہ لکھے گئے  
ہیں تفصیل انہیں کہیں کہیں پہنچا دیتی۔

اوہر تحریکیہ کی واپسی کی فرمائشوں کے ڈھیر لگ گئے ہیں۔  
یہ سکتا ہے جلد ہی اس طرف بھی توجہ دوں۔ لیکن یہ بتانا میرے بس  
سے باہر ہے کہ زیرِ لینڈ کہاں ہے؟ (فی الحال) ...! آئندہ دیکھئے کیا  
ہوتا ہے! خیر چھوڑیے اس قصے کو ایک نئی بات سنئے! میں سال بعد  
ایک صاحب نے میرے ایک ”گناہ“ کی طرف توجہ دلائی ہے اُن کا

## کالی کہکشاں

(مکمل ناول)

کہتا ہے کہ عمران کے والد کو "رحمن صاحب" کی بجائے عبد الرحمن لکھنا چاہئے....

گذارش یہ ہے کہ یہ احترام محض اسم ذات تک محدود رہا ہے۔ اسائے صفات کے سلسلے میں لوگ اتنے محتاط نہیں رہے۔ آپ نے بھی اکثر سڑکوں پر اس قسم کی آوازیں سنی ہوں گی۔ "ابے او غفورے" یا "او رحیمے کدھر چلا جا رہا ہے۔؟"

میری دانست میں اس بے تکلفی کی وجہ سرف یہی ہو سکتی ہے کہ اللہ پاک نے اپنی صفات کا کسی تدریج سے دار بندے کو بھی قرار دیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب... اگر میں غلطی پر ہوں تو اللہ مجھے معاف کرے۔

بہتیرے علمائے دین بھی میری کتابیں پڑھتے ہیں۔ ممنون ہوں گا اگر وہ اس سلسلے میں میری رہنمائی فرمائیں۔

دیسے عمران کے والد کا پورا نام عبد الرحمن نہیں بلکہ کرم رحمان ہے... خود کو "کے۔ رحمان" لکھتے ہیں... اور میں نے ابتداء سے آج تک "رحمان صاحب" ہی لکھا ہے! صرف "رحمان" بھی نہیں لکھا کہ گستاخی کا پہلو نکل آتا۔

## ابن صفحہ

۱۹۷۶ء

وہ پاگلوں کی طرح کارڈ رائیو کر رہی تھی۔ نچلا ہوٹ دانتوں میں دبا ہوا تھا نتھے غصے کی زیادتی کی وجہ سے پھول پچک رہے تھے۔ پیشانی پر سلوٹیں تھیں.... اور آنکھیں سرخ.... ایسا معلوم ہوا تھا جیسے کارہی سے اُس کی شان میں کوئی گستاخی سرزد ہوئی ہو۔ اسی لئے رگڑے ڈال رہی ہو چکاری کو....!

سرک خطرناک تھی۔ پہاڑی علاقوں کی سڑکیں عام طور پر ایسی ہوتی ہیں۔ چکردار.... جن کی ایک جانب بہت ناک گہرائیاں ہوتی ہیں۔

لیکن وہ تو اس طرح ذرا بیو کر رہی تھی جیسے کسی میدان میں تیز رفتاری کے ریکارڈ توزر ہو۔ خوش شکل بھی رہی ہو گی لیکن اس وقت تو غصب ناکی نے خدو خال کی بنادث ہی بگاڑ کر رکھ لی تھی.... بال کھلے ہوئے تھے اور ایک سرکش لٹ بار بار اڑ کر چہرے پر آر ہتی.... جیں اور بیک میں ملبوس تھی۔! بینے پر کارتوسون کی پیٹی تھی اور ہو لشر میں ریو اور موجود تھا!

سفر کا انٹھام ایک چھوٹی سی بستی میں ہوا... قہوہ خانے کے سامنے اُس نے گاڑی روکی تھی۔

انجمن بند کر کے نیچے اتری.... چند لمحے خاموش کھڑی قہوہ خانے کے صدر دروازے کو گورتی رہی۔ پھر آندھی اور طوفان کی طرح قہوہ خانے میں داخل ہوئی تھی۔! چوبی فرش پر اُس کے دو زنی جوتے ایسے دھمک پیدا کر رہے تھے جیسے دوسروں کا سکون غارت کرنا اُس کے نیادی توقیق میں شامل ہو۔

اُسے دیکھتے ہی ایک آدمی کاؤنٹر کے پیچے سے نکلا تھا اور تیزی سے آگے بڑھ کر اُس کی راہ میں حائل ہونے کی کوشش کی تھی۔

”چلی جاؤ... خدا کے لئے اس وقت چلی جاؤ!“ اُس نے خوف زدہ انداز میں سرگوشی کی تھی!

”بکواس بند کرو...!“ وہ پیر ٹھیک کر دھاڑی... ”مجھے بتاؤ کہ وہ بابا کو کہاں لے گئے ہیں۔!“

”تمہارے لئے بھی خطرہ ہے... چلی جاؤ...!“ اُس نے مژکر کاڈنٹر کی طرف دیکھا تھا۔ لڑکی کی نظر بھی اُدھر ہی اٹھ گئی...!

”کاؤنٹر کے پیچھے کون ہے...؟“ اُس نے آہستہ سے پوچھا تھا۔ ساتھ ہی اُس کا ہاتھ روپیالور کے دستے پر جلا تھا۔

”میں کہتا ہوں چلی جاؤ...!“

”کیا تمہاری شامت آئی ہے...؟ میں نے پوچھا تھا کاؤنٹر کے پیچھے کون ہے...؟“

”وہ دونوں رک گئے ہیں۔ عقیقی کمرے میں ہیں...!“

”کون دونوں...؟“

”طارق اور جواد...! میں کہتا ہوں یہاں سے چلی جاؤ!“

”میں نے پوچھا تھا وہ بابا کو کہاں لے گئے ہیں۔!“

”رب العزت کی قسم...! میں نہیں جانتا... وہی دونوں جانتے ہوں گے۔ ان کے ساتھ تھے... نہ جانے کیوں یہاں رُک گئے ہیں۔ ہو سکتا ہے... تمہارے ہی لئے زکے ہوں... چلی جاؤ... پھر کہتا ہوں چلی جاؤ...!“

”اس نے پھر خوف زدگی کے ساتھ کاؤنٹر کی طرف دیکھا تھا۔

”تو وہ جانتے ہوں گے کہ بابا کو کہاں لے جایا گیا ہے...!“ لڑکی نے سوال کیا۔

”جب ساتھ ہی تھے تو پسروں جانتے ہوں گے۔!“

”اور تم مجھے مشورہ دے رہے ہو کہ میں یہاں سے چلی جاؤں۔!“

”فی الحال عقل مندی کا تقاضا ہی ہے۔!“

”اور تم ان لوگوں کے مقابلے میں بابا کے ہمدرد ہو...!“

”یقیناً ہوں...!“ وہ آہستہ سے بولا۔ ”لیکن تمہارے علاوہ اور کسی کے سامنے اعتراف کی جرأت نہیں رکھتا۔!“

”اُچھی بات ہے تو پھر ہٹ جاؤ میرے راستے سے..! میں انہی دونوں سے معلوم کروں گی۔!“ ”تم سمجھتی کیوں نہیں...!“ اُس نے چاروں طرف دیکھ کر بے بی سے کہا۔ اس دوران میں تھوڑے خانے کی ساری میزیں خالی ہو گئی تھیں۔ لوگ خطرے کی بو سوگھتے ہی ایک ایک کر کے مک گئے تھے۔!

”اُچھی بات ہے... میں جارہی ہوں...!“ لڑکی نے آہستہ سے کہا۔ وہ سکھیوں سے کاؤنٹر کی طرف دیکھے جا رہی تھی۔ کاؤنٹر کے پیچھے کا دروازہ تھوڑا سا کھلا تھا... اور اُس آدمی کی شکل مان نظر آئی تھی جس نے دروازہ کھولا تھا اور پھر وہ تیزی سے باہر آگیا۔ لڑکی صدر دروازے کی طرف مڑی ہی تھی کہ وہ ہاتھ اٹھا کر دہرا دا...!

”شہر...!“

لڑکی پلٹ پڑی لیکن اُس کا روپیالور ہو لشکر سے نکل آیا تھا اور اُس کی نال آواز دے کر روکنے والے کے سینے کی طرف اٹھی ہوئی تھی۔ تھوڑے خانے کا مالک تھوک نگل کر رہ گیا۔

کاؤنٹر کے پیچھے کھڑے ہوئے آدمی نے اپنے ہاتھ اور اٹھادیے تھے۔ لڑکی اُس کے دل کا نہ لئے آہستہ آہستہ کاؤنٹر کی طرف بڑھتی رہی قہوہ خانے کا مالک جہاں تھا وہیں کھڑا رہا۔ اُس کے پیچے پر سر اسیکنگی کے آنار تھے۔

”بابا کہاں ہیں...؟“ لڑکی نے کاؤنٹر کے قریب پہنچ کر تیز قسم کی سرگوشی کی۔ ”تم فائز نہیں کر سکتیں۔!“ وہ بھرا ہی ہوئی آواز میں بولا۔ ”میری بات کا جواب نہ دے کر دیکھو...!“

”میں نہیں جانتا...!“

”تم جھوٹے ہو...؟ بتاؤ...!“ لڑکی نے کہا اور پھر کسی قدر تر چھپی ہو کر فائز کر دیا لیکن ٹلارہ آدمی تھا جس نے دروازے کی اوٹ سے لڑکی پر فائز کرنے کی کوشش کی تھی۔ روپیالور اُس کے ہاتھ سے چھوٹ پڑا۔

”وہ آدمی جس نے ہاتھ اٹھا کر تھے بوکھلا کر ایک طرف ہٹ گیا تھا۔

”بھیجے ہو... ویسے ہی کھڑے رہو...!“ لڑکی ڈپٹ کر بولی اور کاؤنٹر کے پیچے والا دروازہ

”جواد بابر نکل کر بات کرو....!“ لڑکی دھاڑی..... لیکن اس بار اندر سے کوئی آواز نہ آئی۔ زینونے نچلا ہونٹ دانتوں میں دباتے ہوئے سوچا کہیں وہ فرار نہ ہو گیا ہو۔ ”طارق....! آگے بڑھا اور دیوار کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو جاؤ!“ اُس نے ریو اور کو جنیش دے کر کہا۔

”تم ضرور پچھتاوگی....!“ کہتا ہوا دیوار کی طرف مڑ گیا۔ زینونے ایک ریو اور ہولشر میں ڈال دیا اور دوسرے سے طارق کو کور کئے ہوئے اس کی طرف بڑھی۔ وہ دیوار سے لگا کھڑا تھا۔ اُس کے ہولشر سے ریو اور نکال لینے کے بعد اپنے ریو اور کے دستے سے اُس کی گردن پر ضرب لگائی تھی۔

طارق لڑکھڑا تھا ہوا فرش پر آرہا۔ ”رب الحضرت کی قسم تو بڑے دل گردے والی ہے....!“ قہوہ خانے کے مالک نے کہا جو اب کاؤٹر کے قریب کھڑا ہوا تھا۔

”کیا وہ دوسری طرف سے نکل گیا ہو گا!“ زینونے بیہوش طارق پر سے نظریں ہٹانے لشیر پوچھا۔

”اُدھر کی کھڑکی میں سلانخیں نہیں ہیں!“ جواب ملا۔

”اوہ.... تب تو ضرور نکل گیا ہو گا!“

”میں دیکھوں جا کر....!“

”ضرور... ضرور... میں اُدھر ہی ٹھہر گوں گی۔ کہیں یہ بھی ہوش میں آگر کھکھ نہ جائے!“

”مجھے اس کے لئے جواب دی کرنی پڑے گی!“

”ہاں.... یہ بات تو ہے.... اچھی بات ہے.... میں جا رہی ہوں تم اسے دیکھو.... پھر میں کوئی ایسی تدبیر کروں گی کہ تم جواب دی سے بچ جاؤ!“

وہ دروازہ کھول کر باہر نکلی۔ قہوہ خانے سے تھوڑے ہی فاصلے پر بھیڑ لگ گئی تھی۔ اُس نے ان لوگوں پر اچھتی سی نظر ڈالی تھی اور ریو اور والا ہاتھ اٹھا کر بولی تھی ”اگر کسی نے اُدھر آنے کی کوشش کی تو اچھا نہیں ہو گا!“

جو جہاں تھا وہیں کھڑا رہا۔ وہ چکر کاٹ کر قہوہ خانے کی پشت پر پہنچا۔

زوردار آواز کے ساتھ بند ہو گیا تھا اور بولٹ سر کنے کی آواز بھی آئی تھی۔ لڑکی اُس آدمی کو کو رکے ہوئے کاؤٹر کے پیچے آئی اور جھک کر ریو اور اٹھالیا... ریو اور کے قریب ہی اُسے خون کی بوندیں بھی نظر آئی تھیں....!“ صدر دروازہ بند کر دو....!“ لڑکی نے قہوہ خانے کے مالک سے کہا۔ اُس نے چپ چاپ تعییل کی تھی۔

”اب میرے دونوں ہاتھوں میں ریو اور ہیں!“ لڑکی نے اونچی آواز میں کہا۔ ”ایک کارخ دروازے کی طرف ہے اور دوسرے کا طارق کی طرف.... بہتری اسی میں ہے جواد کہ باہر آجائے.... اور مجھے بتاؤ کہ تمہارے ساتھی بابا کو کہاں لے گئے ہیں....؟“ اُس کی آواز سنائے میں گونج کر رہ گئی۔ لیکن کہیں سے بھی کوئی جواب نہ ملا۔ ”جواد زخمی ہو گیا ہے....!“ لڑکی نے طارق سے کہا۔ ”یہ رہیں خون کی بوندیں، میں تمہیں بھی زندہ نہ چھوڑوں گی ورنہ بابا کا پتا بتا دو!“

”مم.... میں نہیں جانتا....!“

”تم دونوں بہاں کیوں رک گئے تھے....!“

”بب.... بس یو نہیں....!“

قہوہ خانے کا مالک دروازہ بند کر کے وہیں رک گیا تھا۔ لیکن اب اُس کے چہرے پر بیجان بی انتشار کی علامات نہیں تھیں۔ بڑے سکون کے ساتھ اس پھوٹیشن کا تماثلائی بنا ہوا تھا۔ ”اچھی بات ہے تو مرنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ میں ان میں سے کسی کو بھی نہیں بخشوں کی جو بابا کی پریشانی کا باعث بنے ہیں!“ لڑکی نے طارق سے کہا۔

”تیرے بابا نے غداری کی تھی....!“ اندر سے کراہتی ہوئی آواز آئی۔

”باہر نکل کر بات کیوں نہیں کرتا کتے.... اگر تو بابا کی غداری ثابت کر سکا تو میں تھے معاف کر دوں گی!“

”تم پچھتاوگی زینو....!“ طارق بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

”دیکھا جائے گا.... تم اپنی خیریت چاہتے ہو تو جواد کو میرے سامنے بلاو....!“

”مم.... میں کیسے بلاوں....!“

کھڑکی کھلی نظر آئی۔ اُس کے بیچے دیوار پر خون کی لکیریں تھیں۔ کمرہ خالی تھا۔ وہ کھڑکی ہی کی طرف سے کمرے میں داخل ہوئی اور کھڑکی بند کر کے عکنی لگادی۔۔۔ یہاں بھی فرش پر کئی جگہ تازہ خون کے دھبے تھے۔ اور واژہ کھول کر وہ پھر ہاں میں پہنچ گئی۔ طارق بدستور اونڈھا پڑا نظر آیا۔ ابھی تک ہوش میں نہیں آیا تھا۔

”باہر بھیڑگ گئی ہو گی!“ قہوہ خانے کے مالک نے پوچھا۔

زینو نے سر کی جینش سے اعتراض کیا تھا اور طارق کی طرف متوجہ ہو گئی تھی۔

”جاڑ دروازہ بند کر کے بولت کر دو....!“ اُس نے کچھ دیر بعد قہوہ خانے کے مالک سے کہا۔ وہ پڑھنے اندراز میں دروازے کی طرف بڑھ گیا تھا۔

واپسی پر زینو سے بولا۔ ”مجھے یقین آکیا ہے کہ طارق نہیں جانتا۔ جواد کو علم تھا جو فرار ہو گیا....!“

”مجھ سے نق کر کہاں جائے گا.... یہاں ان کی کوئی گاڑی تو نہیں تھی....!“

”نہیں... یہ دونوں کل صبح بستی ہی میں قیام کرنو والے تھے۔ کل ان کے لئے گاڑی آتی؟“

”ٹھیک ہے...! میں تمہیں کرسی سے باندھ جاؤں گی اور تم جواب دہی سے نق جاؤ گے...!“

”زینو.... تم تھا کچھ نہیں کر سکتیں۔!“

”تو پھر یہاں کون میرا ساتھ دے گا۔!“

قہوہ خانے کا مالک کچھ نہ بولا۔ زینو نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ ”اس نے مجھے ہی سب کچھ کرنا ہے۔!“

”تم کیا کرو گی....?“

”جو کچھ بھی بن پڑے گا....! بیبا کو ان کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑ سکتی....!“

”سبھی میں نہیں آتا کہ یہ کیوں اور کیسے ہوا....?“

”وہ کہہ رہا تھا کہ بابا نے غداری کی تھی۔!“

”میں سوچ بھی نہیں سکتا۔!“

زینو پھر یہوش آدمی کی طرف دیکھنے لگی تھی.... قہوہ خانے کا مالک کہیں سے موٹی ڈور کا ایک لچھا نکال لایا۔ پہلے یہوش طارق کے ہاتھ پشت پر باندھے گئے تھے۔ پھر اُس نے خود بھی

”پہنچا تھے پیر بندھو اے تھے اور زینو سے بولا تھا۔ ”اب کیا کرو گی....!“

”جواد کو تلاش کروں گی....!“

”بستی والوں سے ہوشیار ہنا۔۔۔ سرخ روئی حاصل کرنے کے لئے وہ تم پر پیچھے سے بھی وار کئے ہیں۔!“

”تم بے فکر ہو....!“ اُس نے کہا اور دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

باہر نکلی تھی.... بھیڑک اپنی موجود تھی۔ لیکن کسی نے بھی اس کی طرف بڑھنے کی اُت نہیں کی تھی۔ اور اپنی گاڑی میں آپنی.....! طارق کی کارتوس کی چیزی سے سارے کارتوس ل ائی تھی اور دونوں ریوں اور بھی اُسی کے قبضے میں تھے۔

گاڑی اشارت کر کے ایک بار پھر وہ قہوہ خانے کی پشت پر آئی تھی اور گاڑی سے اُتر کر کھڑکی لے قریب پہنچی تھی اور زمین پر خون کی بوندوں کی تلاش شروع کر دی تھی۔

پھر میں اور شفاف زمین پر یہ کام کچھ ایسا مشکل بھی نہیں تھا۔ تھوڑی دور تک خون کی نہیں نظر آتی رہیں.... پھر یہ بیک غائب ہو گئی تھیں....!

چاروں طرف دور دور تک دیکھ آئی لیکن خون کی ایک بوند بھی کہیں نہ دکھائی دی۔

آخر اُس جگہ سے وہ کہاں غائب ہو گیا....! آس پاس کوئی ایسی پناہ گاہ بھی نہ دکھائی دی جہاں لے چھپ رہنے کا امکان ہوتا۔

وہ پھر گاڑی کی طرف پلت آئی۔ اتنے میں قہوہ خانے کی عقبی کھڑکی کھلی تھی اور زینو نے لپھرتی سے ریو اور نکال لیا تھا۔

کھڑکی میں ایک چہرہ نظر آیا۔۔۔ بستی ہی کا کوئی فرد تھا....! چہرہ شناساگر رہا تھا۔!

”تم نے اچھا نہیں کیا لڑکی....!“ وہ بھاری بھر کم آواز میں بولا۔

”دونوں زندہ ہیں....! مر نہیں گئے....!“ زینو نے لاپرواہی سے کہا۔

”آسے ابھی تک ہوش نہیں آیا۔!“

”اتنا طاقت ور نہیں معلوم ہوتا کہ جلد ہوش میں آجائے۔!“

”تم جانتی ہو اس کا کیا انجام ہو گا۔!“

”تم ہی بتاؤ اگر نہیں جانتی....!“

وڑا سے ایک آدمی برآمد ہوا اور وہیں ایک بڑے پتھر سے جنگ لا کر بیٹھ گیا۔

زینو کی آنکھوں سے پہلے ہی کی سی چک پھر عود کر آئی۔ تنفس کسی قدر تیز ہو گیا۔

اسی طرح کہیوں کے ملن ہشکتے ہوئے اُس نے ایک لمبا پکڑ لیا اور اُس کی لا علی میں عین ان کے سر پر جا پہنچی۔

”جنہش نہ کرنا اپنی جگہ سے....!“ اُس نے ہولٹر سے رویا اور نکال کر اُس کے سر کا نشانہ لینے ہوئے کہا۔

وہا چھل پڑا اور منہ اٹھا کر آواز کی سمت دیکھنے لگا۔

سب سے پہلے رویا اور کی نالہ ہی پر نظر پڑی ہو گی....! بے حس و حرکت بیٹھا رہ گیا۔ پھر زینو ایک ہی جست میں اُس کے سامنے جا پہنچی تھی۔

”تم آخر ہمارے پیچھے کیوں پڑ گئی ہو...!“ جواد اپناز خنی ہاتھ باعثیں ہاتھ سے دباتے ہوئے کر لے۔ ”ہمیں جو حکم ملا تھا....!“

”بُس....!“ زینو غرائی۔ ”مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں۔! میں نے صرف یہ معلوم کرنا چاہا تھا کہ بابا کو کہاں لے جایا گیا ہے....؟“

جواد تھوک نگل کر رہ گیا۔

”لیکن اُس سے پہلے تمہیں یہ ثابت کرنا پڑے گا کہ بابا غداری کے مر تکب ہوئے تھے۔“

”ہمیں یہی بتایا گیا تھا....!“

”یہ تو خوب نہ ہوا....!“

”پھر میں کیا کروں....!“

”یہی کہ ایسی کوئی بیہودہ بات زبان سے نہ نکالو جس کا کوئی ٹھوس ثبوت تمہارے پاس نہ ہو۔!“ جواد کچھ نہ بولا۔... زینو چند لمحے اُسے گھورتی رہی پھر بولی۔ ”یقین کرو اگر تم نے زبان نہ کھولی تو میں تمہیں سکا کر ماروں گی۔!“

”ہمیں حکم ملا تھا کہ جس طرح بھی ممکن ہو انہیں کہکشاں پہنچا دیں۔!“

”اور تم لوگ ان کی بے خبری میں حملہ آور ہوئے تھے۔!“

”پھر کیا کرتے جابر خان کو لکارنا آسان تو نہیں اور میں نے تو ہاتھ بھی نہیں لگایا تھا۔!“

”پوری بُتی پر عذاب نازل ہو گا۔!“

”وہ میرے بابا کو پکڑ کر کہیں لے گئے ہیں۔ طارق اور جواد ان کے ساتھ تھے۔!“

”مجھے معلوم ہے....!“

”کہاں لے گئے ہیں....?“

”یہ میں نہیں جانتا....! وہ بُتی ہی سے گذرے تھے اسی لئے سب کو اس کا علم ہے....! اور اب جتنی جلد ممکن ہو یہاں سے چلی جاؤ۔... ورنہ اگر ہوش میں آنے کے بعد طارق نے بُتی والوں کو تمہارے خلاف اسکیا تزوہ اس کا کہنا مانے پر مجبور ہو جائیں گے۔!“

”میں چلی جاؤں گی....! لیکن یہی بتا دو کہ جواد کہاں غائب ہو گیا....!“

”اس نے ادھر اور دیکھ کر سامنے والی پہلی بیویوں کی طرف انگلی اٹھائی تھی۔“

”تمہارا بہت بہت شکر یہ....! میں ہمیشہ یاد رکھوں گی....!“ کہتی ہوئی وہ گاڑی میں بیٹھ گئی۔ اور گاڑی تیر کی طرح سڑک کی جانب روانہ ہوئی تھی۔

شانک وہ سمجھ گئی تھی کہ جواد نے کہاں پناہ لی ہو گی....! چھینے ہوئے رویا اور اُس نے ڈلیش بورڈ کے ایک خانے میں رکھ کر اُسے مقفل کر دیا تھا۔! چکھ دوڑ..... سڑک پر چلنے کے بعد اُس نے گاڑی کو بڑی احتیاط سے ایک ڈھلان میں اتنا ناشروع کیا تھا اور بالآخر اس میں کامیاب بھی ہو گئی تھی....! ایک مسطح جگہ کا انتخاب کر کے گاڑی وہیں روکی اور اجنب بند کر دیا۔

بے حد پر سکون نظر آرہی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اس مہم کی کامیابی پر پوری طرح یقین ہو....! گاڑی کو مقفل کر کے دوسری جانب والی چڑھائی طے کرنے لگی تھی....! آنکھیں کسی ایسے درندے کی آنکھوں سے مشابہ نظر آرہی تھیں جو شکار کرنے لگا ہو۔

چنان کی انتہائی بلندی پر پہنچ کر وہ سینے کے بل لیٹ گئی تھی اور کہیوں پر زور دال کر آہستہ ہشکت ہوئی چنان کے دوسرے سرے کی طرف بڑھنے لگی۔ سورج ابھی غروب نہیں ہوا تھا۔ ہوا میں خلکی پیدا ہو گئی تھی لیکن چنان ابھی تک تپ رہی تھی۔

دوسرے سرے پر پہنچ کر اُس نے نشیب میں جھانکا۔... دور دور تک کوئی نہ کھائی دیا۔ ایک بار پھر اُس کی آنکھوں میں تشویش کے آثار آبھر آئے.... بڑی دیر تک اُسی حالت میں بے حس و حرکت پڑی رہی۔ پھر اس طرف کی ڈھلان میں اترنے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ نیچے باکیں جانب والی

بھے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے پیٹ میں بے شمار کتے کے پلے ٹیاؤں ٹیاؤں کر رہے ہوں.... میں نے کہا سو جائیے ریاح گھوم رہی ہوگی۔ کان سکھنگ کر ہولے کیا ریاح ٹیاؤں ٹیاؤں کرتی ہے!“  
”کہیں پاگل نہ ہو جائیں...!“ گل رخ نے پر تشویش لجھ میں کہا۔ ”کتے کے کامے سے ادی پاگل ہو جاتا ہے!“

”ارے جادوہ خود ہی سالاپاگل ہو گیا ہو گا کامنے کے بعد...!“  
”آہستہ بول سن لیا تو گردن اڑا دیں گے...!“  
”یئے بھی الگ چکے ہیں.... لیکن کسی طرح وہم ہی نہیں نکلا دیا گے!“  
”میں تو کہتی ہوں کسی بہت بڑے ڈاکٹر کو دکھائیں... ولاتت چلے جائیں!“  
”یہ ولاتت کیا ہوتی ہے...!“

”مزک پاس کیا ہے تو نے.... اور یہ تک پتا نہیں کہ وہ اُس وقت ولاتت کھلاتی تھی جب یہاں انگریزوں کی حکومت تھی.... اب تو سالا صرف لندن ہے...!“  
”ارے ہو گا کچھ میں کہہ رہی تھی کسی بڑے ڈاکٹر کو....!“  
”بس بس.... بہت دیکھے ہیں بیاز.... جب بھی گھر پکڑتے ہیں اسی طرح بور کرتے ہیں۔  
اج کل شائد کوئی کام دھام نہیں ہے!“

”کل مجھ سے پوچھ رہے تھے پہاڑ پر چلے گی....!“  
”چل جاندا کے لئے!“  
”اکیلے.... وہ تو بھی جائے گا تو جاؤں گی....!“  
”محضے کون پوچھتا ہے....!“

”ارے نہیں.... کہہ رہے تھے کہ سلیمان بھی جائے گا!“  
”مر گیا سلیمان....!“  
”کیوں....؟ کیوں....؟“  
”شائد تو نھیک کہہ رہی ہے....!“  
”کیا نھیک کہہ رہی ہوں....!“

”آن کے بر پر ضرب کس نے لگائی تھی!“  
”داراب نے...!“  
”تم دونوں یہاں کیوں رُک گئے تھے!“  
”اس لئے کہ کسی طرح تمہیں بھی کہکشاں لے جایا جائے!“  
”تم لوگوں کو یقین تھا کہ اس کا علم ہوتے ہی میں تعاقب کروں گی!“  
جواد نے اثبات میں سر کو جنبش دی.... اور ہولے ہولے کراہنے لگا۔  
زینو چوکی تھی اور بڑی بھرتی سے ایک پتھر کی اوٹ میں چھلانگ لگائی تھی۔ اور پر سے فائزہ  
تحاول گوئی اُسی پتھر سے رگڑ کھاتی ہوئی دوسری طرف نکل گئی تھی۔  
”گھر د....!“ کسی نے چیخ کر کہا اور دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز سے فضا گونجے گئی۔  
پھر زینو کے ریواور سے ایک شعلہ نکلا.... ایک چین سناٹے میں گونجی اور اُس کا شکار اپر سے لڑھکتا ہوا نیچے چلا آیا۔  
دوڑتے ہوئے قدموں کی آوزیں معدوم ہو گئیں۔ زینو آہستہ آہستہ پیچھے کھسک رہی تھی۔  
”جانے دو.... فائزہ کرو....!“ جواد نیچے سے چھانا....! ”ورنہ سب مارے جاؤ گے!“  
کہیں سے کوئی جواب نہیں آیا تھا.... اور کسی نے بھی اپنی جگہ سے جنبش کرنے کی کوشش  
نہیں کی تھی۔  
زینو نکلی چلی گئی تھی.... مقصود حاصل ہو چکا تھا.... وہ یہی تو جانتا چاہتی تھی اُس کے باپ  
کو وہ لوگ کہاں لے گئے ہیں!



”خداؤں کے کو غارت کرے جس نے ایسے پر منہ مارا تھا!“ سلیمان بھنا کر بولا۔  
”تو کیوں مراجا رہا ہے....!“ گل رخ چھپنائی۔  
”ارے زندگی عذاب بن گئی ہے.... پچھلی رات بے خبر سورہا تھا۔ جا کر کہنے لگے.... ابے

پوٹی خالہ بھونکنے لگی تھیں ایک ہفتے کے بعد....!  
ہالو کی بیوی کو خالہ کہتے ہیں نا....!  
تی ہاں....!

تو پھر سیاہ کون بھونکنے گا....؟ عمران نے مایوسی سے کہا۔  
لیمان سر کھجھانے لگا۔  
بولا تکیوں نہیں....!

میں کیا باتوں صاحب.... اسی لئے کہتا تھا کہ شادی کر لیجھے..! ہو جاتی بھونکنے والی بھی!-

تیری والی سے کام نہیں چلے گا....!

وہ کیوں بھونکنے لگی.... مجھے تو کاتا نہیں کتے نے....!

تو پھر کیا کریں....!

اب تو شادی بھی نہیں ہو سکتی....!

کیوں نہیں ہو سکتی....!

اپنی خوشی سے کون بھونکنے پر تیار ہو گی....؟

یہ بھی ٹھیک کہا ہے.... اچھا تو پھر کروے بستہ گول....!

گک.... کیا مطلب....!

پھر پر چلیں گے.... جوزف بھی جائے گا اور تو بھی اپنی فیملی سمیت....!

صرف میں چل سکتا ہوں....! فیملی اپنی والدہ کے ساتھ رہے گی!-

کیوں بکواس کر رہا ہے وہ بھی جائے گی....!

تو پھر اسی کو لے جائیے.... میں نہیں جاؤں گا!-

آبے کیوں شامت آئی ہے....!

نہیں صاحب..... وہ جائے گی یا میں جاؤں گا!-

آخر کیوں....!

پھر پر مجھے بہت غصہ آتا ہے کہیں کسی بات پر گردن نہ مر وڑ دوں....!

فرمات کر میں مڑی ہوئی گردن سیدھی کر سکتا ہوں....!

"یہی کہ کہیں پاگل نہ ہو گئے ہوں.... ورنہ کہاں سیمان... اور کہاں پہاڑ۔ اس کے مقدر میں تو صرف سل بند لکھے ہوئے ہیں!-

"بک بک مت کرو.... کہیں تو تیار ہو جائیو....!"

"آن کے ساتھ کسی ایسی جگہ نہیں جاسکتا جہاں بھاگ نکلنے کا راستہ بھی نہ معلوم ہو!-

"خواہ خواہ مرڑ کئے جا رہا ہے جو کچھ میں کہہ رہی ہوں وہی مجھے کرنا پڑے گا!-

"کرچکا....!

"کیا....؟ نہیں کرے گا....!

"اپنا کام کر مغز نہ چاٹ....!

انتہے میں جوزف کچن کے دروازے پر نظر آیا تھا۔  
باس ٹم کو بلاٹا....! اس نے سیمان سے کہا۔  
"کیا کر رہے ہیں....؟"  
"سینٹ بجاٹا....!"  
"سینٹ بجاڑا ہے ہیں....؟ پہلے تو بھی ایسا نہیں ہوا....!" سیمان نے گل رخ کی طرف دیکھ کر کہا۔  
جوزف چلا گیا تھا۔ گل رخ بولی۔ "جاد کیہ کیا بات ہے.... میں ہانڈی دیکھ لوں گی!-

"اب توڈر لگتا ہے ان کے قریب جاتے ہوئے....!"  
"کیوں خواہ خواہ بد نام کرتا ہے.... میں نے تو کوئی ایسی بات نہیں دیکھی جس سے پاگل معلوم ہوں....!"  
"یہی تو خرابی ہے.... پتہ ہی نہیں چلے گا کہ کب پاگل ہو گئے!-

"چل دیکھ جا کر کیا کہہ رہے ہیں!-

سیمان ہاتھ جھاڑتا ہوا کچن سے نکلا تھا اور سٹینگ روم کی طرف چل پڑا تھا۔ عمران آرام لرسی پر نیم دراز نظر آیا۔  
"بھی.... فرمائیے....!" سیمان نے بڑے ادب سے پوچھا۔  
"آبے وہ تیرے چھوٹے خالو کو بھی تو کتنے نے کاتا تھا.... پھر کیا ہوا تھا!-

سلیمان آئئے پاؤں بھاگا تھا اور کچن میں داخل ہو کر دروازہ بند کر لیا تھا!

”کیا ہے۔ ارے کیا ہے....!“ گل رخ بو کھلا گئی۔

”جع.... جع.... جع پا گل....!“ سلیمان ہاتھا ہوا بولا۔

”کیا بک رہا ہے....!“

”جوزف سے کہہ رہے تھے اسے ہولڈال میں لپیٹ دے۔ زبردستی پہاڑ پر لے چلیں گے!“

”اخاہ رے.... نخنے بھولے....! یہ کوئی نئی بات ہے....!“ ہمیشہ ہی سے ایسی باتیں کرتے آئے ہیں....!

”اسی نئے تو کہتا ہوں کہ لاکھ برس پتا نہیں چل سکے گا کہ کب پا گل ہو گے....!“

”چل ہٹ اُدھر میں جا کر پوچھتی ہوں!“ وہ اُسے دروازے کے سامنے سے ہٹاتی ہوئی بوی۔

”کہاں جاتی ہے....!“

”تو چپ رہ....!“ وہ دروازہ کھول کر کچن سے نکل آئی۔

عمران اب بھی وہیں تھا.... اُس کے اس طرح دیکھنے کے انداز سے گل رخ بھی بو کھلا گئی۔

”کیا بات ہے....?“ عمران نے اُس سے پوچھا۔

”وہ صاحب.... تھی.... ہولڈال والی بات....!“

”پکھہ بھی ہو لے جاؤں گا مردود کو.... کہتا ہے گل رخ جائے گی تو میں نہیں جاؤں گا!“

”ہائے.... تو یہ بات ہے....!“

”لیکن اُس نے تمھے سے بھی کہا ہو گا کہ میں پا گل ہو گیا ہوں....!“

”پا گل ہوں آپ کے دشمن.... خدا کرے اُسی کی سات پیشیں پا گل ہو جائیں!“

”اکیلے جانا چاہتا ہے....!“

”آپ کا جانا ضروری ہے خاک ڈالنے ہم دونوں پر....!“

”ڈال دی.... دفع ہو جاؤ.... لیکن یہاں نہ رہتا۔ اُس مردود کو بھی ساتھ ہی لے جانا!“

”بُرے سر کار ناراض نہ ہوں کہیں....!“

”میں نہیں جانتا....! جوزف ان دونوں کو فوراً انکال باہر کرو....!“

”ارے نہیں صاحب....!“ گل رخ کھکھیا۔

”آخر آپ کو اُس سے کیوں اتنی دلچسپی ہو گئی ہے!“

”بڑی اچھی بچگی ہے.... ہمیشہ ہاں میں ہاں ملائی رہتی ہے!“

”اچھا توجہ ہاں میں ہاں ملائے بہت اچھا ہے....!“

”کھلی ہوئی بات ہے....!“

”اچھی بات ہے....! میں ملاؤں گا ہاں میں ہاں....! اُسے سین چھوڑ چلے....!“

”دونوں مل کر کیوں نہ ملاؤ ہاں میں ہاں....!“

”یہ ناممکن ہے....!“

”تمیری تو ٹکھیاں بھی جائیں گی....!“

”شوق سے لے جائیے ٹکھیوں کو مجھے کوئی اعتراض نہ ہو گا!“

”عمران نے جوزف کو آواز دی.... وہ فوراً انہی پہنچا تھا۔

”یہ....!“ عمران سلیمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”ہولڈال میں جائے گا!“

”میں نہیں سمجھتا بس....!“

”بستر کے ساتھ ہولڈال میں اسے بھی لپیٹ دو....!“

”کیا تم سنجیدہ ہو بس....!“

”کیوں بکواس کر رہا ہے کیا تمھے سے مذاق کا رشتہ ہے....!“

”لیکن.... ہولڈال میں مر جائے گا....!“

”پکھہ بھی ہو.... اسے زندہ یا مردہ پہاڑ پر لے جانا ہے....!“

”اگر یزی میں کیا مسکوت ہو رہی ہے....!“ سلیمان بولا۔

” بتا دے اس کو بھی....!“ عمران نے جوزف سے کہا۔

”تم سالا ہولڈال میں جائے گا....!“

”ہولڈال میں....!“ سلیمان نے آنکھیں نکالیں۔

”ہم بولا.... مر جائے گا.... بسا بولا مر جائے!“

”ارے باب رے.... تو گویا میئے کچھ بے اثر ہے....!“

”جی....!“ عمران نے مسکرا کر آنکھیں چکایں۔

”میاں یوی کو اکیلے گھر میں نہیں رہنے دوں گا۔ دنیا کیا کہے گی۔!“  
”جی.....!“ گل رخ کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

جوزف نے عمران کی آنکھ پچا کر گل رخ کو وہاں سے چڑھنے کا اشارہ کیا تھا اور وہ یک بیک  
کھسک ہی گئی تھی۔

عمران جوزف کو آنکھ مار کر مسکرایا اور بولا۔ ”دونوں ہی مجھے پاگل سمجھنے لگے ہیں۔!“

”آسمان والا تمہیں بچائے باس.....! درنہ وہ رات ایسی ہی تھی کہ اگر جیونتی بھی کاٹ لیتی تو  
تم اپاڈھنی تو زان کھو بیٹھتے۔!“

”مت بکواس کرتیاری شروع کر۔!“

”کیا تیاری بھی کرنی ہو گی.....!“

”کم از کم ایک ماہ کے لئے اس شہر کو چھوڑ دینا چاہتا ہوں۔!“

”یہ تو بڑی اچھی بات ہو گی باس.....! میکن روائی کب ہو گی.....!“

”آج....! ٹھیک چار بجے شام کو....!“



زینو وہاں سے تو کسی نہ کسی طرح نکل آئی تھی اور اپنی گاڑی تک بھی پہنچ گئی تھی لیکن  
دروازہ بھی نہیں کھولنے پائی تھی کہ کسی نے پیچھے سے گردن پکڑ لی.....! وہ اچھی تھی اور دونوں  
پاؤں گاڑی سے ٹکا کر اپنا سارا بوجھ حملہ آور پر ڈال دیا تھا دونوں ہی دوسری طرف الٹ گئے.....!  
خود حملہ آور پر چت گری تھی اور برق کی سرعت سے ترپ کر الگ ہو گئی تھی! پھر حملہ آور کو  
اٹھنے کا موقع نہیں مل سکا تھا۔ لیٹھے ہی لیٹھو زنی جوتے کی ٹھوکر اُس کے چہرے پر رسید کی تھی۔  
پھر اس کے دوبارہ سنبھلے سے پہلے ہی اُس کے سینے پر سوار ہو گئی۔ دونوں ہاتھوں کارباو حملہ  
اور کی ناک پر پڑ رہا تھا اور اُس کے حلق سے گھٹی گھٹی سی چینیں نکل رہی تھیں۔ زراہی کی دیر میں  
وہ بے حس و حرکت ہو گیا۔

زینو نے اُس کے ہول شر سے بھی رویا اور نکال لیا اور کارتوسون کی چینی خالی کر دی۔  
شائد طارق نے بستی والوں کو ڈرادھم کا کر اُس کے خلاف اپنی مدد کرنے پر مجبور کر دیا تھا اس  
لئے اب وہاں سے نکل ہی یعنے میں عافیت تھی۔ ویسے وہ مقصد بھی حاصل ہو گیا تھا اس کے لئے  
اس نے یہ ساری نگہ و دوکی تھی۔

گاڑی میں بیٹھی.....! انہی اشارت کیا اور ناہموار راستے پر چل پڑی.....! دفعتاً اُس نے کسی کی  
آواز سنی تھی۔

”ٹھہر و...! ٹھہر جاؤ...! خدا کے لئے...! زینو...! مجھے بھی لتی چلو...!“

اُس نے پلٹ کر دیکھا۔... قبوہ خانے کا مالک گاڑی کے پیچھے دوڑا آ رہا تھا۔

زینو نے بریک لگائے اور کہا۔ ”جلدی کرو...! پیچھے بیٹھ جاؤ...!“

وہ دروازہ کھول کر بچھلی سیٹ پر گر گیا۔... اور گاڑی پھر چل پڑی۔

نہی طرح ہانپ رہا تھا.....! گاڑی سڑک پر پہنچ گئی تھی۔ تھوڑی دیر بعد قبوہ خانے کا مالک  
بولा۔ ”طارق کو مجھ پر شہمہ ہو گیا تھا۔!“

”وہ لوگ بے وقوف نہیں ہیں ہیں....!“

”ایسی صورت میں میرا وہاں ٹھہرنا خطرے سے خالی نہ ہوتا۔!“

”تم نے مناسب قدم اٹھایا ہے....!“

”وہ بستی والوں کو تمہارے خلاف اس انے میں کامیاب ہو گیا ہے۔!“

”ہاں....! انہوں نے مجھے گھیرنے کی کوشش کی تھی۔!“

”اب کہاں جاؤ گی....!“

”جہاں بابا کو لے جیا گیا ہے....!“

”کیا معلوم ہو گئی وہ جگ...?“

”ہاں....! میں اور ہرجواد کی تلاش میں آئی تھی....! آسانی سے ہاتھ آ گیا....!“

”پھر کیا ہوا....! کیا تم نے اُسے مار ڈالا....!“

”خواہ گواہ زندگیوں سے نہیں کھیلتی....! اگر نہ بتاتا تو یقیناً مار ڈالتی....!“

”کہاں لے گئے ہیں....?“

”ای لئے کہہ رہا ہوں کہ ٹھنڈے دماغ سے سوچنے کی ضرورت ہے...!“  
زینو کچھ نہ بولی۔

”تم پڑھی لکھی تو کی ہو... اور جابر خان نے تمہیں دوسرے ملکوں میں تعلیم دلوائی ہے۔  
ا تمہیں جہالت سے کام نہ لینا چاہئے!“

”شکریہ شرخان.... تمہاری باقیں قابل غور ہیں...!“

”لیکن سوال تو یہ ہے کہ فی الحال کہاں جاؤ گی۔ گھرو اپسی خطرے سے خالی نہ ہو گی اور!“  
”بے فکر ہو...!“

”پھر کہاں جاؤ گی...؟“

”کئی ایسے ٹھکانے ہیں جن کا علم میرے علاوہ اور کسی کو نہیں۔!“

”کاش کہ مجھے معلوم ہو سکے....!“ شرخان نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

”آخر جابر خان سے کون سا قصور سرزد ہوا ہے....!“

زینو نے سختی سے ہونٹ بھینچ لئے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے دل پر جبر کے خود کو اظہارِ خیال  
بے بادر کھنک کی کوشش کر رہی ہو۔!

شرخان نے تھوڑی دیر بعد پھر وہی ذکر چھیڑ دیا اور زینو بولی۔ ”میں نے کہہ دیا کہ مجھے  
ھیل کا علم نہیں ہے۔!“

”بڑی عجیب بات ہے....!“

”میرا خیال ہے جابر خان نے تم سے کبھی کوئی بات نہیں چھپائی۔...!“

”ہو سکتا ہے یہ کوئی ایسکا بات ہو جس کا ذکر کرنے کا انہیں موقع ہی نہ ملا ہو۔!“

”تم جاتی ہو کہ میں جابر خان کے بچپن کے ساتھیوں میں سے ہوں....! اس لئے ہر حال  
کی اس کا ساتھ دوں گا....!“

”میں تمہاری مشکور ہوں شرخان....! اگر تم مجھے ان دونوں کی موجودگی سے باخبر نہ  
لو یہ تو میں کچھ بھی نہ معلوم کر سکتی۔!“

”میرا فرض تھا زینو.... میرا فرض تھا.... اگر مجھے اصل معاملے کا علم ہو جائے تو شاکرداں  
ملک میں بھی کچھ کر سکوں.... آخر غداری کا الزام کیوں عائد کیا گیا ہے....!“

”کہکشاں....!“

”اور تم وہاں جاؤ گی....!“ وہ مختار بانہ انداز میں بولا۔

”بھتی جلدی بیٹھ کسی....!“

”وہ تو ان کا قلعہ ہے زینو.... اب اچھی طرح سوچ سمجھ کر کوئی قدم اٹھانا....!“

”سوچنے کا وقت گذر گیا....! اگر بابا کو کوئی نقصان پہنچ گیا تو کیا کروں گی....!“

”کیا وہ انہیں مار ڈالیں گے....!“

”خدا جانے....! لیکن کیا تم نے سنا تھا.... ان پر غداری کا الزام ہے.... جو کسی طرح بھی  
ممکن نہیں.... بابا بہت کھرے آدمی ہیں۔!“

”بات شروع کیے ہوئی تھی....!“

”مجھے تفصیل کا علم نہیں....!“ زینو نے کہا اور سختی سے ہونٹ بھینچ لئے۔ ”ویسے تم خود اپنی  
حالت سے اندازہ لگا لو.... اگر وہاں رکتے تو محض شہبے کی بنا پر وہ لوگ تمہاری چلنی بنا دیتے....!“

”پتا نہیں.... اس ظلم کا غانتہ کب ہو گا....!“

”جب تک مظلوموں کی غیرت نہیں جاگے گی....!“

”لیکن میری بات بھی مان لو.... ایک دم سے کہکشاں کی طرف نہ جاؤ۔!“

”میں بھی بھتی ہوں کہ یہ لا حاصل ہو گا.. لیکن دیر ہو جانے پر کہیں وہ بابا کو نارنڈاں ہیں۔!“

”میں یہ کبھی نہ چاہوں گا.... احسان فراموش کتا نہیں ہوں.... تمہارے بابا کے مجھ پر  
بڑے احسانات ہیں....!“

”میں ان کا عیوض نہیں چاہتی....!“

”مجھے غلطانہ سمجھو زینو....!“

”پھر کیا کہنا چاہتے ہو....?“

”خود کو ہلاکت میں ڈالنے سے پہلے.... اچھی طرح سوچ سمجھ لو.... تمہارے بابا انہم آدمی  
ہیں۔ اس لئے میرا خیال ہے کہ وہ زندہ رکے جائیں گے۔ مار ڈالنا مقصود ہوتا تو یہ واردات

تمہارے ٹھکانے ہی پر ہو جاتی.... کہکشاں کیوں لے جائے جاتے۔!“

”ہاں.... یہ بات تو دل کو لگتی ہے....!“

”خانے پینے کو بھی کچھ ہے یا نہیں....!“  
 ”میری گاڑی کی ڈگی میں سب کچھ موجود ہے....! اس کی طرف سے بھی بے فکر رہو....  
 پورے انتظام کے ساتھ روانہ ہوئی تھی!“  
 تھوڑی دیر بعد غار میں الاؤ کی سرخ روشنی پھیلی ہوئی تھی اور وہ دونوں آگ کے قریب  
 بیٹھے کافی پر ہے تھے!

”تمہیں کسی چیز سے بھی خوف نہیں معلوم ہوتا زیوں....!“ شر خان نے پوچھا۔  
 ”صرف خدا سے ڈرتی ہوں شر بیبا....!“  
 ”بڑی خوشی ہوتی ہے کہ باہر تعلیم حاصل کرنے کے باوجود بھی تم بے دین نہیں ہو میں...!  
 وہ کچھ نہ بولی۔ الاؤ میں چھتی ہوئی لکڑیوں کو گھوڑتی رہی۔!

شر خان نے تھوڑی دیر کہہ لیا اب میرا شمار بھی غداروں میں ہو گا۔!  
 ”بس کرو....!“ وہ تاخوں گوار بجھے میں بولی۔ اس لفظ کو سنتے سنتے کان پک گئے ہیں۔ میرے  
 عقیدے کے مطابق دین سے انحراف اور وطن دشمنی کے علاوہ اور کوئی فعل غداری نہیں کھلایا  
 جاسکتا۔“

”یہ تو نہیں ہے.... مم.... گمرا..... خان....!“

”خان قراتوغا کا نہ وطن ہے اور نہ خدا....!“

”یہ تم ہی کہہ سکتی ہو جس نے فریگیوں کے ملک میں تعلیم حاصل کی ہے۔!  
 اجداد سے چلی آنے والی لائیعنی رسوم کو دین نہ بنا۔ شر بابا اور پھر اب ہمارا اصل حاکم خان  
 قراتوغا نہیں ہے کہ اُس کی اطاعت ہم پر واجب و لازم ہو....! میرے بابا صرف اُس کے ملازم  
 ہیں۔ اپنی خدمات کے عوض تنخوا حاصل کرتے ہیں.... خان قراتوغا ان پر احسان نہیں کرتا۔“

”سرداروں کی اطاعت صدیوں سے لازم چلی آ رہی ہے۔!  
 ”اب وہ بھی کسی اور کو جواب دہے اس لئے اُن کی برتری ختم ہو چکی ہے.... اصل حاکم وہ

سرکاری افسر ہے جس کے تحت قراتوغا کا نظام چل رہا ہے۔!  
 ”خان کو اُس کی حمایت حاصل ہے....!  
 ”ہوا کرے.... وہ سرکاری افسر بھی کسی اور کو جواب دہے....!  
 ”

”تم خود سوچو....!“ وہ آتا کر بولی۔ ”میری سمجھ میں تو نہیں آ رہا!“  
 اندر ہیرا پھیلنے لگا تھا ایک جگہ اُس نے اپنی گاڑی پھر تشبیہ میں انتار دی۔

یہاں چاروں طرف اوپری تیجی چٹانیں بکھری ہوئی تھیں اور راستے بے حد دشوار گزار تھا۔  
 ”یہاں کس طرح چلاوگی گاڑی....؟“ شر خان نے حیرت سے کہا تھا۔

”بس دیکھتے جاؤ....! میں صرف تور میں روٹیاں ہی نہیں لگاتی رہی ہوں!“ زینونے نہ کر کہا۔  
 تھوڑی دیر بعد اُس نے ایک پتلی سی دراڑ کے قریب گاڑی روکی تھی۔

خاصاً اندر ہیرا پھیل گیا تھا۔ ... اُس نے ڈیش بورڈ کے خانے سے نارچ نکالی تھی۔  
 ”رات میں سفر جاری رکھنا مناسب نہ ہوتا۔!“ اُس نے کہا۔

”یہاں گاڑی بھی دوسروں سے پوشیدہ رہے گی اور ہم بھی محفوظ رہیں گے۔!  
 ”خدا کرے ایسا ہی ہو....!“ شر خان بولا۔

”تمہارے لجھ میں مایوسی ہے....!  
 ”میں کیا کروں....! اچھی طرح جانتا ہوں کہ مظالم ڈھانے والے شیطانی قوتوں کے ماں

ہوتے ہیں۔!

”اوہ....!“ وہ نہ کر بولی۔ ”یہاں پچاس بھی آجائیں تو میں تمہاری اُن پر بھاری پڑوں گی!“  
 ”یہ بھی جانتا ہوں کہ تم بہت دلیر لڑکی ہو۔!  
 ”

زینونے دراڑ میں نارچ کی روشنی ڈالی تھی اور شر خان سے اُس میں داخل ہو کر آگے بڑھنے  
 کو کہا تھا۔ خود عقب سے نارچ کی روشنی ڈال کر راستہ دکھاتی رہی تھی۔  
 دراڑ کا اختتام ایک بہت بڑے غار میں ہوا تھا۔

”یہ جگہ شکاریوں کو بھی نہیں معلوم....!“ زینونے کہا۔  
 ”تمہاری دریافت ہے....!  
 ”نہیں بابا کی....!“

”تو ہم یہاں رات گزاریں گے....!“ شر خان نے پوچھا۔  
 ”فکر نہ کرو۔ لو مریوں کے شکار کے زمانے میں ہم یہاں راتیں گزارتے ہیں اس لئے ضرورت  
 کی بھتیری چیزیں یہاں موجود ہیں۔ جلانے کے لئے لکڑیاں کمبل اور موئی شمعیں وغیرہ...!  
 ”

”بہر حال....! خان کو اس کی حمایت حاصل ہونے کی وجہ سے تمہارے بابا کی آواز قروائنا سے باہر نہیں پہنچ سکے گی۔“

”دیکھا جائے گا....ند میں خان سے ڈرتی ہوں اور نہ اس کے شکاری کتوں سے...!“

”خدا ہم پر حم کرے....!“ شرخان بھرا تھی ہوئی آواز میں بولا۔

”ختم کرو اس قصے کو.... یہ بتاؤ کہ داراب سے عام طور پر کہاں مل بھیز ہو سکتی ہے؟“

”وہ ایسا شکاری کتا ہے جو ہمیشہ گشت پر رہتا ہے....! کوئی مخصوص نہ کھانا نہیں ہے....!“

”ہو سکتا ہے جابر خان کو کہکشاں پہنچا کر پھر کسی مہم پر نکل گیا ہو....!“

”میں نے اُسے آج تک نہیں دیکھا....! صرف نام سنتی رہی ہوں۔!“

”بے حد خطرناک آدمی ہے۔ اُس کا ایک گھونسہ مضبوط سے مضبوط کھپڑی توڑ دیتا ہے...!“

”دیکھوں گی....!“ کتنا خطرناک ہے....!“

”اُس سے دور ہی رہنا.....! کم از کم میری ایک بات تو مان لو....!“

”اچھا شمر بابا....!“

”سائیکو منشن کی گاڑیاں ہر راستے پر چل سکتی ہیں....!“

”لیکن باس.... یہ کتوں کی تصویر یہیں....؟“

”مجھے یاد دلاتی تر ہیں گی کہ میرے سفر کی غرض و غائبت کیا ہے....!“

”وہ تو میں بھی کر سکتا تھا۔!“

”تو پھر ہر کتے کے ساتھ اپنی تصویر بھی لٹکا دے۔!“

”مجھے بڑی تشویش ہو جاتی ہے باس....!“

”کس سلسلے میں....!“

”تم نے ان جگشن لئے بھی تھے یا مخفی کہہ کر ہی رہ گئے تھے۔!“

”لیعنی تو بھی یہی سوچ رہا ہے کہ میرا دماغ چل گیا ہے....!“

”من نہیں باس.... لیکن....!“

”بکواس بند.... میں بالکل ٹھیک ہوں....!“

”خدا کرے ایسا نہیں ہو....!“ جوزف سر جھکا کر مضخل آواز میں بولا تھا اور عمران اُسے گھورنے لگا تھا۔!

بہر حال سفر شروع ہوا تھا اور وہ دونوں باری باری سے ڈرائیور گک کرتے رہے تھے۔  
دن بھر سفر جاری رہتا اور سر شام کوئی مناسب سی جگہ ملاش کر کے شب بری کی ٹھہر تی۔  
باری باری سے سوتے اور گاڑی کی رکھوائی کرتے۔!

آج ایسی ہی دوسری شام تھی اور وہ ایک ایسی جگہ رکے تھے جہاں دور دور تک نام کو بھی  
بزرہ نہیں تھا۔ چاروں طرف بھوری سلگاخ چٹانیں بکھری ہوئی تھیں۔  
”یہاں تو عاصی سردی ہے باس....!“ جوزف نے کہا۔  
”ہاں.... اوہر کی راتیں گرمیوں میں بھی بہت سرد ہوتی ہیں۔!“  
”پچھے عجیب سا حساس ہو رہا ہے۔!“  
”کہیں شاعری نہ شروع کر دینا.... جلدی سے کافی کے لئے پانی رکھ دے۔....!“  
”میرا مطلب تھا کہ ہواؤں میں بار و دکی بوجھ محسوس ہوتی ہے۔!“  
”ہوتی ہو گی....!“ عمران نے لاپرواہی سے شانوں کو جنبش دی۔

اب تو جوزف بھی سرا سیمکی کا شکار ہو گیا تھا۔ اُس کی دانست میں یہ سفر بذریعہ طیارہ ہونا تھا  
لیکن سامنے آئی ایک بہت بڑی گاڑی جس میں ضروریات زندگی کی ہر شے موجود تھی۔

دو بستر تھے.... ایک چھوٹا سا پکن.... ایک منقص سا باتھ روم.... دیواروں پر مختلف نسلوں  
کے کتوں کی تصویریں آؤ رہیں تھیں۔ یہ گاڑی بھی پہلی بار جوزف کی نظر وہ سے گذری تھی۔

”اگر وہ دونوں بھی چلتے باس.... تو کیا ہوتا۔!“ جوزف نے عمران سے پوچھا تھا۔ ”اُس گاڑی  
میں تو گذارہ ممکن نہ ہوتا۔!“

”تب پھر اور کوئی صورت ہوتی۔!“

”لیکن یہ گاڑی.... کیا یہ پہاڑی راستوں پر آسانی سے چل سکے گی۔!“

”اور تو اسے اپنی تقدیر میں لئے پھر رہا ہے۔!“  
 ”مجبوری ہے بس....!“  
 ”مجبوری سے فائدہ کیوں نہیں اٹھاتا۔!“  
 ”کیسے بس....!“  
 ”آسی جہنم کی آگ پر روٹیاں سینک لیا کر تسلی ہی کچت ہو جائے گی۔!“  
 جوزف خوف زدہ سی ہنسی کے ساتھ بولا تھا۔ ”بات میں بات نکالنے سے کام نہیں چلتا جب  
 لال چگادر حملہ آور ہوتی ہے....!“  
 ”خدا کے لئے اب ختم کریے قصہ....!“  
 ”جوزف تھوڑی دیر خاموش رہ کر بولا تھا۔ ”ان راستوں پر رہنی ضرور ہوتی ہو گی۔!“  
 ”رہنی تو نہیں ہوتی.... لیکن دشمنوں کی بناء پر قتل ضرور ہوتے ہیں۔!“  
 ”ہاں میں سنا ہے کہ ان اطراف میں انتقام کے صدیوں پرانے اولاد بھی چکائے جاتے ہیں۔!“  
 ”یہی بات ہے....!“  
 ”کیا تمہارے پیغمبر کا پیام یہاں تک نہیں پہنچا....!“  
 ”پیغام پہنچانے والوں کو زیادہ تر اپنی پوچا کرنے کی فکر رہتی ہے اس لئے وہ صرف اختلافی  
 سائل پر ایک دوسرے کو لالکارتے رہتے ہیں۔!“  
 ”بیچارہ آدمی....!“ جوزف نے ٹھنڈی سانس لی۔ ”کسی طرح بھی نہیں سدھ رکتا۔... اب  
 بھی دیکھو باس....! یسوع کا پیرو بن جانے کے بعد مجھے اپنے قبائلی توانات سے پچھا چھڑالیا  
 چاہئے تھا لیکن ایسا ممکن نہ ہوا اس نے گوشت اور شراب کی ممانعت کی تھی لیکن میں.... لیکن  
 میں....!“ اچاک جوزف دہائیں مارمار کر دنے لگا۔  
 ”ابے اونا لاکن.... کیا ساتویں بوتل بھی چڑھا گیا ہے....!“  
 ”مم.... میں سیر لیں ہوں بس....!“ جوزف روتا ہو بولا۔  
 ”یعنی تو نے ساتویں بوتل میں ہاتھ نہیں لگایا۔!“  
 ”ہر گز نہیں بس....! آج تو صرف چار ہی ہوئی ہیں۔!“ جوزف نے کہا اور بدستور روتا رہا۔  
 ”تب تو تجھے مر ہی جانا چاہئے کہ لال چگادر سے بھی کمزور پڑتا ہے....!“  
 ”وہ جہنم کی آنچ ہے....!“

رات اندر ہیری نہیں تھی۔ دسویں کا چاند پوری آب دناب کے ساتھ فضا کو منور کئے ہوئے  
 تھا۔ چاندنی اور ستائے کا یہ پر اسرا امترانج بہت دنوں بعد یکھنے کو ملا تھا۔!  
 ”ایسے ہی موقع پر دل چاہتا ہے بس....!“ جوزف ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ ”پر گل  
 جائیں اور میں اپنے دلیں کو اڑ جاؤ۔!“  
 ”پر گل کے بغیر بھی تجھے اڑا سکتا ہوں....!“  
 ”جس بس.... یقین کرو....!“ جوزف بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔  
 ”میں نے تجھے بھرے میں تو نہیں بند کر کھا۔!“  
 ”میں کب کہتا ہوں.... لیکن تمہاری جدائی تو موت ہی کا پیغام ہو گی۔!“  
 ”زیادہ سینٹی میٹھی ہونے کی ضرورت نہیں۔!“  
 ”کبھی میرے دلیں کا بھی کوئی کام نکال لو بس....! تاہمیں لک تو ہو آئے ہو۔!“  
 ”ہاں یہ ممکن ہے.... میری خواہش بھی ہے کہ افریقہ کے کچھ ممالک دیکھوں....!“  
 ”تو پھر جلدی سے کوئی پروگرام بنا ڈالو بس....!“  
 ”تجھے گانا بھی آتا ہے....!“ عمران نے موضوع بدلنے کے لئے سوال کیا۔  
 ”اپنی زبان میں صرف جگی ترانے گا سکتا ہوں۔!“  
 ”چل سنا دے کوئی....!“  
 ”اوہ.... اس وقت تو مشکل ہے....! چاند کی دسویں ہے آج....!“  
 ”اس سے کیا ہوتا ہے....؟“  
 ”میرے مقدر کی لال چگادر طیش میں آجائے گی۔!“  
 ”آجائے دے.... میں دیکھوں گا کہ طیش کے عالم میں وہ کیسی لگتی ہے۔!“  
 ”خواہ میں مر ہی کیوں نہ جاؤ۔....!“  
 ”لال چگادر کے طیش میں آنے کی وجہ سے....؟“  
 ”ہاں بس....!“  
 ”تب تو تجھے مر ہی جانا چاہئے کہ لال چگادر سے بھی کمزور پڑتا ہے....!“  
 ”وہ جہنم کی آنچ ہے....!“

”اس غم میں بھی ایک آدھ بوتل روزانہ بینی پڑتی ہے....!“  
عمران کچھ کہنے ہی والا تھا کہ اچاک دور سے فائزوں کی آوازیں آئیں اور جوزف کی گریہ  
زاری میں بھی بریک لگ گیا۔

پھر کئی فائز ہوئے تھے اور اس بار عمران نے ست کا بھی تعین کر لیا تھا۔  
”یہ کیا ہو رہا ہے باس....!“

”ہوتا ہی رہتا ہے کچھ نہ کچھ فکر مت کرو....!“

”ہم رائفلوں کی رٹن سے باہر نہ ہوں گے آواز کا فاصلہ بھی بتاتا ہے....!“  
”گاڑی میں بیٹھو.... ششے چڑھادو اور دروازوں کو مقفل کر دو....! رائفل کی گولیوں سے  
خوف ہو جاؤ گے.... گاڑی بلٹ پروف ہے.... البتہ اگر کوئی گولی کسی نائز سے آنکھی تو پریشانی  
ہو گی کیونکہ نائز بلٹ پروف نہیں ہیں۔!  
پھر وہ دونوں گاڑی کے اندر آبیٹھے تھے اور جوزف نے کہا تھا۔ ”کیوں نہ آگے چلیں باس۔!“

”نہیں.... بیٹھن ٹھہر دو....!“

فائزوں کی آوازیں تھوڑے تھوڑے دفعے سے اب بھی آرہی تھیں.... ایسا معلوم ہو رہا تھا  
جیسے دوپارتیاں ایک دوسرے کو گھیرنے کی کوشش کر رہی ہوں۔!

جوزف نے بھاڑ سامنہ کھول کر جانی لی اور بولا۔ ”تو پھر کھلوں پانچویں بوتل باس....!  
”ہرگز نہیں.... بند گاڑی کے اندر اگر تو نے بوتل کھوئی تو میں اُس کی بوئی سے بیوشاں  
ہو جاؤں گا۔!  
”تو پھر میں باہر نکل جاؤں۔!  
”کیوں شامت آئی ہے.... چپکا بیٹھا رہا۔.... ان اطراف میں پہلی بار آیا ہوں.... راستوں  
کا بھی علم نہیں ہے۔!  
کچھ دیر بعد پھر سننا چاہیا تھا.... اور انہوں نے گاڑی کے ششے گردیے تھے سر دی بڑھ

ری تھی لیکن جوزف اس کے باوجود بھی بوتل سنگھال کر گاڑی سے نکل گیا۔  
دو چار گھنٹ پی لینے کے بعد اُس نے کھڑکی میں سر ڈال کر کہا تھا۔ ”مقدار کی لال چگادڑ کی  
المکی کی تیسی میں تمہیں ضرور سناؤں گا رجڑ.... یہ اُس وقت گایا جاتا ہے جب ہم دشمنوں پر اس

”میں بہت گنگا رہوں پاس....! لیکن آخر اس نے ہمیں شراب کشید کرنے کی عقل کیوں  
عطائی تھی۔!  
”اور بھیڑ بکریاں کیوں پیدا کی تھیں....؟“ عمران نے کہا۔

”تم خود سوچو باس....!“

”ابے اب چب رہتا ہے یا جماؤں دو چار باتھھے....!“

”میری سمجھ میں نہیں آتا کیا کروں....؟“

”گوشت اور شراب بھی استعمال کئے جاؤ اور خدا خدا بھی کئے جاؤ۔!  
”لیکن کیا یہ عقل مندی کی بات ہے....!“

”اور تو مجھ سے اس طرح پوچھ رہا ہے جیسے چھ بوتلیں میرے ہی بیٹت میں انکھیلیاں کرتی ہوں۔!  
”نہیں تم مجھے بتاؤ....!“

”جلدی سے پانچویں کھول لے.... ورنہ اب میں بھی روپڑوں گا۔!  
”ہائے میں کیا کروں....!“

”اب نک کے گناہوں سے توبہ کر اور پانچویں بوتل کھول لے۔ پانچویں کے بعد پھر توبہ کر  
لیجیو۔!  
”ہائے کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔!  
”پانچویں بوتل کے بغیر نہیں آئے گا سمجھ میں۔!  
”شائد تم نحیک کہہ رہے ہو.... پئے بغیر ڈھنک کی کوئی بات سوچنی نہیں سکتا۔!  
”پیتا رہ اور سوچتا رہ کہ تجھے بلا آخ رشراپ ترک کرنی ہے....!  
”تم عقل مندوں کے سر تاج ہو باس....!  
”سر تاج عقل مندوں کے نہیں بیویوں کے ہوا کرتے ہیں۔!  
”میں نہیں سمجھا۔!  
”اپنی طرف کی چیز ہے تیری سمجھ میں نہیں آئے گی۔!  
”تم آخر شادی کیوں نہیں کرتے باس....?  
”ابے یہ روتے روتے میری شادی کی کیوں سوچھ گئی۔!  
”

”پچھے کچھ تو ہونا ہی چاہئے....!“ عمران نے گاڑی کے ایک خانے سے اعشاریہ دو دو کی رائفل نکالتے ہوئے کہا۔

”تمہاری مرضی.... دیکھ لو....!“

عمران بائیں جانب چل پڑا تھا۔ دراصل اُس کا رخ آسی طرف تھا جدھر سے رات کو فائرروں کی آوازیں آئی تھیں یہ بھی ممکن تھا کہ وہاں کسی قسم کا ہیکار ہوا ہو۔!

ذہن میں ایسے نشانات قائم کرتا جا رہا تھا جن کی مدد سے دوبارہ گاڑی تک پہنچ سکتا۔ بڑی بے ہنگم چٹانیں تھیں.... ان کے درمیان راستے کی ٹلاش میں خاصی دشواری پیش آ رہی تھی۔ ... پچھے دور چل کر وہ رک گیا۔ ... سوچ رہا تھا کہ کہیں واپسی میں بھک ہی نہ جائے.... روائی سے پہلے اندازہ نہیں تھا کہ کس قسم کی چٹانوں سے سابقہ پڑے گا۔ وہاں کے لئے پلٹا ہی تھا کہ عقب سے آواز آئی۔ ”راکفل زمین پر ڈال دو۔ ... ورنہ چھلنی ہو جاؤ گے۔“

یہ مقامی زبان میں کہا گیا تھا جسے عمران سمجھتا بھی تھا اور روائی سے بول بھی سکتا تھا۔ اُس نے چپ چاپ رائفل نیچے ڈال دی۔

”اب ادھر مڑو۔ ... ہاتھ اوپر اٹھاؤ۔...!“

عمران نے تعیل کی تھی اور احتمانہ انداز میں پلکیں جھپکائی تھیں....! ایک لڑکی جی بن اور جیکٹ میں مبسوں ریو اور تانے کھڑی نظر آئی۔

”تم میں سے کسی کو بھی زندہ نہیں چھوڑوں گی۔...!“ اُس نے کہا اور عمران نے اُس کی آنکھوں میں ایسے ہی عزم کی جھلکیاں دیکھیں۔... اور پوری طرح تیار ہو گیا۔

فارٹ ہوا تھا۔... اور وہ ڈھلان میں لڑھکتا چلا گیا تھا۔... لڑکی واپسی کے لئے مڑی۔

”ارے ٹھہر وو۔... یہ اپنی گولی تو لیتی جاؤ۔...!“ نیچے سے عمران نے کہا۔ وہ اچل پڑی۔... عمران قبیلہ لگاتا ہوا ڈھلان پر چڑھ رہا تھا۔

لڑکی نے پھر فائر جھوک مارا۔... پے در پے کی فائر کے تھے۔... ہر فائر پر وہ اسی طرح اچلا تھا جیسے گولی نشانے پر بیٹھی ہو۔... اور پورے پانچ فائر گن لینے کے بعد لمبا بایٹ گیا تھا۔

لڑکی آہستہ آہستہ چلتی ہوئی اُس کے قریب آئی۔... اور جھک کر اُس کی رائفل اٹھا ہی رہی۔

لئے حملہ کرتے ہیں کہ ان کے مویشی چھین لا سیں۔!

پھر اُس نے بوتل زمین پر کھدی تھی اور گاڑی میں تھاپ دے دے کر گاچھا زنے لگا تھا۔ عمران حیرت سے آنکھیں پھاڑے اُسے دیکھتا رہا۔...! بالکل ایسا ہی لگ رہا تھا جیسے جوزف پر دیوانگی طاری ہو گئی ہو۔!

”بس یا اور....!“ جوزف پچھے دیر بعد بولا تھا۔

”بس....!“ عمران ہاتھ اٹھا کر دھاڑا۔... ”مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے میرے تن پر لنگوٹی کے علاوہ اور پچھے باقی نہ بچا ہو....!“

جوزف نے منج میں آکر قبیلہ لگایا تھا اور بوتل اٹھا کر دو گھونٹ لے تھے۔

”کھانا بھی کھائے گایا نہیں....!“

”تم کھالا بس مجھے بھوک نہیں ہے....!“

”معدہ برست ہو جائے گا کسی دن....!“

”وہ دن بھی تو آئے۔... تمہاری زندگی ہی میں مر جانا چاہتا ہوں۔...!“ جوزف نے کہا۔

اس کے بعد اُس نے پھر ٹنگنا شروع کر دیا تھا۔

رات سکون کے ساتھ گذری تھی دوبارہ فائر نہیں سنائی دیئے تھے۔ دوسری صبح عمران نے جوزف سے کہا۔ ”دبوں کی نہانے میرا ہاضمہ بر باد کر دیا ہے۔... اس لئے تازہ گوشت کے لئے شکار ضروری ہو گیا ہے۔!“

”مجھے یقین نہیں ہے کہ ان پہاڑیوں میں شکار مل سکے۔... اور تم گیدڑ کا گوشت تو کھانے سے رہے۔... حالانکہ گیدڑ کے اسٹوکا جواب نہیں ہوتا۔!“

”چپ.... کیوں بکواس کرتا ہے۔...!“ عمران بُر اسامنہ بنا کر بولا۔ ”تجھے یہیں رک کر گاڑی کی گرانی کرنی ہے۔... میں آس پاس دیکھتا ہوں شائد کوئی پہاڑی بکرا مل جائے۔... ان اطراف میں ملتا ہے۔....!“

”پتھر چاٹ کر بکرے زندہ نہیں رہ سکتے۔!“

”یہ بھی ٹھیک ہے۔....!“ عمران سر ہلا کر بولا۔

”لیکن یہاں چکور ضرور ہوں گے۔....!“ جوزف نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

تھی کہ عمران نے ہاتھ پکڑ لیا۔  
”مردے کامال ہضم نہیں ہوگا....!“ اُس نے آہستہ سے کہا۔  
اور لڑکی نے بائیں ہاتھ سے روپاور کا دستہ اُس کے سر پر مارنے کی کوشش کی لیکن وہ ہاتھ  
بھی پکڑ لیا گیا!

پھر وہ اُسے دھکا دے کر اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ لڑکی دھپ سے زمین پر بیٹھ گئی۔  
پہلی بار عمران نے اُس کی آنکھوں میں خوف کی جھلکیاں دیکھیں۔!  
ساتھ ہی وہ اُسے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھے بھی جا رہی تھی۔

”پوری چھ گولیاں میرے جسم میں پیو سوت ہو گئی ہیں....!“ عمران نے احتمانہ انداز میں کہا۔  
”لیکن میرے جسم میں تو خون ہی نہیں ہے ورنہ کپڑے بھی خراب ہو جاتے۔!  
وہ پکھنہ بولی۔ اُس کامنہ حیرت اور خوف سے پھیلا ہوا تھا۔  
”ڈرو نہیں....! میں کسی سے کہوں گا نہیں کہ تم نے مجھے راڑالا ہے....!“  
”مجھے جانے دو....!“ وہ پھنسی پھنسی سی آواز میں بولی تھی۔  
”یہ بتائے بغیر نہیں جانے دوں گا کہ آخر تم نے مجھ پر حملہ کیا تھا۔ نہ کبھی کی جان نہ  
پہچان اور اس لباس سے ظاہر ہوتا ہے کہ تم اپنی روایات کی بھی پابند نہیں ہو۔!  
”تت.... تم کون ہو....؟“

”اب تو ایک لاش ہی سمجھو.... خدا کی پناہ.... پوری چھ گولیاں....!  
”تم جھوٹے ہو.... ایک بھی نہیں گلی۔!  
”دکھاؤ....؟ نکال کر....!“

”مجھے جانے دو....!“ وہ ہاتھ چھڑانے کی کوشش کرتی ہوئی بولی۔  
”تم نے کہا تھا ایک کو بھی زندہ نہیں چھوڑوں گی۔!  
”مجھے غلط فہمی ہوئی تھی.... ہر چند کہ ہماری زبان بول سکتے ہو لیکن ہم میں سے نہیں ہو۔!  
”میں ملک کی ساری علا قائل زبانیں بول سکتا ہوں۔!  
”بس تو پھر معاف کرو.... مجھے غلط فہمی ہوئی تھی.... انہوں نے پھیل رات میرے  
ساتھی کو مارڈالا.... جوش انقام میں اندر گھی ہو رہی تھی۔!

”مجھے تازہ گوشت کی ضرورت ادھر لائی تھی....!“ عمران نے کہا۔  
”ادھر گوشت کہاں.... شکار قطعی نہیں ہے۔!  
”چکور بھی نہیں ملتے۔!  
”بہت کیا بہیں ہیں.... دن بھر میں شام ایک آدھ ہاتھ لے گئے.... اب چھوڑو میرا ہاتھ۔!  
”تمہارا لباس مجھے حیرت میں ڈال رہا ہے....! ادھر کی خاتین تو بہت قدامت پسند ہیں۔!  
”میں ان سے مختلف ہوں....! میں نے یو کے میں تعلیم حاصل کی تھی۔!  
”اوہ.... تو یہ کہو....!“ عمران اُسے نیچے سے اوپر تک دیکھتا ہوا بولا۔  
”بس اب جانے دو....!  
”میرا خیال ہے کہ تم تھا ہو.... اور وہ کئی ہیں۔!  
”کچھ اسی ہی بات ہے....!  
”اچھا.... تو وہ پھیل رات والی فائزگ....!  
”تم کہاں تھے....؟ تم کیا جانو....?  
”ادھر....!“ عمران داہنی جانب والی چٹاون کی طرف ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”ہم دن بھر سفر  
کرتے ہیں اور رات کو کہیں رک جاتے ہیں۔! ہماری گاڑی ادھر کھڑی ہے۔!  
”گاڑی ہے....؟“ لڑکی نے پر مرست لجھے میں پوچھا۔  
”ہاں....?  
”تب تو میں تم سے لفٹ مانگوں گی.... انہوں نے میری گاڑی بھی بناہ کر دی۔!  
”کہاں جاؤ گی....?  
”تم کدھر جا رہے ہو....!  
”قراتوغا....!  
لڑکی کی پیشانی پر سلوخیں پڑ گئیں اور اُس نے پر شعباہ نظر وہ اُسے دیکھا تھا۔  
”وہیں رہتے ہو....؟“ اُس نے بالآخر پوچھا۔  
”نہیں.... تفریج اجارہ ہوں....!  
”کس کے مہماں ہو....؟“

”دہاں تو جانا ہی پڑے گا....!“  
 ”خان سے فریاد کرو گی....؟“  
 ”فریاد....؟“ وہ فنزیہ سی بُنگی کے ساتھ بولی ”کسی بھیز یے سے؟“  
 ”تمہاری باتیں میری سمجھ میں نہیں آریں....!“  
 ”طویل کہانی ہے.... لیکن میں کیسے یقین کروں کہ تم خان کے آدمی نہیں ہو....!“  
 ”آدمی تو سرے سے ہوں ہی نہیں....! ویسے کچھ دیر قبل تم نے کہا تھا کہ تم ہم میں سے  
 نہیں معلوم ہوتے!“  
 ”خان کے پاس باہر کے لوگ بھی ہیں۔!“  
 ”تم اگر چاہو تو اپناریو اور دوبارہ لوڈ کر سکتی ہو....!“ عمران نے راٹکل کی نال جھکاتے  
 ہوئے کہا۔  
 وہ بے یقین کے عالم میں اُسے دیکھتی رہی۔  
 ”اب کھڑی کیوں ہو.... جاؤ جہاں جانا چاہتی ہو.... میں تو چل دیا....!“  
 عمران نے اپنی راٹکل کا ندھے سے لٹکائی تھی اور دامیں جانب مڑ گیا تھا۔ چند ہی قدم چلا  
 ہو گا کہ لڑکی نے آواز دے کر روک لیا۔  
 ”اب کیا ہے....؟“ وہ اُس کی طرف مڑے بغیر یو لا۔  
 ”میں چل رہی ہوں....!“  
 ”بچھے.... بچھے چل آؤ....!“ وہ آگے بڑھتا ہوا بولا۔  
 لڑکی تیزی سے آگے بڑھی تھی اور اُس کے ساتھ چلنے لگی تھی۔  
 تھوڑی دیر بعد بولی۔ ”انتے قریب سے کبھی میرا شانہ خط نہیں ہوا۔!“  
 ”انتے قریب سے کبھی کوئی مجھ پر فائز کرنے کی جرأت بھی نہیں کر سکا۔!“  
 ”تم آخر ہو کون....؟“  
 ”علی عمران نام ہے.... اور تم....!“  
 ”زینت.... لیکن زینو کہلاتی ہوں....!“  
 ”میرا نام بگاؤ نے کی بھی جرأت آج تک کسی کو نہیں ہوئی۔!“

”کسی کا بھی نہیں....!“  
 ”مطلوب یہ کہ قیام کہاں ہو گا....!“  
 ”گاڑی میں....!“  
 ”مجھے یہ تو قوف بنانے کی کوشش مت کرو....!“ اُس نے جھکا دے کر اپنا ہاتھ چھڑاتے  
 ہوئے کہا۔ ”تم بھی انہی میں سے معلوم ہوتے ہو.... میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔!  
 دفتادہ اچھل کر کنی قدم پیچھے ہٹ گئی تھی۔  
 عمران نے اپنی راٹکل اٹھائی اور اُس کا رخ اُس کی جانب کرتے ہوئے کہا۔ ”بھاگنے کی  
 کوشش کی تو گولی مار دوں گا۔!“  
 ”یہ دوسری بات ہے....!“ لڑکی نہایت اطمینان سے بولی۔ ”زندہ تمہارے ہاتھ نہیں اگل  
 سکتی۔!“  
 ”زندہ رہنے کی ضرورت بھی کیا ہے....!“ مجھے تو تازہ گوشت چاہئے۔!  
 ”لڑکی خاموش کھڑی پلکنیں جھپکاتی رہی۔  
 ”اپنا خالی ریو اور اٹھا کر ہو لشر میں رکھ لو.... تمہیں آرام کی ضرورت ہے.... میری گاڑی  
 دیکھو گی تو خوش ہو جاؤ گی۔!“  
 ”تو تم خان آف قرا توغا کے آدمی نہیں ہو....؟“ لڑکی نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔  
 ”سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔... میں تو اپنی مملکت کا شہزادہ ہوں....!“  
 ”کس مملکت کے....؟“  
 ”احمق آباد نام ہے.... تم اس کی فکر مت کرو.... گاڑی ایسی ہے کہ تم بہ آسانی چھپ  
 سکو گی.... جہاں کہو گی اُندر دوں گا۔!  
 ”مجھے بھی قرا توغا ہی جانا ہے....!“  
 ”بڑی عجیب بات ہے.... خان آف قرا توغا کے آدمیوں نے تمہیں گھیرا تھا.... اور تم  
 قرا توغا ہی جانا چاہتی ہو....!“  
 ”وہاں پہنچ کر میں اپنی حفاظت آپ کروں گی۔!  
 ”لیکن وہاں جانے کی ضرورت ہی کیا ہے اگر کوئی خطرہ ہے وہاں تمہارے لئے....!“

”واقتی کتے نے کاتا تھا.... کچھ کھاؤ پیوگی....!“  
 ”پچھلی رات سے کچھ نہیں کھایا۔!“  
 ”فی الحال انڈوں کے سیندھوچ اور کافی پیش کر سکوں گا۔ کھڑی کیوں ہو پیٹھ جاؤ... خود کو  
 نظر محفوظ سمجھو.... میرا بادی گارڈ بہترین لڑاکا ہے....!“  
 ”تم بھی کم نہیں معلوم ہوتے.... ایسے خدا.... چھ فاٹر.... اور تم زندہ ہو....!“  
 ”مجھے تو آج تک کسی نے عورت کے ہاتھوں مارے جانے کی بدعا نہیں دی۔!“  
 ”قراتوغامیں اجنبیوں کو نہیں داخل ہونے دیا جاتا۔!“  
 ”میں نے تو ایسی کوئی بات نہیں سنی....!“  
 ”نہ سنی ہوگی.... لیکن ہوتا یہی ہے.... سرکاری افسروہی کرتا ہے جو خان چاہتا ہے۔!“  
 ”تب تو بہت بُرا ہوا.... لیکن پھر یہ سیاح کہاں جاتے ہیں ہمارے سیاحت کے لڑپر میں  
 قراتوغام کو خاص اہمیت حاصل ہے....!“  
 ”سب کاغذی باتیں ہیں.... سیاحوں کو سبوچ سے آگے نہیں بڑھنے دیا جاتا۔ قراتوغام کا  
 فاصلہ وہاں سے دس میل ہے۔!“  
 ”ہوں....!“ عمران نے پر تکڑا نداز میں سر کو جبکش دی تھی۔  
 ”وہاں ایک اقا می ہوئی بھی ہے.... چھوٹا سا بازار ہے.... کچھ آبادی ہے کھاتے پیتے  
 لوگوں کی۔!“  
 ”تب پھر تم کیسے جاؤ گی قراتوغام....!“  
 ”تم مجھے سبوچے میں اتار دینا....!“  
 عمران کچھ نہیں بولا تھا اور عمران نے تھوڑی دیر بعد سوال کیا۔  
 ”یکھنی رہی تھی!..... جوزف باہر ہی تھا۔  
 ”تواب تم خان کے مقابلے میں بالکل تھا ہو....!“ عمران نے تھوڑی دیر بعد سوال کیا۔  
 اور وہ چوک کر اسے ٹوٹنے والی نظروں سے دیکھنے لگی۔  
 ”پھر شہزاد سر اٹھا رہے ہیں ذہن میں....!“ عمران اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا۔  
 ”میری سمجھی میں نہیں آتا۔!“

”تمہارا نام ایسا ہے ہی نہیں کہ بگاڑا جائے کے....!“  
 ”کیوں نہیں.. اگر کہنا چاہو تو مجھے صرف ران بھی کہہ سکتی ہو۔ کوئی تمہارا کیا بگاڑے گا۔!“  
 ”مجھے لیکن دلا دکہ تم خان کے آدمی نہیں ہو۔!“  
 ”کیا خان کے پاس کوئی نگرو بھی ہے....؟“  
 ”نہیں.... نگرو تو نہیں ہے.... میں نے کبھی نہیں سنایا۔!“  
 ”میرا بادی گارڈ ایک نگرو ہے.... تم ابھی دیکھ ہی لوگی اور خان کے پاس ایسی کوئی گاڑی بھی  
 نہ ہوگی۔!“  
 پھر زینونے خاموشی اختیار کر لی تھی۔  
 تھوڑی دیر بعد وہ گاڑی کے قریب جا پہنچے.... جوزف باہر ہی کھڑا تھا۔ لڑکی کو دیکھ کر اس کا  
 منہ حرثت سے کھل گیا۔  
 ”خبردار....!“ عمران ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”منہ بند کرو....!“  
 جوزف نے جلدی سے منہ بند کر لیا۔ لیکن اس کی آنکھوں میں حرثت بدستور باقی تھی۔  
 ”چکور نہیں ملے.... یہ مل گئی....!“ عمران بولا۔  
 جوزف احتراماً جھکا تھا۔  
 ”یہ جوزف موگوٹا ہے.... اور یہ زمینت ہیں....!“ عمران نے تقدار ف کر لیا۔  
 ”خوش آمدید مسی....!“ جوزف نے دانت نکال دیئے۔  
 ”دروازہ کھولو....!“ عمران نے کہا۔  
 جوزف نے گاڑی کا دروازہ کھولا تھا اور عمران نے زینو سے اندر چلنے کو کہا تھا۔  
 ”واقتی!...! خان کے پاس ایسی کوئی گاڑی نہیں ہے۔!“ زینو نے اندر داخل ہوتے ہوئے کہا۔  
 ”تم یہاں محفوظ رہو گی.... گاڑی بلٹ پرد ف بھی ہے۔!“  
 ”کیا تمہارے اس سفر کا کوئی خاص مقصد ہے....؟“  
 ”کتنے کاتا تھا.... سوچا اسی بہانے تبدیلی آب دھوا ہو جائے گی۔!“ عمران نے احمقانہ  
 نداز میں کہا۔  
 ”میں نہیں سمجھی۔!“

”آہا.... خان کا کوئی بزنس بھی ہے.....!“  
 ”سکیوں نہیں.... یہاں سے شمالی سرحد پار لاکھوں کامال جاتا ہے۔!“  
 ”اوہو.... خوب کیا کیا چیزیں ہوتی ہیں!“  
 ”غلہ، شکر، گھنی اور سوتی کپڑے وغیرہ....!“  
 ”اور تمہارے بابا.... کیا نام بتایا تھا....؟“  
 ”شائد میں نے تمہیں ابھی تک نام نہیں بتایا۔!“ وہ اُسے غور سے دیکھتی ہوئی بولی۔  
 ”ند بتایا ہو گا....!“ عمران نے لارڈ وائی سے کہا۔  
 ”آن کا نام جابر خان ہے....!“  
 ”اچھا.... اچھا.... تو پھر شائد وہ خان کے کسی کاروباری حریف سے مل گئے ہوں گے.... اسی لئے غداری کا الزام آیا ہے۔!“  
 ”سوال ہی نہیں پیدا ہوتا....!“ زینونے غصیلے لہجے میں کہا۔  
 ”آخر کچھ تو ہو گا جس کی بناء پر اُن کی گرفتاری عمل میں آئی ہے۔!  
 ”سازش....! اور اس سازش کا سراغہ اس علاقتے کا سب سے بڑا آدمی داراب ہے.... خان کا مصاحب خاص کہلاتا ہے.... اُس نے بابا سے میراثتہ مانگا تھا.... بابا نے انکار کر دیا!“  
 ”تمہاری مرضی معلوم کئے بغیر....!“  
 ”میں تو اس کا نام تک لیا پسند نہیں کرتی۔!“  
 ”اچھا.... اچھا.... تو پھر یہاں اسی کو غداری کہتے ہوں گے....!  
 ”تم کیسی اوث پنگ باتیں کر رہے ہو۔!“  
 ”جو کچھ تم نے بتایا ہے اُس پر تبرہ کر رہا ہوں.... اچھا یہ بتاؤ کیا نہیں علم تھا کہ وہ کسی الزام کے تحت گرفتار لئے جائیں گے۔!  
 ”یہ میں نہیں جانتی لیکن پرسوں شب کو وہ رات انہوں نے مہل مہل کر گزاری تھی.... دوسرا صبح میں شکار کو چل دی.... جانتی تھی کہ وہ مجھے پریشانی کا سبب نہیں بتائیں گے.... کبھی اپنی کسی الحصہ میں شریک نہیں کرتے.... بہر حال.... دوپھر کو شکار سے واپس آئی تو معلوم ہوا کہ داراب دھوکے سے حملہ آور ہو کر انہیں پکڑ لے گیا۔!  
 ”

”اگر تم نہ تھا گئی ہو.... تو تمہیں سوچ سمجھ کر کوئی قدم اٹھانا چاہئے۔!“  
 ”مجھے اس پر حیرت ہے کہ تم نے اس کے بارے میں بافصیل جانے کی کوشش نہیں کی۔!  
 ”اگر تم مناسب سمجھو گئی تو خود ہی سب کچھ بتاو گی.... خیر یہ لو سیندوچ کھاؤ.... میں کافی تیار کرتا ہوں۔!“  
 ”اگر انہوں نے راستے میں گاڑی روک کر علاشی لی تو کیا ہو گا....؟“  
 ”تمہیں نہیں پاسکیں گے....!“ عمران بولا۔ ”مطمئن رہو.... یہ ایک شعبدہ باز کی گاڑی ہے.... تم انہیں نظر نہیں آؤ گی۔!  
 ”تم شعبدہ باز ہو....! اُدھے.... اسی لئے.... میری گولیوں سے بچ گئے.... لندن میں میں نے ایسا ہی ایک شعبدہ باز دیکھا تھا لیکن اس سے بھی زیادہ خطرناک شعبدہ باز را کفل کی گولیوں کو دانتوں سے پکڑتا تھا۔!  
 ”میں ابھی اس درجے پر فائز نہیں ہوں۔!  
 ”میں سمجھ گئی....! تم یہاں کھیل تماشے کے لئے آئے ہو.... اس کے باوجود بھی شائد قرواتوغامیں داخل نہ ہو سکو.... البتہ اگر سر کاری افریچا ہے تو....!  
 ”شعبدہ باز ضرور ہوں لیکن اس سفر کا مقصد صرف تفریح ہے....! ہاں تو تمہارا وہ ساتھی کیسے مراتا ہے۔!  
 ”بڑھا آدمی تھا.... پھر تیلے پن کا مظاہرہ نہیں کر سکا تھا.... میں غار سے نکاہی کے دوسرا راستے سے بھی واقع تھی.... لکھ آئی....!  
 ”آخر خان کو تم دونوں سے کیا شکایت تھی۔!  
 ”مجھے شکایت ہے خان سے.... اُس نے میرے بابا کو گرفتار کر لیا ہے.... غداری کے الزام عائد کر کے.... میں نہیں جانتی کہ وہ زندہ بھی ہیں یا ختم کردیئے گئے۔!  
 ”غداری.... کس سے غداری! کیا تمہارے بابا نے ملکی قوانین کو ماننے سے انکار کر دیا تھا؟“  
 ”ملکی قوانین....!“ وہ حقارت سے ہنس کر رہ گئی تھی۔  
 ”میں نہیں سمجھا تم کیا کہنا چاہتی ہو....!  
 ”یہاں خان کا قانون چلتا ہے.... میرے بابا خان کے بزنس میجر تھے۔!

”تمہیں جنادوں کہ میں نے یورپ میں بھی پاک بازی کی زندگی بسر کی تھی!“  
 ”ماشاء اللہ... ماشاء اللہ...!“ عمران سر ہلا کر بولا۔ ”نیکو کاروں کے لئے جنت ہے...!“  
 ”کیا تم میر امداد اڑا رہے ہو...!“ وہ جھلا کر بولی۔  
 ”نہیں خود کو اُلو محسوس کر رہا ہوں... اب تم کافی پیو اور چلتی پھر تی نظر آؤ... تمہاری  
 چونس میں لینا شروع کر دیں...!“  
 ”کیا مطلب....؟“  
 ”اڑے مجھے اس سے کیا سروکار کہ تم کتنی پاک باز ہو... یہ لفظ بھی مجھے کبوتر باز ہی کا سا  
 لگنے لگا ہے!“  
 ”کیا بکواس کر رہے ہو...?“  
 ”اب چپ رہو... دردہ جھاڑر سید کر دوں گا... کتے کاٹے کامر یعنی ہوں!“  
 ”واقعی... کچھ کچھ پاگل ہی لگ رہے ہو...!“  
 ”جوزف...!“ عمران نے آواز دی۔  
 ”لیں بآس...!“ باہر سے جواب ملا۔  
 ”اب ہمیں روانہ ہو جانا چاہئے!“  
 ”چلو اترو...!“ عمران نے خنک لجھ میں زینو سے کہا۔  
 ”سیوچہ میں اتروں گی...!“ زینو غرائی تھی۔  
 ”جہنم میں جاؤ...!“ کہہ کر عمران نے سونچ بورڈ کے ایک پیش سونچ پر انگلی رکھ دی تھی۔  
 ساری کھڑکیوں پر نیلے رنگ کے ششے پڑھ گئے۔  
 ”اوہ... واقعی شاندار چیز ہے...!“ زینو بولی۔ ”اب ہمیں باہر سے نہیں دیکھا جاسکے  
 گا... اور ہم سب کو دیکھتے رہیں گے!“  
 عمران خاموش رہا... جوزف نے انہیں اسٹارٹ کیا تھا اور گاڑی حرکت میں آگئی تھی!“

”سرکاری حوالات میں ہوں گے....!“  
 ”یہاں کوئی سرکاری حوالات یا جیل نہیں ہے... خان کے محل کہشاں میں ایک اذیت  
 خانہ بھی ہے جہاں ایسے قیدی رکھے جاتے ہیں جنہیں کسی بناء پر خان ہی سزا دینا چاہتا ہو!“  
 ”تب تو ہاں صفات پر بھی رہائی ممکن نہ ہوگی!“  
 ”تم قانون کی حکمرانی والی اصطلاحات استعمال کر رہے ہو یہاں ان کا تصور بھی احتقان ہے!“  
 ”تمہارے بابا کس قسم کے آدمی ہیں....!“  
 ”میں نہیں سمجھی!“  
 ”کیا ان کا رحجان قانون کی حکمرانی کی طرف تھا!“  
 ”یہ میں نہیں جانتی... لیکن وہ اس طرزِ زندگی کو پسند نہیں کرتے تھے... اکثر کہا کرتے  
 تھے کہ آخر سرکاری آفسر کی موجودگی کے ڈھونگ کی ضرورت ہی کیا ہے...!“  
 ”تب تو یہ خان سے کھلی ہوئی غداری ہے...!“  
 ”وہ چاہتے تھے کہ اس علاقے کے لوگ بھی ولی ہی زندگی بسر کر سکیں جیسے ملک کے  
 دوسرے حصوں کے لوگ کرتے ہیں!“  
 ”اور وہ اپنے ان خیالات کا اعلان بھی کرتے رہے ہوں گے....!“  
 ”سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ میرے علاوہ اور کسی سے بھی وہ اس قسم کی گفتگو نہیں کرتے تھا!“  
 ”خان کا وہ محل کہشاں قرواتوغایی میں ہو گا!“  
 ”وہیں ہے!“  
 ”میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم تھا کیا کر لوگی!“  
 ”اپنی جان دے دوں گی....!“  
 ”اس سے فائدہ...!“  
 ”میرے ساتھ سیوچہ ہی میں قیام کرو... کوئی صورت نکالی جائے گی!“  
 ”اُس نے عمران کو طنزیہ انداز میں دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔ ”کیا میں تمہیں بہت اچھی لگی ہوں!“  
 ”عمران کے چہرے پر حماقتوں کی پر چھائیاں کچھ اور گہری ہو گئیں اور اُس نے ہکلا کر کہا۔  
 ”میں نہیں سمجھا... تم کیا کہنا چاہتی ہو...!“

”اگر وہ علاقے سے باہر نکلنے میں کامیاب ہو گئی تو ہم تیری کھال کھنچو اک بھس بھروادیں

”وہ باہر نہیں جائے گی عالی جاہ....! غلام نے ناکہ بندی کر دی ہے....!  
”اس کا ساتھی کون تھا!-  
”مگر اک کے قبوہ خانے کا مالک شرگل....! وہ مارا گیا....!  
”اس کا سب کچھ ضبط کر لیا جائے....! اس کے ورثاء میں کون کون ہے!-  
”کوئی بھی نہیں.... تھا تھا.... عالی جاہ....!  
”جاہر کی کتنی انگلیاں کائی گئیں....!  
”دو.... عالی جاہ....!  
”دو....! خان کے لجھے میں حیرت تھی....! اور اس نے ابھی تک زبان نہیں کھوی!-

”ایسی لئے خیال ہوتا ہے عالی جاہ کہ کہیں وہ حق مجھ لا علم ہی نہ ہو!-  
”کیوں کوس کرتا ہے!-  
”معافی چاہتا ہوں عالی جاہ....!  
”ہر روز ایک انگلی۔ اس پر بھی زبان نہ کھولے... تو کان.... پھر ناک.... پھر آنکھیں!-  
”ایسا ہی ہو گا.... عالی جاہ....! داراب خم ہوا تھا۔ خان نے ہاتھ بلا کر جانے کا اشارہ کیا۔  
وہ ائے قدموں چلا ہوا دروازے تک آیا تھا اور پھر باہر نکل گیا تھا۔  
اس کے کرخت چہرے پر تشویش کے آثار کچھ عجیب سے لگ رہے تھے۔! تھوڑی ہی دور چلا  
ہو گا کہ کسی نے عقب سے آواز دی! ارک کر مرزا....! ایک معمر آدمی تیزی سے اس کی جانب بڑھا  
آرہا تھا!

”خیر تو ہے.... کچھ پریشان نظر آرہے ہو....! اس نے قریب پہنچ کر کہا  
”کچھ نہیں صد خان.... کوئی خاص بات نہیں!-

”آینے میں شکل دیکھو اپنی....!  
”کیا واقعی پریشان لگ رہا ہوں!-

”تمہاری فطرت کے لوگ اگر پریشان ہوں تو میلوں دور سے احساس ہو جائے گا!-

کہکشاں.... رات کے اندر ہیرے میں کہکشاں ہی معلوم ہوتی تھی۔ قلعہ نما عمارت کے  
بھروسے کوں میں چراغ ہی چراغ روشن نظر آتے۔ اور یہ روشنیاں میلوں دور سے دکھائی دیتی تھیں۔  
لیکن دن کے اجائے میں سیاہ پھر دن سے بنائی ہوئی اس عمارت کو دیکھ کر عجیب سی دہشت  
ذہن پر طاری ہوتی تھی.... شاہزادی بناء پر لوگ اسے کالی کہکشاں کہنے لگے تھے۔  
یہ خان قراتوغا کا محل تھا....! خان قراتوغا.... جس کے تصور سے بھی اس کی زمینوں پر  
لئے والے لرزنے لگتے تھے!-

طویل قامت اور مضبوط جسم والا یہ آدمی سانحہ اور پینٹھ سال کے درمیان رہا ہو گا۔ چڑھی  
ہوئی سفید ڈاڑھی اور گھنی موچھوں کے اوپر دو خون خوار آنکھیں اس کی بیت ناکی میں مزید اضافہ  
کرتی تھیں۔ عام طور پر کہا جاتا تھا کہ اس کا مقابل دوڑان گفتگو میں آنکھ اٹھا کر اس کے چہرے کی  
طرف دیکھنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔

”بیشی“ کی خبر ہی سن کر متعلقہ آدمی کا دم نکل جاتا تھا۔  
اس وقت وہ اپنے دیوان خاص میں ایک زر نگار کرسی پر بیٹھا خصوصی مصاحب داراب کو  
قہر آلود نظر دنے سے گھورے جا رہا تھا اور داراب سر جھکائے کھڑا تھا۔ اس کی ناٹکیں کانپ رہی  
تھیں۔ خان کے بعد اس علاقے میں وہی سب سے خطرناک آدمی تصور کیا جاتا تھا۔ اس کے مظالم  
کے چرچے دور دور تک تھے....! خان کا داہناہاتھ تصور کیا جاتا تھا۔

”ایک لڑکی تیرے قابو میں نہ آسکی....!“ خان دغنا دہڑا۔  
”عالی جاہ....! لڑکی ہی ہونے کی وجہ سے قابو میں نہ آسکی.... عورت ذات پر کیسے ہاتھ  
اٹھے....!“ داراب کلکپانی ہوئی آواز میں بولا۔

”ہمیں اطلاع ملی ہے کہ اس نے دو سپاہیوں کو مار بھی ڈالا ہے....!  
”اندر ہیرے میں دیوانہ وار فائرگ کر رہی تھی.... اسے محض اتفاق سمجھنا چاہئے کہ دو آدمی  
مر گئے!“

”جاپر خان کا قصہ ہے....!“ وہ طویل سانس لے کر بولا۔

”آخر اس سے کیا خطا سرزد ہوئی ہے!“

”اس کھیب میں اس نے جمال سرحد پار پہنچایا تھا اس میں سے کوئی چیز گم ہو گئی ہے۔ عالی جلا  
کا خیال ہے اس میں جابر خان کی بد نیتی کو دخل ہے!“

”میا کوئی بہت قیمتی چیز تھی!“

”خدا جانے.... میرے علم کے مطابق وہ صرف ایک لفافہ تھا!“

”لفافہ....! تو پھر وہ تو جابر خان کی جیب ہی میں رہا ہو گا!“

”نہیں.... کسی بیٹھی میں تھا....! جابر خان اس حد تک تو اعتراف کرتا ہے ایک جگہ ٹرک  
سے کچھ پہنچاں گر کر ٹوٹ گئی تھیں اور ان کا سامان سمیٹ کر دوبارہ پیک کیا گیا تھا۔ لیکن اسے کی  
لفافہ کا علم نہیں۔!“

”تو پھر وہ ٹھیک ہی کہتا ہو گا....!“

”خاموش....!“ واراب نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”میا تم بھی اپنی انگلیاں کوڑا  
چاہتے ہو!“

”کیا اس کی انگلیاں کائی جاہی ہیں....!“ بوڑھے نے خوف زدہ لبجھ میں پوچھا۔

”ہاں.... دو انگلیاں کٹ بچلی ہیں!“

”اگر اسے علم ہوتا تو ضرور اعتراف کر لیتا!“

”میرا بھی یہی خیال ہے....!“

”تو پھر....!“

”وہ کچھ سننے پر تیار نہیں....!“

”اللہ رحم کرے....!“ بوڑھا سانس لے کر بولا۔

”اب زینو کی تلاش ہے.... لیکن وہ قابو میں نہیں آ رہی.... دوپاہی بھی اس کے ہاتھوں  
مارے گئے ہیں!“

”یہ تو بہت رُواول!“

”میں نہیں چاہتا کہ اسے کوئی گزند پہنچے!“

”تمہارے چاہئے سے کیا ہوتا ہے اور میری نیحست سنو.... اپنے کسی روئے سے یہ گزند  
ظاہر ہونے دینا کہ تمہیں اس سے ہمدردی ہے!“

”میں سمجھتا ہوں...!“

”میرے ساتھ آؤ.... میں تمہیں کچھ اور بتانا چاہتا ہوں!“

کچھ دور چلنے کے بعد وہ ایک کمرے میں داخل ہوئے۔ !داراب استفہام یہ نظر وہ سے  
بوڑھے کو دیکھے جا رہا تھا۔

بوڑھا کچھ دیر بعد بولا۔ ”جب سے خانوں کے اقتدار کے خاتمے کی خریک شروع ہوئی ہے!  
خان کا روئیہ کچھ اور تلنے ہو گیا ہے!“

”یہ تو میں بھی دیکھ رہا ہوں!“

”اب سوال یہ ہے کہ ہمارا روئیہ کیا ہوتا چاہئے!“

”جو خان کا روئیہ وہی ہمارا بھی ہوتا چاہئے!“

بوڑھے نے اسے غور سے دیکھا تھا اور بولا تھا۔ ”اس کے علاوہ اور کوئی چارہ بھی نہیں!“  
”ہمارے خان کا اقتدار نہیں ختم ہو سکتا....!“ داراب نے کہا۔

”قوی حکومت نے اب تک جو کچھ کہا ہے کیا بھی ہے....!“

”میں کسی قوی حکومت کو نہیں جانتا.... میرا حکم خان قوات توغا.... تمہاری بزرگی کا خیال  
مانع ہے.... ورنہ....!“

”مجھے غلط نہ سمجھو داراب.... میں بھی خان کا اتنا ہی وفادار ہوں جتنے تم ہو!“

”پھر کیا کہنا چاہتے ہو....!“

”یہی کہ جابر خان کی بیٹی.... یہاں سے باہر نہ جانے پائے.... کیونکہ قوی حکومت خانوں  
کے خلاف شہاد میں اکٹھا کر رہی ہے اور تم ابھی کہہ چکے ہو کہ تمہیں بڑی سے ہمدردی ہے!“

داراب چوک کر اسے گھومنے لگا تھا۔ شاہزاد اپنی غلطی کا احساس ہوا تھا۔ اسے یہ بات  
زبان سے نہ نکالنی چاہئے تھی!

”تم یہ بات اپنی ہی ذات تک محدود رکھو گے....!“

”مطمئن رہو.... ایسا ہی ہو گا!“

”میرا طمیان نہیں ہوا۔!“  
 ”کس طرح یقین دلاوں....!“ بوزھا جھنگلا کر بولا۔  
 ”اس طرح....!“ کہہ کر داراب نے بوڑھے کا سر دیوار سے نکلا دیا تھا.... اسکی شدید ضرب تھی کہ وہ آواز نکالے بغیر گر کر بے حس و حرکت ہو گیا تھا۔  
 داراب نے اپنا دھنپاپر اس کی گردن پر رکھ دیا.... اور پھر اس وقت تک دباؤڈا تارہ باخا جب تک کہ بوڑھے کا دم نہیں نکل گیا تھا۔  
 اس کے بعد پھر اس نے دیوان خاص میں اپنی پیشی کرائی تھی۔ خان ابھی وہیں تھا اس لئے فوری طور پر حاضری کی اجازت مل گئی تھی۔  
 ”کوئی خاص خبر لایا ہے....؟“ خان نے اس کی طرف دیکھے بغیر پوچھا۔  
 ”خاص خبر ہے عالی جاہ.... میں نے صمد خان کو مارڈا۔!“  
 ”کیوں....؟“ وہ اسے گھونٹنے لگا داراب سر جھکائے کھڑا تھا بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔  
 ”غلام کے برداشت سے باہر تھی یہ بات کہ وہ قومی حکومت کے گن گائے۔!“  
 ”اچھا... کیا کہا تھا اس نے....!“  
 ”یہی کہ خدا کرے جابر کی بیٹی دار حکومت تک پہنچ جائے.... تاکہ اس ظالمانہ نظام کے خلاف قومی حکومت کو ایک ثبوت اور مل جائے۔!“  
 ”یہ کہا تھا اس بدجنت نے....!“  
 ”ہاں عالی جاہ.... اس سے آگے سننے کی تاب نہیں رہی تھی اور میں اس کی ضعیفی کا خیال کئے بغیر اس پر ٹوٹ پڑا.... میں نہیں سُن سکتا ایسی باتیں۔!“  
 ”تونے حق نمک ادا کیا.... ہم خوش ہوئے.... اس خبیث کی لاش کو گندے کیجڑ میں دفن کر دے....!“  
 ”بہت بہتر عالی جاہ....!“

◆

سرک چکراتی ہوئی شیب میں پلی گئی تھی.... اور وہ سر بیز وادی گویا زمرد کا پیالہ تھی جو بھوری چٹانوں والے اس علاقے کو قدرت کی طرف سے عطا کر دیا گیا تھا.... جوزف کی باچپیں کھل گئیں اور اس نے عمران سے کہا ”واہ بآس....!“ مژہ آگیا بیہاں تو ایک بوتل سے ڈھانی بوتل کا نشہ ہو گا.... واہ وا....!“  
 اس وقت جوزف ہی ڈراجوں کر رہا تھا اور عمران اس کے برابر بیٹھا ورنگھ رہا تھا۔  
 ”میں کہا تھا تو نے....!“ وہ چوک کر بولا۔  
 ”وزرا بآسیں جانب دیکھو.... شائد ہمیں وہیں رکنا ہے.... عمارتیں بھی نظر آرہی ہیں.... بڑی حسین جگہ ہے۔!“  
 ”شائد ہم سبوچہ پہنچ گئے ہیں۔!“ عمران نے کہا اور جماہی لے کر منہ چلانے لگا۔ اس وقت صورت سے اول درجے کا کامل معلوم ہو رہا تھا۔  
 ”کیا لڑکی سورہی ہے....!“ جوزف نے پوچھا۔  
 ”میں نے اسے کافی میں خواب آور سفوف دیا تھا تاکہ اس کی بے خبری میں اس کا حلیہ تبدیل کر سکوں۔!“  
 ”ہر جگہ سائل تمہارے منتظر رہتے ہیں۔ کہیں چین نہیں ہے۔ خواہ کتابی کیوں نہ کاٹ لے۔!  
 ”منظوم لڑکی ہے....!“  
 ”بڑی جی دار معلوم ہوتی ہے کہ تباہی بھیڑیوں کے غول میں گھنے کی کوشش کر رہی تھی۔!  
 ”میرے ملک کے اس خطے میں ایسے ہی بے جگہ اور غیور لوگ پائے جاتے ہیں۔!  
 ”مگر تم اس سلسلے میں کیا کر سکو گے جبکہ پہلی بار اور ہر آئے ہو....!“  
 ”دیکھا جائے گا.... ہاں دیکھو.... بستی سے باہر ہی گاڑی روکنا.... پوری بات اسے سمجھائے بغیر بستی میں نہیں داخل ہونا چاہتا.... اور پھر بیہاں تو وہی ہماری رہنمائی کرے گی۔!  
 ”بیہاں کھروک دوں....!“

”کوئی مناسب سی جگ دیکھ کر گاڑی کو سڑک سے اتار دیا۔۔۔ یہاں باہمیں جانب سڑک  
جگہوں کی کی نہیں ہے!“

”اوہ نکل چلوں...!“ جوزف نے ایک سمت اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ”گاڑی بھی سڑک  
پر سے نہ دکھائی دے گی!“

”ہاں ٹھیک ہے...!“ عمران سر ہلا کر بولا۔

جوزف نے گاڑی اوہر ہی اتار دی جس طرف اشارہ کیا تھا۔۔۔ اور ابھی رکنے کے لئے جگہ  
کا تعین بھی نہیں کر پیا تھا کہ اچانک سات آٹھ مسیح آدمیوں نے کسی طرف سے خودار ہو کر  
گاڑی کو روکنے کا اشارہ کیا۔

”روک دو....!“ عمران آہستہ سے بولا۔

”کدھر جاتا....!“ ایک آدمی نے آگے بڑھ کر پوچھا تھا۔

”سوچوچ...!“ عمران نے جواب دیا۔۔۔ ”وراہر رک کر کچھ کھائیں پیسیں گے!“  
گاڑی کو وہ بھی حرمت سے دیکھ رہے تھے!

”تلائی لے گا....!“ اسی آدمی نے کہا۔

”ضرور... ضرور... اوہر میری زنانی سور ہی ہے....!“ عمران نے گاڑی کے عقبی حصے  
کی طرف اشارہ کیا۔

”تلائی لے گا....!“ اس نے سخت لبجھ میں دہرایا۔

”اچھا... اچھا...!“ عمران اترتا ہوا بولا۔

اس نے گاڑی کا عقبی دروازہ کھولا تھا۔۔۔ اور پھر اسے بھی اتفاق ہی کہنا چاہئے کہ ٹھیک اسی  
وقت گھری نیند میں سونے والی بھی انھوں نیتھی تھی!

تلائی لینے پر اصرار کرنے والا آگے بڑھا تھا۔۔۔ اور زینو کی آنکھوں سے خوف جھانکنے لگا تھا۔  
عمران نے الگش میں کہا ”زوس ہونے کی ضرورت نہیں تم ان کی نظر وہن سے غائب ہو گئی  
ہو... چپ چاپ بیٹھی رہو!“

وہ ہوکر ٹھیک کر رہا گئی تھی۔۔۔ تلائی لینے والے نے اندر کا جائزہ لیا تھا۔ لیکن اس پر صرف  
اچھتی سی نظر ڈالی تھی۔

”ٹھیک ہے....!“ وہ سر ہلا کر بیچھے ہتا ہوا بولا۔

عمران نے دروازہ بند کر دیا اور وہ لوگ وہاں سے چلے گئے!

تحوڑی دیر بعد اُس نے پھر دروازہ کھولا تھا۔ زینو سکتے کے سے عالم میں بیٹھی نظر آئی۔

”تم نے دیکھا میرا شعبدہ....!“ عمران نہ کہ بولا۔ ”انہیں تمہاری ہی تلاش تھی۔ لیکن  
تمہیں نہیں دیکھ سکے!“

”شام کے میں خواب دیکھ رہی ہوں۔!“ وہ بھرا کی ہوئی آواز میں بولی تھی۔

”محبے داد نہ دو گی!“

”میں کیسے یقین کر لوں جبکہ ان سے نظریں چار ہوئی تھیں...۔۔۔ انہوں نے مجھے دیکھا تھا!“

”پھر کیوں ذم دبا کر چلے گے....! یا پھر وہ تمہیں پہچانتے ہی نہ ہوں گے!“

”سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔۔۔ کم از کم تین آدمی ان میں ایسے تھے جو مجھے دور ہی سے پہچان  
لیں گے!“

”تو پھر رہی نامیرے شعبدے کی بات....!“

”اوہ... یہ میرے چہرے پر بھاری پن کیسا ہے....!“ اُس نے کہا تھا اور پھرے کی طرف  
ہاتھ لے جانے والی تھی کہ عمران ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”ٹھہر و کہیں میری محنت ضائع نہ ہو جائے!“

”لک... کیا مطلب....!“

”شعبدہ....!“ عمران نے کہا اور ریک پر سے آئینہ اٹھا کر اُس کے سامنے رکھ دیا۔ تحریز دہ  
سی آواز اُس کے حلقو سے نکلی تھی۔ اور پھر وہ آنکھیں چھاڑ چھاڑ کر عمران کو دیکھنے لگی تھی۔

”کیا یہ تم نہیں ہو....؟“ عمران نے نہ کہ بولا۔

”مم.... میں نہیں....!“ وہ احتقانہ انداز میں نہ پڑی.... پھر بولی۔ ”یہ تو کوئی یوریشن  
معلوم ہوتی ہے....!“

”اسی لئے اب تم صرف انگلش میں گفتگو کرو گی....! دو تین گھنٹے لگیں گے اس میک اپ کی  
عادی ہونے میں!“

”لیکن یہ کب اور کیسے ہوا....؟“

”جیسے بھی ہوا اُس پر میں نادم ہوں.... ورنہ بہ قائمی ہوش و حواس تم مجھے اپنے چہرے پر

ہاتھ بھی نہ لگانے دیں...!

”کیا کیا تھام نے...!“ وہ یک بیک اچھل کر کھڑی ہو گئی۔

”کافی میں خواب آور دو اشامل کی تھی!“

”خدا کی پناہ....مل....لیکن....!“

”اس کے علاوہ اور کوئی چارہ بھی نہ تھا یہ نہ کرتا تو تم اس وقت کہاں ہوتیں!“

”میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی... آخر تم ہو کون...؟“

”دوسروں کے معاملات میں ناگ اڑانا میری ہابی ہے!“

”میک اپ کے ماہر معلوم ہوتے ہو... شائد یہی پلاسٹک میک اپ کھلاتا ہے!“

”تمہارا خیال غلط نہیں ہے!“

”کس حد تک میرا ساتھ دو گے...!“

”جس حد تک تم چاہو...!“

”میں نادم ہوں کہ میں نے ابتداء میں تمہارے بارے میں اچھی رائے کا اظہار نہیں کیا تھا!“

”کوئی فرق نہیں پڑتا... میں اس برداشت کا عادی ہوں!“

”جس بتاؤ... تم کون ہو...؟“

”علی عمران.... امگ امس سی ڈی امس سی آسکن... وغیرہ... اور بھی بیتیری کو ایفیکٹیشن

سمیت...!“

”اور تم محض تفریح کیا یہاں آئے ہو...!“

”ابھی تک تو یہی خیال تھا لیکن شائد اب تفریح کی آرزو دل ہی میں رہ جائے!“

”تم ان خطرات کا تصور بھی نہیں کر سکتے جن سے دوچار ہونے والے ہو۔ میری حمایت کا بیڑہ اٹھا کر!“

”دیکھا جائے گا...!“

”پھر سوچ لو...!“

”نکھل کر گذرنے کے بعد ہی سوچنے کا عادی ہوں!“

”خان قرا توغا سے ٹکرنا پڑے گا!“

”کیا وہ پہاڑ ہے....!“

”یہی سمجھ لو...!“

”اُس کے اذیت خانے مک پہنچنے کا تھیہ کر چکا ہوں....! کاش مجھے تمہارے والد کے جرم کی نویت کا علم بھی ہو سکتا!“

”بسا وہ قات خان غلط فتحی میں بٹا ہو کر بھی دوسروں کی زندگیوں سے کھلنے لگتا ہے!“

”مجھے خوف زدہ کرنے کی کوشش مت کرو....!“

”تمہاری مرضی.... میں دیکھوں گی کہ کب تک ثابت قدم رہتے ہو....!“

”سبوچہ پہنچ کر ہمیں کیا کرنا چاہئے!“

”میں نہیں سمجھی!“

”گاڑی ہی میں قیام مناسب رہے گا یا ہو ٹل میں ٹھہریں!“

”مجھے توڑ رہے کہ کہیں تم اس نادرو نایاب گاڑی سے بھی نہ ہاتھ دھو بیٹھو....!“

”اگر خان تک اس کی شہرت پہنچی تو پہلے تم سے اس کی قیمت فروخت پوچھی جائے گی لیکن

”اگر تم فروخت کر دینے پر آمادہ نہ ہوئے تو یہ حرث انگریز طور پر تمہارے بیٹھے سے نکل جائے گی!“

”میا کوئی بہت بڑا جن خان کے تالع ہے!“

”وہ خود ہی کسی جن سے کم نہیں ہے اور پھر داراب جیسے لوگوں کے آقا کو ایسا ہی ہوتا

چاہئے!“

”کام کی بات کرو.... خان قرا توغا کے قصیدے سے مجھے ذرہ برا بر بھی دلچسپی نہیں ہے!“

”میں سمجھ گئی.... تم اس علاقے کے کمشتر کے کوئی خاص آدمی ہو اور تمہیں یہاں کسی خاص

مقصد کے تحت بھیجا گیا ہے!“

”میں اب تمہاری کسی بات کی تردید نہیں کروں گا!“

”دیکھا...! کیا پچانام نے...!“

”اپنی باتوں کا خود ہی جواب دے رہی ہو....! یہ اچھی علامت نہیں ہے!“

”میں صرف اتنا ہی کہنا چاہتی ہوں کہ گاڑی کے سلسلے میں کسی پر بھی اعتماد نہ کرنا۔ یہاں

خان کے حکم سے کوئی بھی سر تالی نہیں کر سکتا!“

زکی ہوں... زینو نہیں بلکہ زیاناں نام ہے!“  
”میری طرف سے کھلی اجازت ہے جو قومیت چاہو اختیار کرلو۔ لیکن اس سے فائدہ کیا ہوگا!“  
”ہم کہکشاں میں داخل ہو سکیں گے.... خان غیر ملکیوں کو محل دیکھنے کی اجازت دے دیتا ہے۔ بلکہ کبھی کبھی مہمان بھی بیالیتا ہے.... اور فوجیوں سے بھی نہیں الجھتا.... کبھی کبھی فوجی آفسر بھی کہکشاں میں دیکھنے کے ہیں۔ تم کیوں نہ کسی فوجی آفیسر کا سوائج رچاؤ... میں فرانس سے آئی ہوں.... اور یہ تمہارا نیگر و بادی گارڈ میرا بادی گارڈ بن جائے.... یعنی یہ میرے ساتھ فرانس ہی سے آیا ہے.... میری اور تمہاری پرانی دوستی ہے.... اور میں یہاں تمہاری مہمان ہوں.... اگر اس طرح کہکشاں میں رسائی ہو گئی تو پھر سمجھو کام بن گیا.... میں عمارت کے پچھے سے واقع ہوں لیکن شہر و.... کیا تم میں اتنی بہت ہے کہ صدر کے پولیٹیکل ایجنسٹ سے مل رأس سے محل میں داخلے کی سفارش کر اسکو....!“  
”فکرنا کرو.... یہ بھی ہو جائے گا.... ویسے تمہیں سوچھی خوب ہے....!“  
”اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں ہے!“  
”خیر تو اب تم مجھے کرتل عمران کہہ کر مخاطب کر سکتی ہو....!“  
”دفعہ جوزف کی آواز سنائی دی۔“ باس....! وہ لوگ پھر ادھر ہی آرہے ہیں!“  
”آنے دو....!“ عمران نے کہا اور زینو سے بولا ”ہماری گفتگو کے دوران میں اس طرح غیر تعلق نظر آنے کی کوشش کرنا جیسے زبان کو سمجھ نہیں سکتیں!“  
”میں احتیاط رکھوں گی!“

وہ قریب آگئے.... اس بار ان کے ساتھ ایک نیا چہرہ بھی نظر آیا اور یہ چہرہ قوت اور درندگی کا مظہر بھی تھا۔  
گاڑی کے قریب پہنچ کر اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔ ”فوج کی گاڑی ہے!“  
وہ صرف گاڑی ہی کو دیکھتے ہوئے آگے بڑھ گئے تھے.... ان لوگوں سے کچھ پوچھا نہیں تھا۔  
پھر وہ خیموں میں جھانکتے پھرے تھے زینو نہیں بغور دیکھتی رہی تھی۔ عمران اور جوزف لا تعلق نظر آرہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد عمران نے کہا تھا۔ ”شائد تمہاری ہی تلاش جاری ہے!“  
”تم نے اُس آدمی کو دیکھا.... وہ جس کی پیشانی پر لباساز خم کا نشان تھا!“ زینو نے پوچھا۔

”تم فی الحال اپنے بارے میں سوچو کہ تمہارا الگا قدم کیا ہونا چاہئے!“  
”کچھ سمجھ میں نہیں آتا!“  
”اسی برترے پر اکیلے نکل کھڑی ہوئی تھیں!“  
”یہاں کس میں اتنی جرأت ہے کہ خان کے خلاف میر اساتھ دے سکے!“  
وہ گاڑی سے اتر کر چاروں طرف نظریں دوڑانے لگی۔ پھر پلٹ کر عمران سے بولی۔ ”دوڑھائی میں کا سفر اور باتی ہے۔ اگر ہم ابھی روانہ ہو جائیں تو غروب آفتاب سے قبل ہی سیوچہ بہنچ جائیں گے!“  
عمران نے جوزف کو پھر کچھ ہدایات دی تھیں اور گاڑی پھر سڑک پر آنکلی تھی۔  
”تھوڑی ویر بعد وہ بستی میں داخل ہوئے تھے اور زینو نے ایک ایسے باغ کی طرف رہنمائی کی جہاں متعدد خیے نصب تھے اور کچھ گاڑیاں بھی کھڑی ہوئی تھیں!“  
”کچھ سیاح یوں بھی گذر کرتے ہیں یہاں....!“ اُس نے کہا۔  
”ہمارے لئے بھی یہی مناسب رہے گا!“ جوزف بولا۔ ”کسی ہوٹل کی گھنٹن سے لاکھ درجہ بہتر!“  
”لیکن اس کے باوجود بھی گاڑی کی نگرانی کرنی پڑے گی!“  
”میری موجودگی میں کوئی اُسے ہاتھ بھی نہیں لگائے گا!“ جوزف نے کہا۔  
”ویسے بھی کوئی جرأت نہیں کرے گا....! کیونکہ اس پر قوی فوج کا نشان موجود ہے!“  
عمران نے کہا۔  
”اوہ.... تو تمہارا تعلق فوج سے ہے....!“ زینو اسے غور سے دیکھتی ہوئی بولی۔  
”پھر یاد داؤں کہ یہ ایک شعبدہ بار کی گاڑی ہے!“ عمران نے کہا۔ ”خیر....! ہاں تو صورت یہ ہو گئی تم گاڑی میں سوڑگی اور ہم دونوں خیے میں رہیں گے.... ایک چھوٹا سا نیمہ میں بھی لایا ہوں!“  
”میری وجہ سے.... تم لوگ بھی زحمت میں پڑے ہو!“ زینو نے کہا اور آئینہ اٹھا کر پھر اپنا جائزہ لینے لگی.... پھر اس طرح چونک پڑی جیسے کسی نئے خیال نے ذہن میں جنم لیا ہو!“  
”سنو، دوست....!“ اُس نے عمران کو مخاطب کیا۔ ”میں یوریشین نہیں بلکہ ایک فرانسیسی

”یہ بات تو ہے....!“ عمران سر ہلاکر بولा۔  
 ”اگر کسی اور طریقے سے کہکشاں والوں کی لا علی میں داخل ہو سکیں تو وہاں ہفتواں چھپے رہ سکتے ہیں۔ کسی کو کافیوں کا ان خبر نہ ہو گی.... وہ قلعہ نما عمارت ضرور ہے لیکن وہاں کوئی باقاعدہ تم کی فوج نہیں رہتی.... خان کے ایک درجن سپاہیوں کے علاوہ چند ہی افراد اور ہیں!“  
 ”اگر میں پہلے بھی یہاں آچکا ہوتا تو آج دوسری صورت ہوتی.... خود ہی کوئی براست پیدا رہ لیتا!“

”میری ایک تجویز ہے اگر تم اس پر عمل کر سکو.... مسئلہ صرف قراتوغا تک پہنچنے کا ہے۔ ہم اس طرح جائیں کہ اجنبی نہ معلوم ہوں۔ تم میک اپ کے ایک پرہٹ ہو کیا یہ ممکن نہیں!“

”ہر طرح کامیک اپ ممکن ہے....!“  
 ”یہاں ایک دوکان علاقائی ملوسات کی بھی ہے.... ہم چداہوں کا بھیں بدلتیں گے  
 بس قراتوغا پہنچ جائیں.... پھر کہکشاں میں داخل ہونے کی تدبیر میں کروں گی!“

”مجھے منظور ہے....!“

”لیکن ساتھ ہی ساتھ یہ بھی ہے کہ میں کسی طرح کی یقین دہانی نہیں کر سکتی ہو سکتا ہے.... ہماری موت ہی ہمیں اس طرف لے جا رہی ہو!“

”لے جانے دو....!“

”کیا مطلب....?“

”زیادہ دور کی باتیں سوچنا میرے بس کی بات نہیں!“

”کیا تمہارے آگے پیچھے کوئی نہیں ہے!“

”آگے سناتا اور پیچھے تاریکی ہے....!“

”میں نہیں سمجھی!“

”پچھے سمجھنے کی ضرورت نہیں ہے...! اگر مجھ پر اعتماد کر سکتی ہو تو کرو ورنہ تمہاری راہ اور میری اور....!“

وہ خاموش ہو گئی تھی.... پھر عمران اور جوزف بڑی دیر تک سر جوڑے آہستہ آہستہ باتیں کرتے رہے تھے اور وہ دور سے انہیں سکمش کے سے عالم میں دیکھے جا رہی تھی!

”ہاں.... لیکن گاڑی کی حلاشی لیتے وقت ان لوگوں کے ساتھ نہیں تھا!“  
 ”میں نے اسے جلنے سے بچانا ہے.... داراب، وہی تھا....! خان کا خصوصی مصاحب، صرف نام سنت رہی تھی.... آج پہلی بار دیکھا ہے.... بابا کو اسی نے گرفتار کیا تھا! لیکن سنو....  
 کیا تمہاری گاڑی پر اس وقت فوج کا نشان موجود نہیں تھا جب انہوں نے حلاشی لی تھی!“  
 ”موجود تھا.... انہوں نے توجہ نہ دی ہو گی.... دیے یہ نشانات بدلتے بھی جائے ہیں.... کہو تو پل بھر میں اسے کسی فلم کمپنی کی ملکیت بنا دوں!“

”آخر تم ہو کیا چیز....؟“

”اس نشان کے ساتھ تو کرٹل ہوں.... فلم کمپنی والے نشان کے ساتھ ماسٹر جھاپک کھلاوں گا۔ دیے بات صرف اتنی سی ہے کہ مجھے کتنے کا نا تھا....!  
 وہ اسے عجیب سی نظریوں سے دیکھے جا رہی تھی.... دھمٹائی۔“ یہ تم نے کتوں کی تصویریں گاڑی میں کیوں لے کر کھلی ہیں!“

”جب سے کتنے کا نا ہے.... یہ کیفیت ہو گئی ہے!“

”میں انہیں اتار کر چھیک دوں گی.... کتنے مجھے ابھی نہیں لگتے!“

”ابھی تو مجھے بھی نہیں لگتے.... لیکن بھر حال کتوں ہی میں زندگی بمر کرنی ہے!“

”بس اوقات تمہاری کوئی بات میری سمجھ میں نہیں آتی!“

”آج تو پہلا ہی دن ہے!“

”لیکن مجھے پورا ایک سال لگ رہا ہے!“

”کبھی کتنے تو نہیں کا نا تھا!“

”ختم کرو فضول باتیں.... اب ہمیں صرف اس کی فکر ہونی چاہئے کہ جلد از جلد کہکشاں تک رسائی ہو جائے!“

”وہ بھی ہو جائے گا.... میں پولٹیکل ایجنسٹ سے ملوں گا!“

”نہیں دوست....!“ وہ نہ تفکر لجھے میں بولی۔ یہ طریقہ کارگر نہیں ہو گا۔ اگر اس طرح ہم کہکشاں میں داخل بھی ہو گئے تو اذایت خانے تک ہرگز نہ پہنچ سکیں گے.... ہر وقت ہماری گمراہی کی جائے گی!“



”کس بستی میں....!“

”جہاں سے بھیڑیں خریدنی ہیں۔! باشیں کرتے چلو۔... اپنے بارے میں کچھ اور بھی بتاؤ۔!“  
”میں اپنے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتا۔!“

”تو پھر مجھے یہ سمجھنا چاہئے کہ تم کوئی فرشتہ ہو، جسے خدا نے میری مدد کے لئے بھیج دیا ہے۔!  
”میرے بارے میں جاننے کی خواہش کرنے کی وجاء میری مدد کرو۔...!“ عمران بولا۔  
”میں نہیں سمجھی۔!“

”اپنے بابا کے بارے میں باشیں کرو۔... کیا وہ مال کے ساتھ خود بھی سفر کرتے ہیں۔!  
”زیادہ تر یہی ہوتا ہے۔...!  
”بھی انہیں رخصت بھی کیا ہے ایسے کسی موقع پر۔...!  
”بارہا۔...!  
”رواگی کے وقت وہ مضطرب نظر آتے ہیں یا پہلے سکون۔...!  
”رواگی ہوئی جواب نہیں دیا تھا۔ کچھ سوچنے لگی تھی۔... تھوڑی دری بعد بولی ”بڑا عجیب

زینو نے فوراً ہی جواب نہیں دیا تھا۔ کچھ سوچنے لگی تھی۔... تھوڑی دری بعد بولی ”بڑا عجیب  
سوال کیا ہے تم نے۔.. ہاں۔... اب میں سوچتی ہوں۔... میں نے انہیں ہمیشہ مضطرب پایا ہے۔!  
”میرا بھی یہی خیال تھا۔!“ عمران سر ہلا کر بولا۔ ”خان کی تجارت قانونی نہیں معلوم  
ہوتی۔... وہ ضروریات زندگی کی اسمگلنگ کر اتا ہے۔...!  
”نہیں۔... یہ غلط ہے۔.. بابا کہہ رہے تھے کہ خان کے پاس اجازت نامہ ہے۔!  
”صرف فریشلائیزر برآمد کرنے کا اجازت نامہ ہے اُس کے پاس۔..... میں نے آج ہی

قدیقی کی ہے۔... تم غلے، شکر اور گھنی کا بھی تذکرہ کرچکی ہو۔...!  
”میں نے غلط نہیں کہا تھا۔ اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ ٹرکوں پر کون سی اشیاء لاوی جاتی  
ہیں۔!  
”اسمگلنگ اچھی لڑکی اسمگلنگ۔...!  
”ہو سکتا ہے۔... ادھراتنی سختی بھی نہیں ہے۔!  
”خیر ہو گا۔... مجھے اس سے سردار نہیں۔... دیکھنا یہ ہے کہ تمہارے بابا پر غداری کا الزام  
کیوں عائد کیا گیا ہے۔!  
”

اس آدمی کو سمجھنے کی کوشش میں بتلا ہو کر زینو اپنی الجھنیں بھی بھول گئی۔ بھی وہ اُسے  
دیوانہ معلوم ہوتا کبھی حق اور کبھی اتنا عاقل و فہیم کہ اپنی ساعت پر یقین نہ آتا۔ وہ اُس سے اس  
بات پر پوری طرح متفق ہو گیا تھا کہ چراونوں کے بھیں میں قراۃ عناء کا سفر کیا جائے۔...!  
دوسرے دن انہوں نے اس سلسلے کی ساری تیاریاں مکمل کی تھیں اور شام ہوتے ہی وہاں سے چل  
پڑے تھے۔!

مقامی پوشاکیں خریدی گئی تھیں اور پھر انہیں عمران نے جانے کن تدبیر دل سے اس حال کو  
پہنچا دیا تھا کہ وہ مہینوں کی استعمال شدہ معلوم ہونے لگی تھیں۔!  
پیدل روائی ہوئی تھی اور جوزف گاڑی سمیت سیوچ ہی میں مقیم رہا تھا۔ ویسے وہ بڑی مشکل  
سے اس پر آمادہ ہوا تھا۔ عمران کا ساتھ نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔! لیکن حکم کی تعییں سے روگردانی  
بھی ناممکن تھی۔!

کچھ دور چلنے کے بعد عمران نے کہا۔ ”ایک کام تورہ ہی گیا۔!  
”کیا۔...؟“ زینو چلنے چلتے رک گئی۔!  
”ہم نے اپنے گلے میں ایسی تختیاں تو لے کی ہی نہیں جن پر تحریر ہوتا کہ ہم چڑا ہے ہیں۔!  
”اوہ بابا۔... وہ بھی ہو جائے گا۔...!“ زینو نے کہا۔ ”یہاں سے تین چار میل کے فاصلے پر  
ایک بستی ہے۔...! وہاں سے ہم چند بھیڑیں خرید لیں گے۔!

کچھ دور سڑک پر چلنے کے بعد زینو نے ایک جانب کی ڈھلان میں اترنا شروع کیا تھا اور پھر  
اُس کے بعد سے دشوار گزار راستوں پر چلنا پڑا تھا۔  
”اندھیرے میں کہاں کہاں بھٹکاؤ گی۔...!“ عمران نے کہا۔  
”درادیر میں چاند نکل آئے گا۔...! میں چاہتی ہوں کہ ہم اس طرح اُس بستی میں داخل  
ہوں کہ کسی کو علم نہ ہو سکے۔!

”میں صرف اُن کی رہائی چاہتی ہوں۔!“  
چاند پڑھتے ہی وہ ایک جگہ بیٹھ گئے تھے اور تھیلے سے کھانا نکالا تھا۔ کھانے کے دوران میں زینونے کہا۔ ”بُتی میں پہنچ کر تم گوئے بن جاتا۔... بھیڑوں کا سودا میں کروں گی۔!“

”یعنی تھہاراً گونگا ملازم...!“

”ہوش کی دوا کرو...! یہاں کے چوابیں اتنے مال دار نہیں ہیں کہ ملازم رکھ سکیں۔ میں تمہیں اپنا... اپنا... شوہر ظاہر کروں گی۔!“

”وہ تو گونگا ہوتا ہے...! ظاہر و اہر کرنے کی کیا ضرورت ہے۔!“

”میں تم سے متفق نہیں ہوں...! شوہر بہت بکواس کرتے ہیں۔!“

”اسی صورت میں اگر یہی سچ چیز گوئی ہو...!“

”میں سمجھ گئی..! تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ یویاں انہیں زبان کھولنے کا موقع ہی نہیں دیتیں۔!“  
عمران کچھ نہ بولا۔ پھر اُس نے ہاتھ اٹھا کر اسے بھی خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ کچھ سننے کی کوشش کر رہا ہو اور پھر اُس نے تھیلے سے نکالی ہوئی اشیاء کو سمیت کر دو بادھ تھیلے میں رکھنا شروع کر دیا تھا۔ زینو بھی کھانا کھا چکی تھی....! عمران کے رویے پر وہ بھی آنکنے لگی.... پھر ہاتھ کے اشارے سے اس کی وجہ پر چھپی تھی اور عمران نے ہونتوں پر انگلی رکھ کر پھر چپ رہنے کا اشارہ کیا تھا۔

اور پھر قدموں کی آوازیں واضح ہوتی گئی تھیں.... زینونے ایک دم اٹھا چلا لیکن عمران اُس کا ہاتھ پکڑ کر آہستہ سے بولا۔ ”بیٹھی رہو...! آوازیں کی اطراف سے آرہی ہیں۔!“

اندازہ غلط نہیں نکلا تھا... چھ افراد نے دائرے کی شکل میں انہیں گھیر لایا تھا۔!

”تم لوگ کون ہو...! اور یہاں کیا کر رہے ہو...؟“ کسی نے ڈپٹ کر پوچھا تھا۔

”مسافر ہیں....!“ زینو یوں۔

اور پھر کئی ثارچوں کی روشنیاں اُن کے پیڑوں پر پڑی تھیں.... عمران نے الوں کی طرح بیدے نچائے اور پھر کسی گوئے کی طرح شور چانے لگا جیسے آنکھوں پر تیز روشنی پڑنے کی وجہ سے بلما لٹھا ہو۔!

”کہاں جا رہے ہو...؟“ پھر پوچھا گیا۔

”سعد گنج...!“ زینو یوں۔

”لیکن تم لوگ سعد گنج کے تو نہیں معلوم ہوتے...!“

”جارہے ہیں سعد گنج... زمانیہ سے آئے ہیں۔!“

”سعد گنج میں کس کے گھر جا رہے ہو....؟“

”کالاں پیر کی زیارت کو آئے ہیں۔!“

دفعہ اُن میں سے ایک نے دوسرے کا بازو پکڑا اور اُسے دور لے جا کر آہستہ کچھ کہنے لگا۔ عمران نے طویل سانس لی.... جس بات کا خدشہ تھا وہی پیش آئی تھی غالباً زینو کی آواز پہچان لی گئی تھی.... ذرا سی بھی تبدیلی اپنی آواز میں نہیں کر سکی تھی۔

وہ دونوں پھر پلٹ آئے.... اور دو بارہ تاریخ روشن کی اور اُسی روشنی میں عمران نے اُس شخص کو پہچان لیا جس کے بارے میں زینو نے بتایا تھا کہ وہ داراب ہی ہو سکتا ہے۔!  
روشنی کا دائرہ زینو کی طرف ریگ گیا....! عمران پھر شور چاتا ہوا تاریخ والے اور زینو کے درمیان آگیا۔!

”اے پکڑو....!“ داراب نے اپنے آدمیوں سے کہا تھا۔

تمن آدمی عمران کی طرف بڑھے ہی تھے کہ زینو بھی اچھل کر کھڑی ہو گئی۔

”بُردار جو اُسے ہاتھ لگایا بد بخون...!“ زینو نے عمران کا ڈنڈا اٹھاتے ہوئے کہا تھا۔

لیکن تمن آدمی پہلے ہی عمران پر بچپنے تھے اور پھر زینو یہ نہیں دیکھ سکی تھی.... وہ کس بنا پر اچھل اچھل کر دور جا پڑے تھے!

ویسے خود اُس نے اُس شخص پر ڈنڈا گھلایا تھا جسے داراب کی حیثیت سے شاخت کر پچلی تھی وہ اچھل کر بچھپہ ہٹتا ہوا دہڑا۔ ”مورت تو پاگل تو نہیں ہو گئی ہے.... جانتی ہے میں کون ہوں۔!“

”کالاں پیر کے زاروں کو پریشان کرنے والے شیطان ہی ہو سکتے ہیں۔!“ زینو بھی چھپی تھی۔  
اُوہر عمران اُن پاچوں کی درگت بنائے دے رہا تھا۔! کسی طرح اُن کے قابوی میں نہیں آ رہا تھا۔

”اُس گوئے کوروک لے ورن پچھتائے گی.... ہم خان کے آدمی ہیں۔!“ داراب نے کہا۔  
”اُرے تو پہلے کیوں نہیں بتایا تھا....!“ وہ عمران کی طرف دوڑی تھی۔

”کیوں....؟“  
 ”اُس صورت میں اگر انہوں نے چھپ کر نگرانی کی..... مٹکہ خیز بات ہو گی کہ زیارت کرنے کے بعد بھیڑیں خرید کر انہیں چراتے ہوئے فرازوں تاکی طرف چل پڑیں!“  
 ”ٹھیک کہتے ہو.... کھیل بگڑ گیا ہے.... لیکن ٹھہرو.... ہم دیکھیں گے کہ وہ ہماری نگرانی کرتے بھی ہیں یا نہیں.... مخفی قیاس کی بناء پر....!“  
 ”چلو بیٹھ جاؤ.... فورائی روائی بھی مناسب نہ ہو گی....!“ عمران نے کہا۔  
 ”لیکن اسکی جگہ بیٹھنا چاہئے کہ چاروں طرف نظر رکھ سکیں!“  
 مطلع صاف تھا اور چاندنی بڑی شفاف لگ رہی تھی....!  
 تھوڑی ہی دیر میں انہوں نے جگہ کا انتخاب کر لیا۔  
 ”تم بہت پھر تیلے ہو....!“ زینونے کہا۔  
 ”شعبدہ بازوں کو بڑی محنت کرنی پڑتی ہے....!“  
 ”یقین نہیں آتا کہ تم مخفی شعبدہ باز ہو....!“  
 ”تمہاری اس بات کا میرے پاس کوئی جواب نہیں ہے۔!“  
 ”یہ طریقہ جو ہم نے اختیار کیا ہے.... کیا یہ مٹکہ خیز نہیں ہے....!“ زینونے کہا۔  
 ”تم جانو.... تجویز تمہاری ہی تھی.... میں نے تو کہا تھا کہ پو لوٹیکل الجہت سے سفارش نامہ حاصل کر کے خان کے مہمان ہی بن جائیں گے۔!  
 ”بس پھر مہمان ہی بننے رہتے.... یقین کرو.... ہر وقت نگرانی ہوتی....!“  
 ”اوہ.... ختم کرو.... دیکھا جائے گا....! کیوں نہ ہم کوئی مناسب سی جگہ تلاش کر کے آرام کریں اور صبح ہوتے ہی سعد گنج کی طرف روانہ ہو جائیں!“  
 ”چلو یونہی سبی.... اب تو سیدھے کلاں پیر کے مزار پر پہنچتا ہے....!“ زینونے کہا اور جگہ کی تلاش شروع کرنے کے لئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

”ہٹ جاؤ.... ٹھہرو.... تم لوگ....!“ داراب نے اپنے آدمیوں کو لکارا۔  
 جو جہاں تھا وہیں رک گیا۔....! لیکن عمران ہاتھ ہلاکر انہیں لکا کر تارہا.... زینونے اس کے قریب پہنچی تھی اور اس کا شاندہ تھپک تھپک کر اشاروں سے کچھ سمجھانے کی کوشش کرنے لگی تھی اور پھر عمران نے ان سمجھوں کو جھک جھک کر سلام کرنا شروع کر دیا تھا۔ داراب کے ساتھی ہانپر رہے تھے۔  
 داراب نے زینو سے کہا۔ ”ہمیں ایک پاگل عورت کی تلاش ہے جو گھر سے نکل گئی ہے لیکن ہم اُسے پہچانتے نہیں ہیں.... میرے ایک آدمی کو تمہاری آواز اُسی کی سی لگی تھی۔“  
 ”جاو.... کوئی بات نہیں....!“ زینو نے فراخ دلی کا مظاہرہ کیا۔  
 ”یہ.... یہ.... تمہارا....!“ داراب نے عمران کی طرف ہاتھ انھا کر کچھ کہنا چاہا اور زینو جلدی سے بولی۔ ”میرا آدمی ہے....!“  
 ”بہت تیز معلوم ہوتا ہے....!“  
 ”تمہیں جلد ہی ہوش آگیا تھا.... ورنہ یہ تمہارے کسی ساتھی کی گردان ضرور توڑ دیتا....!“  
 زینو نے اپنے لجھے میں پیارا جاگر کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔  
 ”چلو.... دل صاف کرو.... کہو تو ہم تمہیں سعد گنج پہنچادیں۔ ہمارے پاس گاڑی ہے۔!  
 ”میرے باپ دادا بھی بیدل زیارت کو جاتے تھے....!“  
 ”اچھا.... اچھا....!“ اس نے اپنے آدمیوں کو چلنے کا اشارہ کیا تھا۔.... پھر وہ ڈھلان میں اترتے چلے گئے تھے۔  
 ”خواہ مخواہ....!“ عمران سر ہلا کر آہستہ سے بولا۔  
 ”کیا شاندرا اداکاری کی تھی تم نے.... واہ....!“ زینو نے کہا۔  
 ”مجھے یقین ہے کہ اُسے تمہاری باتوں پر یقین نہیں آیا.... اب وہ چھپ کر ہماری نگرانی کریں گے.... لہذا مجھے گونگاہی بنا رہنے دو....!“ بولنے پر مجبور نہ کرو....!  
 ”اور اب ہمیں زیارت گاہ پر بھی حاضری دینی پڑے گی.... چلو اچھا ہے.... تحکم بھی دور ہو جائے گی۔!  
 ”بھیڑیں نہ خرید سکیں گے....!“

پھر اُس نے اسی طرح آنکھیں نکال کر سر کو احتیاجی جبش دی تھی جیسے ورد کے دوران میں گفتگو کرنے پر مجبور کر کے وہ اُس پر زیادتی کر رہی ہوں.... تینوں چب چاپ دور جاتی تھیں اور آپس میں سر گوشیاں کرنے لگیں.... پھر انھوں کو باہر چلی گئی تھیں۔

اُدھر مردانہ ہے میں داراب اور اُس کے پانچوں ساتھی عمران کے گرد منڈلار ہے تھے.... اور وہ اُن سے اس درجہ لا تعلق نظر آرہا تھا جیسے انہیں پہچانا تک نہ ہو! کچھ دیر بعد داراب نے شاکر کچھ کر گزرنے کی خانی تھی اور اُس کے قریب پہنچ کر بولا تھا۔ ”کہاں سے آئے ہو بھائی؟“

عمران نے اونٹ کی طرح منہ اٹھا کر ”لی ای ای.... ایل.... لیج....!“ شروع کر دی۔ ”اوہ ہو!“ داراب نے چہرے پر شرمندگی کے آثار پیدا کئے تھے اور دوسرا طرف مڑ گیا تھا! عمران اور زینو نے وہ رات وہیں گذاری تھی اور صبح ہونے پر داراب اور اُس کے ساتھی نہیں دکھائی دیتے تھے۔ زینو کی بستی کی تینوں عورتیں بھی چلی گئی تھیں۔

دن چڑھے وہ بھی واپسی کی تیاریاں کرنے لگے۔ زیارت گاہ سے ٹھوڑے ہی فاصلے پر زینو نے اُس جگہ کا تعین پہلے ہی کر لیا تھا جہاں انہیں دوسرا میک اپ کرنا تھا۔ وہ جگہ واپسی ہی کے راستے پر تھی.... لیکن عمران کے رویے میں کسی قدر پہنچاہت پائی جاتی تھی!

”کیا بات ہے....! اب کیا سوچ رہے ہو....!“ زینو نے پوچھا۔ ”میں اُس شخص داراب کی طرف سے مطمئن نہیں ہوں۔ چالاک آدمی معلوم ہوتا ہے!“ تب زینو نے اپنی بستی کی اُن تینوں عورتوں کے بارے میں بتایا جس سے زنانہ قیام گاہ میں ملاقات ہوئی تھی۔ اس نے کہا ”وہ مجھ سے گفتگو کرنا چاہتی تھیں.... لیکن میں نے موقع ہی نہیں دیا۔ چادر بچھا کر نفلیں پڑھنی شروع کر دی تھیں!“

”یہ دوسرا ہوئی....!“ عمران سر ہلا کر بولا۔ ”داراب سے پچھا چھڑانا مشکل ہو جائے گا....! ان سیدھی سادھی عورتوں سے گفتگونہ کر کے تم نے اچھا نہیں کیا۔ آواز میں معمولی سا بھاری پن پیدا کر کے تم نہیں مطمئن کر سکتی تھیں!“

”تم ٹھیک کہہ رہے ہو.... واقعی مجھ سے غلطی ہوئی....!“

عمران اتنا مجبور تو نہیں تھا کہ دوسرا میک اپ نہ کر سکتا....! ضرورت کی ساری چیزیں اُس کے دونوں ٹھیلوں میں موجود تھیں.... بچھلی رات انہوں نے ایک چھوٹا سا غار علاش کر لیا تھا اور باری باری سے سوتے جا گئے رہے تھے۔ دوسرا صبح زینو نے عمران سے کہا۔ ”ہم بھیزیں ضرور خریدیں گے.... کیا تم دوسرا میک اپ نہیں کر سکتے....?“

”زیارت گاہ تک ہم اسی میک اپ میں جائیں گے....!“ عمران نے جواب دیا۔ ”وہاں تھہر کر دیکھیں گے کہ ہماری مگر انی تو نہیں کی جا رہی!“ ”اب میں مطمئن ہوں....!“ زینو نے طویل سانس لی۔

وہ پھر چل پڑے تھے۔ لیکن شام سے پہلے زیارت گاہ تک نہ پہنچ سکے۔ اُن کا تعاقب تو نہیں کیا گیا تھا.... لیکن جب وہ زیارت گاہ میں پہنچے تھے تو داراب اور اُس کے ساتھیوں کو وہاں موجود پایا تھا۔ غالباً وہ زینو کے بیان کی تصدیق کرنے کے لئے وہاں رکے تھے۔ زیارت گاہ میں زائروں کے قیام کے لئے ایک بہت بڑا سامبان تعمیر کیا گیا تھا جس میں عورتوں اور مردوں کے قیام کے لئے الگ الگ حصے بنائے گئے تھے۔

زینو خواتین والے حصے میں پہنچنے تو اسے اپنی بستی کی تین عورتیں نظر آئیں جن کے بیہاں ہونے کا جواز تو تھا لیکن یہ وقوع نہ ممکن سانظر آتا تھا۔

زینو نے سوچا کیا داراب انہیں لایا ہے.... اگر وہی لایا ہے تو مقصود اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہو سکتا کہ میک اپ کا شہبہ ہو جانے کی بنا پر وہ آواز اور نقل و حرکت کے انداز کی شاخت کرنا چاہتا ہے!

زینو نے اپنی چال میں بلکی سی لنگڑاہٹ پیدا کی اور اُن کے قریب سے گذرتی چلی گئی۔ انہوں نے اُسے بغور دیکھا تھا۔ لیکن وہ اُن کی طرف متوجہ نہیں ہوئی تھی۔ اس رویے کا اُن تینوں پر کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔ وہ آگے بڑھی تھیں اور اُس سے پوچھنے لگی تھیں کہ وہ کہاں سے آئی ہے۔ زینو کے ہونٹ آہستہ آہستہ مل رہے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی ورد کر رہی ہو....

عمران اُسے زنانہ اقامت گاہ کی طرف بھیج کر خود نکل کھڑا ہوا تھا۔ اُسے یقین تھا کہ داراب اور اُس کے ساتھی کہیں آس پاس ہی موجود ہیں!

ٹھیلنے کے سے انداز میں چلتا ہوا وہ اُس طرف جا رہا تھا جہاں اپنا کچھ سامان زیارت گاہ تک پہنچنے سے قبل چھپا دیا تھا اور وہیں دوسرا میک اپ کرنے کی بھی تجویز ہوئی تھی۔ پہلی رات نیند پوری نہیں ہوئی تھی اس لئے ذہن کچھ بوجھل سا ہورہا تھا درونہ شائد اسی حد تک بے خبری طاری نہ ہوتی کہ کوئی اپنا کام کر جاتا۔

جیسے ہی دوپٹانوں کے درمیان سے گذر کر آگے بڑھنا چاہا تھا سر کے پچھلے حصے پر قیامت ٹوٹی تھی۔ جھو جھل میں منہ کے بل پینچے چلا آیا۔ پھر دوبارہ اٹھنے کی مہلت نہیں ملی تھی بیک وقت کی آدمی چھاپ بیٹھے تھے۔ ایک بار اور ضرب لگائی گئی تھی سر پر۔۔۔ اور وہ تاریکیوں میں ڈوبتا چلا گیا تھا۔

زینوبے چینی سے اُس کی منتظر تھی۔ نہ جانے کہاں غائب ہو گیا تھا۔ اُنہیں بار مردانہ اقامت گاہ کی طرف گئی تھی لیکن وہ دکھائی نہیں دیا تھا۔! الجھن بڑھتی رہی۔ دوپھر کے کھانے کے لئے لنگر خانے میں پہنچی تھی۔۔۔ جہاں ایک عورت نے اُس کے ”شوہر“ کی خیریت پوچھی۔

”اُسے ہوش آیا کہ ابھی تک یہوش ہے۔۔۔!“

”نہ جانے کیا کہہ رہی ہو۔۔۔!“ زینو اسے گھورتی ہوئی بولی۔

”ارے تو تمہیں پتا ہی نہیں۔!“ عورت کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

”خدا کے لئے جلدی تاؤ۔۔۔ کیا بات ہے۔۔۔ میں دیرے اُسے ڈھونڈ رہی ہوں نہ جانے کدھر نکل گیا۔۔۔!“

”ارے وہ زخمی بھی تھا اور یہوش بھی، کوئی دو گھری کی بات ہے۔۔۔! وہ لوگ اُسے جراح کے جرے میں لے گئے ہیں۔!“

”کدھر ہے جراح کا مجرہ۔۔۔ مجھے وہاں لے چلو۔۔۔!“ اور پھر وہ کھانا کھائے بغیر اُس عورت کے ساتھ نکل کھڑی ہوئی تھی۔!

”وہ لوگ کون تھے جو اسے لے گئے ہیں۔!“ زینو نے پوچھا۔

”میں انہیں نہیں جانتی۔۔۔ تمہاری ہی طرح میں بھی زیارت کو آئی ہوں۔ میں نے ساتھا

”داراب کو اس پر بھی یقین نہیں ہے کہ میں گونگا ہوں۔!“

”یہ کیسے کہہ سکتے ہو۔۔۔؟“

”بس اندازہ ہے میرا۔۔۔!“

”پھر اب کیا ہو گا۔۔۔!“

”میرا خیال ہے کہ ہم ابھی تین رکے رہیں۔۔۔! ذرا یہ تو تاؤ۔۔۔ کیا وہ یہاں کوئی ہنگامہ برپا کرنے کی جرأت کر سکیں گے۔!“

”سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔۔۔ اس سے مزار کی بے حرمتی ہو گی۔۔۔ جسے کوئی بھی نہیں برداشت کر سکتا۔!“

”میرا بھی بھی خیال تھا۔۔۔ اس لئے فی الحال یہ تمہارے لئے محفوظ ترین جگہ ہے۔۔۔!“

”بہت دیر ہو رہی ہے۔۔۔! کہیں وہ بابا کو ختم ہی نہ کر دیں۔!“

”آخر نہیں تمہاری تلاش کیوں ہے۔۔۔؟“

”میں تمہیں پہلے ہی بتاچکی ہوں کہ داراب نے بابا سے میراثتہ مانگا تھا۔۔۔!“

”بات سمجھ میں نہیں آتی۔۔۔!“

”خان اگر کسی گھرانے کے ایک آدمی سے ناراض ہوتا ہے تو اُس کی بھی کوشش ہوتی ہے کہ اُس کے متعلقین میں سے کوئی بھی نہ بچے۔!“

”پھر شستہ کا کیا ہو گا۔!“

”بھی تو الجھن ہے۔۔۔!“

”کہو تو میں بات کروں داراب سے۔۔۔؟“

”کیا کہہ رہے ہو۔۔۔!“ وہ آنکھیں نکال کر بولی۔ ”بات سمجھا کرو۔ میں کہہ رہی تھی اگر داراب ہیں چاہتا ہے تو اسے میری حفاظت کرنی چاہئے نہ کہ میری بھی گرفتاری کے درپے ہے۔۔۔!“

”معلوم نہیں۔۔۔ وہ کیا چاہتا ہے۔ ہو سکتا ہے اسی لئے تمہاری تلاش میں ہو کہ تمہیں کہیں چھپا دے تاکہ خان کی دستبرد سے بچ سکو۔۔۔!“

”خدا جانتے۔۔۔ بس اب کوئی ایسی تدبیر کرو کہ کہکشاں تک پہنچ سکیں۔!“

”احتیاط ضروری ہے۔ اگر اس علاقے میں پہلے کبھی آنا ہوا ہوتا تو تمہیں اتنی پریشانی نہ ہوتی۔!“

”میر احال تھے سے نہ دیکھا جائے گا....!“  
 ”تم کدھر ہو....! میں آرہی ہوں....!“  
 ”نہیں.... ہرگز نہیں.... جہاں ہے وہیں ٹھہر....! خالموں نے فصلہ کر لیا ہے کہ کوئی  
 خانہ خالی نہ چھوڑیں گے.... شاکر میری آنکھوں کے سامنے تھے بھی اذیت دیں گے.... اے  
 اللہ مجھے ثابت قدم رکھو....!“  
 ”تو کیا سچ مجھ غداری کے مر تکب ہوئے ہو بابا....!“  
 ”ہرگز نہیں.... ہرگز نہیں....!“  
 ”تو پھر.... خدار مجھے بتاؤ کہ یہ سب کیا ہے....!“  
 ”میں نہیں جانتا....! کچھ نہیں جانتا....!“  
 ”پھر کس معاملے میں ثابت قدم رہنے کی دعائیں رہے تھے!“  
 ”رمم کی بھیک کسی آدمی سے نہیں مانگوں گا.... تو جانتی ہے کہ میرا پرداوا قرزاتونا کا حکمران  
 تھا۔ فرنگیوں سے نکرایا اور شہید ہو گیا.... پھر سرداری موجودہ خان کے اجداد کی طرف منتقل  
 ہو گئی....! لیکن میں نے کبھی موجودہ خان کے خلاف کوئی براخیال اپنے دل میں نہیں رکھا۔ خدا  
 شاہد ہے کہ میں اُس کا دقادار رہا ہوں....! لیکن اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ میں کسی حقیر آدمی کی  
 طرح اُس کے سامنے گزگڑوں گا.... اُس کا ملازم تھا....! اپنی محنت کا معادضہ لیتا تھا.... زر  
 خرید غلام تو نہیں ہوں!“  
 ”آخر کس بنا پر غداری کا الزام لگایا گیا ہے....!“  
 ”میں کچھ نہیں جانتا....! خاموش رہو.... خاموش رہو....!“  
 ”مجھے اپنے قریب آنے دو بابا....!“  
 ”میا تو میرا کہنا نہیں مانے گی.... میں کہتا ہوں مجھ سے دور رہ....!“  
 ”تمہیں سن کر خوش ہو گی کہ میں آسانی سے ان کے ہاتھ نہیں آئی۔ مجھے دھوکے سے پکڑا  
 گیا ہے....!“ زینو نے کہا اور اپنی رو داد ہر انے گلی.... خاموش ہوئی تو جابر خان کی آواز  
 آئی۔ ”شباش....! تو نے اجداد کا نام روشن کر دیا.... اب دیکھتا ہے کہ آگے کیا ہوتا ہے....  
 ”مگر وہ آدمی کون تھا!“

جراح کے مجرے میں لے گئے ہیں۔ جراح کا مجرہ بھی نہیں جاتی....! کسی سے پوچھ لیں گے....!  
 جراح کے مجرے تک پہنچنا مشکل نہیں تھا۔ بستی کی مشہور جگہ تھی....! اور پھر جب وہ اندر  
 پہنچی تو بے خبری میں وہی عورت اُس پر ٹوٹ پڑی۔ کسی جانب سے تم عورت میں اور بھی برآمد  
 ہو میں اور دیکھتے ہی دیکھتے اسے باندھ کر ایک طرف ڈال دیا۔  
 ”آخر تم لوگ چاہتی کیا ہو....!“ وہ حلق چھاڑ کر چینی تھی لیکن وہ کوئی جواب دیجے بغیر دہان  
 سے چل گئی تھیں۔!  
 زینو اُسی طرح بندھی پڑی رہی۔ تھوڑی دیر بعد اُس نے شور مچانا شروع کیا تھا۔ اور دو  
 عورتیں پھر اندر آئی تھیں اور اُس کے منہ میں حلق تک کپڑا ٹھوٹ دیا تھا پھر اُس پر بھی غشی  
 طاری ہو گئی تھی۔  
 دوبارہ ہوش آنے پر اُس نے محسوس کیا تھا کہ وہ جسمانی طور پر آزاد ہے۔ منہ میں ٹھوٹنا  
 جانے والا کپڑا بھی نکال لیا گیا تھا.... لیکن اُس قدر اندھیرا تھا کہ ہاتھ کو ہاتھ نہیں بھائی دیتا  
 تھا.... وہ اٹھ بیٹھی اور بیٹھے ہی بیٹھے ایک جانب کھکھنے لگی.... فرش ہمارا تھا....! جیسے کسی کمرے  
 کا فرش ہو.... لیکن وہ تار کی....! عجیب تھی....! دھنٹا وہ چونک پڑی تھی.... کہیں بینائی ہی تو  
 نہیں کھو بیٹھی۔!  
 پھر دیر تک آنکھیں مل مل کر اندر ہیرے میں گھورتی رہی تھی۔!  
 ”ارے کوئی ہے آس پاس....!“ دھنٹا وہ زور سے چھی تھی۔!  
 ”لک.... کون ہے....!“ کسی جانب سے مردانہ آواز آئی تھی۔!  
 ”یہ کون کی جگہ ہے....!“ زینو نے چیخ کر پوچھا۔  
 ”خداوند....!“ میری بچی.... کیا تو ہے.... زینو....!“ کہا تھی ہوئی کی آواز آئی۔  
 ”بابا....!“ زینو کی آواز اس بار حلق میں گھٹ کر رہ گئی تھی۔  
 ”تو.... زخمی.... ہے کیا میری بچی....!“  
 ”نہیں بابا....!“ تم کس حال میں ہو....!  
 ”خدا کرے یہ اندھیرا بکھی نہ دو رہو....!“  
 ”کیا کہہ رہے ہو بابا....!“

”بڑی خوشی ہوئی اس اطلاع پر....!“ عمران چپک کر بولا۔  
”بکواس مت کرو....! اگر تم نے اپنے بارے میں صحیح معلومات فراہم نہ کیں تو بڑی اذیت  
دے کر چالاک کے جاؤ گے!“  
”پہلے تم بتاؤ کہ میں کہاں ہوں۔!“  
”کہاں ہونا چاہئے!“  
”اگر لڑکی سچ کہہ رہی تھی تو یہ خان قراتوغا کا محل ہی ہو سکتا ہے۔!“  
”تمہارا خیال درست ہے....!“  
”چلو کسی طرح بھی ہوا....! میری خواہش پوری ہو گئی۔!“  
”کھل کر بات کرو....!“ داراب دھڑا۔

”اس نے اپنی رام کہانی سنائی تھی اور میں اس کا ساتھ دینے پر اس نے آمادہ ہو گیا تھا کہ  
قراتوغا تک پہنچنا چاہتا تھا۔ اویسے تو رسائی ممکن نہ ہوتی کیونکہ پہلے ہی سن رکھا تھا کہ اجنبیوں کو  
قراتوغا میں داخل نہیں ہونے دیا جاتا۔ سوچا تھا کسی موقع پر اس بے حد چالاک لڑکی کو قابو میں  
کروں گا اور لے کر خان کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں گا۔!“  
”مجھے یہ توف بنانے کی کوشش مت کرو۔ تمہاری گاڑی پر میں نے فوج کا نشان دیکھا تھا۔!“  
”ہر طرح کے نشان موجود ہیں میرے پاس....! لڑکی نے کہا تھا کہ فوجیوں سے یہاں کوئی  
باز پرس نہیں ہوتی۔ لہذا میں نے فوج کا نشان لگادیا تھا۔ ہر حال مجھے اس کے ساتھ پہلے بھکنا تھا  
پھر.... قابو میں کر کے خان کی خدمت میں پیش کر دیا تھا۔ یہ اُسی کی تجویز تھی کہ میں گونگا بن  
جاوں.... پھر چند بھیڑیں خردی جائیں اور ہم چڑواہوں کی طرح قراتوغا میں داخل ہوں۔!“  
”تمہیں کہاں اور کیسے ملی تھی....!“ داراب نے سوال کیا۔

عمران نے ملاقات کا داقہ دھراتے ہوئے کہا۔ ”وہ دراصل میرے اُس شعبدے سے متاثر  
ہو گئی تھی۔!“

”میں یقین نہیں کر سکتا....! بڑی اچھی نشانہ باز ہے....! تم جھوٹے ہو....؟“  
عمران اُسے غور سے دیکھتا ہوا بولا۔ ”نشانہ تو تمہارا بھی بہت اچھا ہو گا۔ خود امتحان لو....  
حالانکہ اس وقت....!“

”میں نہیں جانتی....! آنکھ بند کر کے میرے ساتھ اس آگ میں آکو دا تھا۔ خدا جانے اس  
کا کیا حشر ہوا۔!“

”اب حالات اور پیچیدہ ہو جائیں گے۔!“

”میں نہیں سمجھی بابا....!“

”پچھے نہیں....! صبر سے کام لو اور خدا سے دعا کرو....!“

”کس بات کی دعا بابا....!“

”میں کچھ نہیں جانتا....! خاموش رہو....!“

عمران کے سر میں کئی جگہ ورم تھا....! اور وہ مسلسل ان چلکوں کو سہلانے جا رہا تھا اور اس کا  
اندازہ تو ہوش میں آتے ہی ہو گیا تھا کہ میک اپ صاف کر دیا گیا ہے....!

ہر چند کہ اُس نے سر گھما کر دیکھا نہیں تھا.... لیکن ہوش میں آتے ہی احساس ہو گیا تھا کہ  
وہ کمرے میں تھا نہیں ہے کوئی اور بھی موجود ہے....! اُس نے طویل سانس لی تھی اور عجیب سی  
ہنسی کے ساتھ بولا۔ ”ایمان داری کی بات تو یہ ہے کہ میں گونگا نہیں ہوں۔!“

”شباش....! اب تو یہی کہو گے....!“ بائیں جانب سے آواز آئی۔

یہ داراب کی آواز تھی....! عمران نے فورائی پیچان لیا۔

”لیکن میں کہاں ہوں....! اور تم کون ہو....!“

”اٹھو....! اٹھ بیٹھو....!“ داراب غریا۔

بڑی بھرتی سے وہ اٹھ بیٹھا تھا اور داراب کی طرف گھوٹا ہوا بولا تھا۔ ”اچھا تو تم ہو۔!“

”لیکن تم کون ہو....!“

”ایک شعبدہ باز....! اور اُس نامعقول لڑکی کے بہکانے میں آگیا تھا۔!“

”جھوٹ مت بولو....! تم حکومت کے جاسوس ہو۔!“

ٹوٹ کر سکاریاں لیتا رہا۔ آدھے گھنٹے بعد ایک بہت بڑے ہال میں لے جایا گیا تھا جہاں سامنے ہی زرنگار کرسی پر خان قرا توغا بیٹھا نظر آیا۔

عمران بھک کر آداب بجالا تھا۔

”تم ہمارے حضور کیوں حاضر ہونا چاہتے تھے۔!“ اس نے عمران کو دیکھتے ہی سوال کیا۔!

”اپنے شعبدے خدمتِ عالی میں پیش کر کے انعام کا مستحق بننا چاہتا تھا عالیٰ جاہ۔!“

”اور تمہارا پورا ایمان حقیقت پر منی ہے۔!“

”یقیناً عالیٰ جاہ۔! میں رقص کلمہ کر اپنی گاڑی بھی طلب کر سکتا ہوں میرا جبھی مددگار جو کالے جادو کا ماہر ہی ہے گاڑی سیست حاضر ہو جائے گا اور یہ ناچیز ثابت کر سکے گا کہ حسب ضرورت اُس کے نشانات بدلتے بھی جاسکتے ہیں۔!“

”یہ بعد میں دیکھیں گے۔ پہلے تم اپنا وہ شعبدہ پیش کرو جس کے بارے میں تم نے داراب کو بتایا تھا۔!“

”عاجز تیار ہے عالیٰ جاہ۔!“

”داراب....! تم فائز کرو گے۔!“

”جو حکم عالیٰ جاہ۔!“ داراب ہولٹر سے رویا اور نکالتا ہوا بولا۔

”تم اپنی مرخصی سے جہاں چاہو کھڑے ہو جاؤ۔!“ خان نے عمران سے کہا۔

”جہاں اور جس طرح عالیٰ جاہ ارشاد فرمائیں۔!“ شعبدہ باز ایسے حالات میں تماشائی کی مرخصی کا پابند ہوتا ہے۔!“

خان کی آنکھوں میں پل بھر کیلئے حریت کے آثار نظر آئے تھے اور پھر وہ معمول پر آگیا تھا۔!“ اچھی بات ہے۔! اُس طرف کھڑے ہو جاؤ۔!“ خان نے ایک جانب اشارہ کر کے

کہا۔ ”ہاں۔! قاصدِ کتنا ہونا چاہئے۔!“

”کم از کم چھ گزر عالیٰ جاہ۔!“

”ہماری طرف سے آٹھ گزر۔!“ خان نے داراب کی طرف دیکھ کر کہا۔!

”بہت بہتر عالیٰ جاہ۔!“ داراب نے کہا اور پوزیشن لے لی۔! پھر اُس نے عمران کو ہوشیار کر کے فائز کر دیا تھا۔! اُس کے بعد نہ اُس کی انگلی ٹریگر سے ہٹی تھی اور نہ عمران کے پیور

وہ اپنے سر پر ہاتھ پھیر کر رہ گیا۔! لیکن آنکھوں میں چیلنج بدستور موجود تھا۔

”یہ بھی دیکھ لیا جائے گا۔! پہلے تمہاری اس بکواس سے خان کو مطلع کر دوں۔!“ داراب نے کہا اور دروازہ کھول کر باہر چلا گیا۔

عمران بیٹھا طرح طرح کے منہ بنا تا رہا۔ روشن داں سے اندر دھوپ آرہی تھی اور کمرہ پوری طرح روشن تھا۔!

کچھ دیر بعد داراب واپس آیا۔! اُس کی آنکھوں میں طنزیہ سی چک لہارہی تھی اور پھر طنزیہ ہی انداز میں وہ بولا تھا۔ ”تھوڑی دیر بعد تمہاری یہ خواہش بھی پوری ہو جائے گی کہ خان کی خدمت میں اپنا شعبدہ پیش کر سکو۔!“

”خدا کا شکر ہے۔!“ عمران سر ہلا کر بولا۔ ”شائد اس طرح میں اپنی بات کا یقین دلا سکوں۔!“

”اس دربار میں صفائی کا پورا پورا موقع دیا جاتا ہے۔!“

”کیا تم داراب ہو۔!“

”تم کیا جاؤ۔!“

”وہ تمہارا ذکر بڑے بیارے سے کرتی تھی۔ لیکن جب خود تمہیں ہی اپنی تلاش میں سرگردان دیکھا تو اُس کا دل ٹوٹ گیا۔!“

داراب نے اس طرح ہونٹ بھینچ لئے جیسے کسی جذبے کو دبانے کی کوشش کر رہا ہو۔!

”کہہ رہی تھی کہ داراب اس علاقے کا سب سے زیادہ طاقت ور اور دلیر آدی ہے۔!“ لیکن مجھے حیرت ہے کہ اُس نے دھوکے سے میرے بابا ہاتھ کیسے ڈالا۔!

”نمک خوار ایسے ہی ہوتے ہیں۔ خان کے حکم کی قبولی میں اپنی گردن اپنے ہاتھ ہی سے کاٹ سکتا ہوں۔!“

”مگر وہ۔! ایک معصوم سادل۔! جو ٹوٹ گیا۔!“ عمران کرہا تھا۔

”خاموش رہو۔! ابھی تم پیش کر دیئے جاؤ گے۔!“ کہہ کر داراب مڑا تھا اور کمرے سے نکل گیا تھا۔ دروازہ باہر سے بولٹ ہونے کی آواز آئی تھی۔!

عمران سر ہلا کر مسکرا دیا۔ اُس کی دانست میں تیر نشانے پر بیٹھا تھا۔ سر کے گومزے ٹوٹ

”ہم نے اس کی بات پر یقین کیا...!“ بالآخر خان نے کہا تھا۔ اور زرنگار کر سی کی طرف واپس چلا گیا تھا۔

عمران ہاتھ پاندھے اور سر جھکائے کھڑا رہا۔

”اسے مہمان خانے میں لے جاؤ داراب.... اور اس سے رقمہ لکھوا کر گاڑی بھی بیٹیں لے آؤ...!“ خان نے کہا۔

داراب نے حکم کی تعلیل کی تھی۔ عمران کو وہاں سے لے چلا تھا اور اب اُس کے بر تاؤ میں بھی حتیٰ باقی نہیں رہی تھی۔ وہ اُسے ایک بہتر طور پر آراستہ کئے ہوئے کر رے میں لایا تھا۔  
”تمہیں یہاں قیام کرنا ہے.... ضرورت کی ہر چیز خادم سے طلب کر سکو گے جو ہے وقت کر رے کے باہر موجود رہے گا۔“

”شکریہ داراب خان...!“ عمران بولا۔

داراب چند لمحے کھڑا رہا پھر بیٹھ گیا تھا۔ عمران نے محسوس کیا کہ وہ مزید گفتگو کرنا چاہتا ہے۔

”میا تمہیں مجھ سے کوئی خاص شکایت ہے داراب خان...!“ اُس نے پوچھا۔

”نہ... نہیں امیں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ اُس نے میرے بارے میں اور کیا کہا تھا۔!  
“اب اُسے بھول جاؤ.... تم نے سب کچھ بتاہ کر دیا.... وہ بہت اچھی لڑکی ہے۔ اگر تمہارے

جھے میں آتی تو ہمیشہ خوش رہتے۔“

”مجھے دونوں سے ہمدردی ہے.... لیکن خان کا حکم...!“

”بہر حال اب تم اُسے منہ دکھانے کے قابل نہیں رہے۔“

”میں سمجھتا ہوں....! لیکن اگر تم چاہو تو اُس کا دل میری طرف سے صاف ہو سکتا ہے۔!  
“وہ کس طرح داراب خان...!“

”تم اُسے یقین دلا سکو گے کہ اُس کی گرفتاری میں میرا ہاتھ نہیں تھا۔!  
“میں اُسے کس طرح یقین دلا دیں گا.... وہ ہے کہا۔!  
“ وعدہ کرو کہ تم ایسا کرو گے۔!  
”اپنی بساط پھر کوشش کرنے کا وعدہ کرتا ہوں۔!  
لیکن یہ بات بھی واضح کر دوں کہ اُس کے باپ کو نہیں پچا سکتا۔ میرے بیٹے سے باہر

زمین سے لگتے ہوئے معلوم ہوئے تھے.... ریو اور خالی ہو گیا.... اور عمران نے جھک کر خان کو تعظیم دی۔.... وہ حیرت سے منہ کھولے بیٹھا ہوا تھا اور داراب کا تو یہ عالم تھا جیسے کوئی سر بازار چپت رسید کر کے نو دو گیارہ ہو گیا ہو۔

”کمال ہے.... واقعی کمال ہے....!“ خان بالآخر بولا تھا۔

عمران کچھ نہ بولا۔ سر جھکائے کھڑا رہا۔.... داراب کے پر بدستور ہوانیاں اڑتی رہیں۔ بالآخر خان نے کہا۔ ”یہ تو ہم نے دیکھ لیا کہ تم داراب کی گولیوں سے کیسے بچے.... کیا یہ ممکن نہیں کہ ہم بھی کوشش کر دیکھیں۔!  
”خادم حاضر ہے عالی جاہ....!“ عمران نے بڑے ادب سے کہا۔

”ہمارا ریو اور پیش کیا جائے....!“ خان نے داراب کی طرف دیکھ کر کہا۔ وہ تعظیم دے کر باہر چلا گیا تھا۔

”کیا صرف یہی تمہارا ذریعہ معاش ہے...!“

”عالی جاہ....! بس اسی پر گذارہ ہے....!“

”اگر تم ہمارے ہاتھ سے نک گئے تو منہ مانگا انعام دیں گے اور تمہارے اُس بیان پر یقین کر لیں گے کہ تم لاکی کو ہمارے حضور پیش کرنا چاہتے تھے۔!  
”حکم کی تعلیل ہو گی عالی جاہ....!“

پکھ دیر بعد خان اُس کے مقابل کھڑا نظر آیا۔ ہاتھ میں اعشاریہ چار پانچ کار ریو اور تھا۔!

”تمہاری موت کی ذمہ داری ہم پر نہ ہو گی۔ تم اپنی مرضی کے مختار ہو۔!  
”اپناخون معاف کیا عالی جاہ....!“

”اچھا تو یہ لو....!“ اُس نے فائز کر دیا۔.... عمران نے پھرتی سے اپنے جسم کو موڑا تھا۔  
خان نے داراب کی طرح تا بڑ توڑ فائز نہیں کئے تھے بلکہ وقفہ رکھا تھا۔ اس کے باوجود بھی وہی ہوا جو پہلے ہو چکا تھا۔!

عمران ایک بار پھر خم ہوا۔.... لیکن خان اُس کی طرف متوجہ نہیں تھا۔ خالی ریو اور کو اسی طرح گھورے جا رہا تھا جیسے سارا قصور اُسی کا ہو۔!

پھر اُس نے داراب کی طرف دیکھا تھا جو عمران کو گھور رہا تھا۔

”سنو....! اُسے یقین دلادینا کہ اگر داراب کی حکمت عملی کو دخل نہ ہوتا تو وہ اپنے باپ کو زندہ نہ دیکھ سکتی اور بات صرف دو انگلیوں ہی پر نہ مل جاتی۔!“

”میں اچھی طرح سمجھ گیا ہوں داراب خان....!“

”اب چپ چاپ میرے ساتھ چلے آؤ.... ایک گھنٹے بعد میں تمہیں پھر یہیں پہنچا جاؤں گا۔!“ داراب نے کہا۔

قریبادس منٹ تک چلتے رہنے کے بعد داراب ایک کمرے میں داخل ہوا تھا۔  
”تاریخ لائے ہو....!“ اُس نے پوچھا۔

”ہاں موجود ہے....!“

”اچھی بات ہے.... نیچے تاریکی ہی تاریکی ہے....! میں تمہارے ساتھ نہیں جاؤں گا.... تھہ خانے کی سیڑھیوں کے اختتام پر ایک دروازہ ملے گا۔ وہ صرف سیڑھیوں ہی کی طرف سے کھولا جاسکتا ہے۔ اندر سے نہیں....! تمہارے داخل ہو جانے پر خود بخوبی بند ہو جائے گا اور پھر میں ٹھیک ایک گھنٹے کے بعد نیچے آکر دروازہ کھولوں گا۔ تم دروازے کے قریب ہی موجود رہنا۔!“

”میں نے پوری طرح ذہن شین کر لیا ہے....!“ عمران بولا۔

داراب نے ایک گوشے سے قالین اٹ دیا.... اسی جگہ تھہ خانے میں داخل ہونے کا راستہ تھا۔ عمران حصہ ہدایت نیچے اترتا.... اور سیڑھیوں کے اختتام پر بند دروازے کو کھولنے کے لئے پینڈل گھمایا دروازے بے آواز کھلا تھا اور اُس کے گذرتے ہی پھر بند ہو گیا تھا۔!

گھری تاریکی تھی چاروں طرف.... اُس نے تاریخ روشن کی اور اطراف میں روشنی ڈالنے لگا۔ پھر روشنی کا دائرہ زینو پر شہر اتھا جو گھنٹوں میں سردی یہ بیٹھی شامکبے خبر سوری تھی۔  
قریب پہنچ کر عمران نے اُسے آوازیں دیں اور وہ اچھل پڑی۔

”مک.... کون ہے....!“

”عمران....!“

”اوہ....!“ وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور بے سانتہ پوچھا۔ ”عمران....!“ اسے...!“

”قدیمی.... لیکن اب میں آزاد ہوں! بیٹھ جاؤ اور جو کچھ کہوں اُسے سکون سے سنو!“

”آنہوں نے باکی دو انگلیاں کاٹ دی ہیں!“ وہ بلباٹھی۔

ہے۔ اُس نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ مجھے ان معاملات سے کوئی دلچسپی نہیں۔ لڑکی کا ساتھ دینے

پر بھی اس لئے آمادہ ہو گیا تھا کہ خان قراتو غانتک رسائی ہو جائے۔!“

”میں سمجھتا ہوں.... لیکن تمہیں میرا یہ کام ضرور کرنا پڑے گا۔!“

”میں نے کب انکار کیا ہے....! داراب خان....!“

”شکریہ....! اب اپنے ملازم کے لئے رفع لکھ دو.... خان کے حکم کے بوجب اُسے گاڑی سمیت یہاں لانا ہے۔!“

رقصے لے کر وہ چلا گیا تھا اور عمران آئندہ اقدامات کے بارے میں سوچنے لگا تھا۔!

شام تک جوزف بھی پہنچ گیا تھا۔ خان نے گاڑی دیکھی تھی اور عمران کے اس بیان سے مطمئن ہو گیا تھا کہ اُس پر کئی قسم کے نشانات استعمال کئے جاسکتے تھے.... اور پھر اُس نے مزید شعبدول کی فرمائش کی تھی۔

”عالی جاہ....! صرف دو دن کی مہلت دیجئے تاکہ ہم کئی نئے کھیل تیار کسکیں۔!“

خان نے عرض داشت قول کی تھی اور عمران جوزف سمیت یہاں خانے میں واپس آگیا تھا۔ جوزف نے لڑکی کے بارے میں پوچھا تھا اور عمران نے اُسے اب تک کی کہانی سنائی تھی۔

”لیکن باس....! یہاں سے نکلنے کی کیا صورت ہو گی۔! یہ عمارت تو قرون وسطی کے قلعوں جیسی ہے۔!“ جوزف نے کہا۔

”نکر مت کرو....! دیکھا جائے گا....!“ بس یہاں ذرا پیٹے پلانے کے معاملے میں محتاط رہنا۔ یہ لوگ شراب نہیں پیتے.... اور شامکبے پسند بھی نہ کریں کہ یہاں شراب پی جائے۔ چھپا کر گاڑی سے نکال لانا.... اور یہاں کہیں چھپا دینا۔!“

”میں احتیاط برتوں گا باس....!“

رات گئے دروازے پر بکی سی دستک ہوئی تھی اور عمران نے دروازہ کھولا تھا۔ داراب خان جلدی سے کمرے میں داخل ہوا تھا اور دروازہ بند کر کے آہستہ سے بولا تھا۔ ”کیا تم تیار ہو۔!“

”تمہارا ہی منتظر تھا....!“ عمران نے کہا۔ وہ کمرے میں اس وقت تھا تھا۔ جوزف کے سونے کا انتظام دوسرے کمرے میں کیا گیا تھا۔ یہ داراب ہی کی تجویز تھی۔!

”مجھے علم ہے لیکن خود کو قابو میں رکھو.... دو انگلیاں جان سے زیادہ عزیز نہ ہوئی چاہئیں!“  
”وہ بیٹھنے کی تھی اور عمران آہستہ آہستہ وہ سب کچھ سنانے لگا تھا جو اس پر گزری تھی... اپنی  
اُس حکمت عملی کا بھی ذکر کیا جس کی بناء پر تمہارے خانے تک رسائی ممکن ہوئی تھی۔  
”بابا کی خاطر سب کچھ گوارا کر لوں گی ورنہ تمہارے اس جھوٹ کو کبھی معاف نہ کرتی!“  
”جہاں چالا کی سے کام نکل سکے وہاں دلیری کا مظاہرہ کرنا میری دانست میں بدترین حادثت  
ہوگی!“

”میں سمجھتی ہوں....!“  
”تمہارا تحفظ میری ذمہ داری ہے....! اس میں فرق نہیں پڑے گا!“  
”مجھے یقین ہے عمران.... تم دیواں کی حد تک اپنے وعدے کا پاس کرنے والوں میں سے  
ہو۔ اگر زندہ رہی تو تمہیں کبھی نہ بھلا سکوں گی!“  
”اور اب مجھے اپنے ببا کے پاس لے چلو... وقت بہت کم ہے!“  
”بڑی دشواری سے انہوں نے مجھے اپنے قریب آنے دیا تھا۔ لیکن وہ مجھ تک نہیں  
آسکتے.... چلو تم خود دیکھ لو کہ وہ کیسی اذیت میں بٹلا ہیں۔ ان کی جگہ میں ہوتی تو میرا دم گھٹ  
جانا۔ ایک دن سے زیادہ زندہ نہ رہ سکتی!“

”اب تو تمہیں معلوم ہی ہو گیا ہو گا کہ ان سے کون سا جرم سرزد ہوا ہے!“  
”نہیں.... بس یہی کہتے ہیں کہ مجھ سے کوئی ایسا فعل سرزد نہیں ہوا جس پر مجھے ضمیر کی  
طاعت کا سامنا کرنا پڑے!“

”اچھا.... اچھا.... چلواب دیرنہ کرو.... اور تم مجھے ان تک پہنچا کر واپس آجائو گی.... کیا  
یہاں اندر رہا ہی رہتا ہے!“

”دن کو کہیں سے تھوڑی سی روشنی آتی ہے.... رات اندر رہے ہی میں بسر ہوتی  
ہے....!“ زینو نے کہا اور پھر وہ اُس جگہ لے گئی تھی جہاں اُس کا باپ تھا۔

عمران نے تاریخ روشن کی تھی اور پھر اُس کے روئے کھڑے ہو گئے تھے۔ دوفٹ چوڑی اور  
چار فٹ لمبی کوٹھری تھی جہاں وہ گٹھری سا بنا ہوا پڑا تھا۔ اُسی میں ایک کنارے غلاٹت کاڈھیر بھی  
نظر آیا۔ بدبو سے دماغ پھٹا جا رہا تھا۔ شائد کئی دونوں سے وہ سلاخوں دار دروازہ نہیں کھولا گیا

تحا.... زینو نے آہستہ آہستہ اُسے آوازیں دیں تھیں۔  
”تو پھر آگئی....!“ جابر خان کراہتا ہوا اٹھ بیٹھا!  
”وہ تم سے ملتے آیا ہے جس نے میری مدد کی تھی!“  
”کہاں ہے....! میں اُس کا چہرہ کیسے دیکھوں!“  
عمران نے تاریخ روشن کی تھی اور جابر خان اُسے غور سے دیکھتا رہا پھر بولا۔ ”بے شک یہ  
خان قزادتوغا کا نمک خوار نہیں معلوم ہوتا!“  
”اب تم واپس جاؤ....!“ عمران نے زینو سے کہا۔ ”میں تمہارے بیبا سے کچھ ضروری باتیں  
کروں گا!“  
”کتنا تو اندر ہیرا ہے.... میں کیسے واپس جاؤں گی!“  
”یہ تاریخ لیتی جاؤ.... میں نے راستہ سمجھ لیا ہے۔ تم تک اندر ہیرے ہی میں پہنچ جاؤں گا!“  
وہ اُس سے تاریخ لے کر چلی گئی اور عمران آہستہ سے بولا تھا۔ ”جابر خان....! میں  
سرکاری جاسوس ہوں...! خان قزادتوغا کے بارے میں چھان بین کرنے آیا تھا۔ اتفاق سے تمہاری  
میٹی سے ملاقات ہو گئی۔ بہر حال کل رات تک میں بھی قیدی تھا آج صبح سے آزاد ہوں!“  
ایک بار پھر اُسے پوری کہانی دہرانی پڑی تھی....! اندر ہیرے میں وہ جابر خان کے چہرے  
کے تاثرات نہیں دیکھ سکا تھا۔ لیکن اُسے یقین تھا کہ وہاب تک دوسروں سے جو کچھ چھاتا رہا  
ہے اُس پر ضرور ظاہر کر دے گا۔  
پوری داستان سن لینے کے بعد جابر نے کہا۔ ”مجھے یقین ہے تمہارے بیان سے صداقت کی  
بُو آتی ہے....! اخدا کا شکر ہے کہ مجھے ایک ایسا آدمی مل گیا ہے جسے میں سب کچھ بتا سکوں گا....  
خان قزادتوغا.... ملک و قوم کا غدار ہے.... وہ مجھ سے جس چیز کا مطالبہ کر رہا ہے.... اس وقت  
بھی میرے پاس موجود ہے.... میں اُس کا مال لے کر سرحد پار جاتا ہوں!“  
”اس سکنگ....!“

”کسی حد تک.... ورنہ کیمیائی کھاد برآمد کرنے کا اجازت نامہ خان کے پاس ہے.... اور میں  
اس طرف اس سکنگ کو اس لئے جائز سمجھتا ہوں کہ بعض علاقوں میں اعلانیے اس سکنگ کا مال آتا ہے  
اور فروخت ہوتا ہے۔ حکومت اُس کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھاتی.... لیکن میں اسے برداشت

نہیں کر سکتا کہ ملک کے راز غیر وہ تک پہنچائے جائیں۔ پچھلی بار جب میں مال لے کر جا رہا تھا تو ایک ٹرک سے کچھ پٹیاں گر کر ٹوٹ گئی تھیں۔ مال بکھر گیا تھا جسے سینئے وقت ایک مہربند لفافہ ہاتھ لگا میرا ما تھا تھا اور میں نے وہ لفافہ پھر پیٹی میں نہیں رکھا تھا! بہر حال اُس لفافے کو کھولنے کے بعد خان کی غداری مجھ پر عیاں ہو گئی تھی..... اُس نے بعض فوجی ٹھکانوں کے کچھ نقشے کی کو بھیجے تھے.... اور اُس کے ہاتھ کی ایک تحریر بھی اُن کے ساتھ تھی جسے وہ لفافہ بھیجا گیا تھا اُس تک پہنچنے کا سوال ہی تھا پیدا ہوسکا....! شاکر اُس نے کسی طرح خان سے رابطہ قائم کر کے عدم وصولی کی اطلاع دی ہو گی.... اُس کے بعد ہی سے یہ قصہ شروع ہوا تھا!“

”تو وہ نقشے اس وقت بھی تمہارے پاس موجود ہیں!“

”ہاں.... لیکن خدا کا شکر ہے کہ اپنی دو انگلیاں کٹوانے کے بعد بھی ثابت قدم رہا!“

”میں تمہاری عظمت کو سلام کرتا ہوں جابر خان....!“

”نہیں میرے پچھے.... اس میں عظمت کی کوئی بات نہیں....! خدا کی طرف سے جس فرغ کی اوائلی میں پڑھ پر واجب ولازم کی گئی تھی اُس سے عہدہ برآ ہونے کی کوشش کی تھی میں نے.... اور اب میں اس سے سبکدوش ہوتا ہوں.... اپنا ہاتھ اور ہر سلاخوں پر رکھو....!“ پھر جابر خان کے طبق سے کچھ اسی آوازیں نکلی تھیں جیسے اوبکایاں لے رہا ہو.... مٹول کر عمران کا ہاتھ پکڑا تھا اور اُس میں کسی دھات کی پتی سی سلانی تھما تا ہوا بولا تھا۔ ”اس پلان میں وہ سب کچھ موجود ہے جسے اس غدار کے خلاف استعمال کیا جائے گا!“

”بہت گھرے معلوم ہوتے ہو جابر خان....!“ عمران بھرا بھی آواز میں بولا۔

”میں نے یہ فن ایک چینی سے سیکھا تھا۔ انہوں اس نکلی کو نکلے رہ سکتا ہوں....! سانس کی نالی میں جگہ بنائی ہے.... پلان رکھنے کی!“

”بس اب تم مطمئن رہو.... میں سب کچھ ٹھیک کر لوں گا....!“ عمران نے کہا۔ ”ہاں یہ بتاؤ کہ تم پر تشدد کرنے والے کن اوقات میں یہاں آتے ہیں!“

”آج تو کوئی سرے سے آیا ہی نہیں....! ایک ہفتے کے لئے پانی اور خشک روٹیاں یہاں رکھ دی جاتی ہیں اور کئی کئی دن بعد اس کو ہڑی سے غلات نکالی جاتی ہے....! مجھے حیرت ہے کہ اب تک زندہ کیسے ہوں!“

عمران نے اُسے مزید تسلیاں دی تھیں اور ریڈیمڈ اسٹائل والی گھڑی پر نظر ڈالی تھی۔ ایک گھنٹہ پورا ہونے میں صرف دس منٹ باقی تھے.... اورہ ٹوٹا ہوا اُس سمت چل پڑا تھا جہاں زینو تھی۔ ”تاریج روشن کرو زینو....!“ کچھ دور چلنے کے بعد اُس نے آواز دی تھی تاریج روشن ہوئی تھی اور عمران اُس کے پاس پہنچ گیا تھا۔

”کیا باتیں ہوئیں....!“ زینو نے مضطربانہ انداز میں سوال کیا۔ ”کچھ بھی نہیں۔ وہ بدستور بھی کہہ رہے ہیں کہ کسی لفافے کے بارے میں کچھ نہیں جانتے!“ ”تو پھر اب کیا ہو گا!“

”فکر نہ کرو.... خدا نے چاہا تو بہتر ہی ہو گا!“

ٹھیک ایک گھنٹے کے بعد عمران دروازے کے قریب پہنچ گیا تھا اور داراب نے اُس کے لئے دروازہ کھولا تھا۔

کچھ دیر بعد وہ پھر مہمان خانے میں تھے.... راستے میں داراب خاموش ہی رہا تھا۔ لیکن کمرے میں پہنچتے ہی مضطربانہ انداز میں پوچھا ”کیا رہا!“

”بُوی مشکل سے اُسے یقین دلانے میں کامیاب ہوا ہوں کہ اس معاملے سے تمہارا کوئی تعلق نہیں اور اُسے گرفتار کرنے والوں میں بھی تم نہیں تھے!“

داراب نے طویل سانس لی تھی عمران کھتارہ ”میں نے یہ بھی کہا تھا کہ داراب خان بس موقع کی تلاش میں ہیں.... وہ تم دونوں کو فرار ہونے میں مدد دیں گے!“

”واہوا.... تم تو بہت کمال کے آدمی ہو.... تو گویا بب میں مطمئن ہو جاؤں کہ سامنا ہونے پر وہ مجھے کینہ تو نظروں سے نہیں دیکھے گی!“

”بالکل ایسا ہی ہو گا!“

”بس تو پھر اب تم مرنے کے لئے تیار ہو جاؤ....!“

”کیا مطلب...!“ عمران چونکہ پڑا۔

”میں اپنے خلاف کوئی ثبوت چھوڑنے کا قابل نہیں ہوں....!“ داراب نے بے حد سرد لبجھ میں کہا۔

”یہ تو سارہ زیادتی ہے!“

”فائز نہیں کروں گا کیونکہ تم شعبدہ باز ہو.... اور پھر اس سے شور بھی ہو گا.... خاموشی سے یہ کام کرنا چاہتا ہوں گا۔“

”کیوں مذاق کر رہے ہو....!“ عمران احتقانہ انداز میں بُش پڑا۔

”دانت بند کرو.... میں نہیں چاہتا کہ مرنے کے بعد تمہارے چہرے پر کرب کے آثار پائے جائیں۔!“

”تب پھر مجھے ہنسنے دو.... مرنے کے بعد شادی مرگ کا شاہکار نظر آؤں گا.... لوگ کہیں گے کہ فرطہ سرت سے مر گیا.... شائد اسے اپورٹ لاکینس مل گیا تھا۔!“

داراب نے اس پر چھلانگ لگائی تھی اور دیوار سے جاٹکرایا تھا۔ پھر پلٹا تو اپناریو اور عمران کے ہاتھ میں دیکھا!

”اس کرتب کے بارے میں کیا خیال ہے.... داراب خان ٹائیگنگ کاریکارڈ توڑ دیا ہے۔ میں اس وقت نہ صرف تمہاری گرفت سے بچا ہوں بلکہ ساتھ ہی تمہارے ہولٹر سے رویاں بھی نکال لیا ہے۔!“

داراب خان دم بخود کھڑا رہ گیا.... عمران مسکرا کر بولا۔ ”میں نے سنا ہے کہ تم ایک گھونے سے کھوپڑی توڑ دیتے ہو۔ تمہیں اس کا بھی موقع دوں گا۔ آؤ....!“

”میں تو مذاق کر رہا تھا۔!“ داراب سخیانی بُشی کے ساتھ بولا۔

”اگر یہ بات ہے تو میرا دل بھی صاف ہو گیا۔... یہ لو.... اپناریو اور سنجھا لو....!“ عمران نے رویا اور کی نال پکڑ کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا تھا لیکن جیسے ہی وہ رویا اور لینے کے لئے جھکا ریو اور کادستہ پوری قوت سے اس کی کنپٹی پر رسید کر دیا گیا وہ لڑکھرایا تھا لیکن پھر عمران نے اسے سنپھٹنے کا موقع نہیں دیا تھا۔ پے در پے دو ضریں اور لگائی تھیں۔

داراب کسی تاثور درخت کی طرح ڈھیر ہو گیا۔...! عمران کی اسکیم کچھ اور تھی لیکن داراب کے اس طرح پلٹا کھانے سے سکھیل ہی گز گیا۔

اب جو کچھ بھی کرنا تھا۔ اس میں دیر لگانے سے مزید پچید گیاں پیدا ہو گئی تھیں۔!

بہت جلدی میں اس نے جوزف کو بیدار کیا تھا۔ گھری نیند سویا تھا اس لئے فوری طور پر معاملہ اس کی سمجھ میں نہیں آیا تھا۔! بدقت پھویش اس کی کھوپڑی میں اٹماری گئی اور پھر وہ کسی شکاری

کتے کی طرح چوکنا نظر آنے لگا تھا۔!

”اب داراب کو اٹھا کر تھہ خانے تک لے چلتا ہے....!“ عمران نے اس سے کہا۔ ”تو قع نہیں ہے کہ وہ جلد ہوش میں آسکے۔!“

جوزف نے بڑی پھرتی دکھائی تھی۔... عمران نے اسے تو تھہ خانے کے دروازے پر چھوڑا تھا اور بیہو ش داراب کو گھینٹا ہوا تھہ خانے میں لے گیا تھا۔ دروازہ خود بخود بند ہو گیا۔ زین دوڑ کر اس کے قریب آئی تھی۔... اور عمران بولا تھا۔ ”پوری ایکسیم چوپٹ ہو گئی۔... اب حالات غیر یقینی ہیں۔!“

داراب والا واقعہ سن کر زینو نے کہا۔ ”تم یہ سب کچھ اتنی آسانی سے کر لیتے ہو جیسے کوئی بات ہی نہ ہو۔...! اگر داراب کے ہاتھ تمہاری گردن تک بیٹھ جاتے تو شاہکمیج چھ۔...!“

”میں سمجھتا ہوں۔...!“ عمران اس کی بات کاٹ کر بولا۔ ”اب تمہارے بابا کو اس کو ٹھری سے نکال کر داراب کو اس میں قید کرنا ہے۔!“

”قفل کیسے کھولو گے۔...!“

”میرا خیال ہے کہ چاپیاں داراب ہی کے قبضے میں ہوں گی۔... ابھی جلاشی لیتا ہوں۔!“ سنجھوں کا ایک کچھ اس کے پاس سے برآمد ہوا تھا اور پھر ایک کنجی کو ٹھری کے قفل میں لگ گئی تھی۔ جابر خان کو نکال کر بیہو ش داراب کو بند کر دیا گیا۔!

شدت جذبات سے زینو کا گلار ندھ گیا تھا۔ آواز نہیں نکل رہی تھی۔ عمران کا بازو اس نے بڑی مضبوطی سے پکڑ رکھا تھا۔ عمران نے زینے کا دروازہ چھپیا۔... جوزف نے دوسری طرف سے ہینڈل گھما کر دروازہ کھولا تھا۔

پہلے عمران انہیں اُسی کرے میں لے گیا تھا جہاں مقیم تھا۔ پھر سر جوڑ کر سوچا جانے لگا تھا کہ اب کیا کرنا چاہئے۔!

چھائک پر پھرہ تھا ویسے جابر خان نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ تھہ خانے سے نکل جانے کے بعد فرار آسان ہو جائے گا کیونکہ وہ ایک ایسے راستے سے بھی واقع تھا کہ کسی سے نہ بھیزنا ہوتی اور وہ صاف نکلے چلے جاتے لیکن عمران اپنی گاڑی چھوڑ کر نہیں جانا چاہتا تھا۔!

اس نے جوزف سے ٹرانس میٹر لیا تھا اور ان دونوں کے ساتھ وہ راستہ دیکھنے چل پڑا جس

سے انہیں فرار ہوتا تھا۔!

وہ ایک چور دروازے سے لگتے تھے اور دیرانے میں پہنچ گئے تھے۔ دور تک اوپری پنجی چٹانیں بکھری ہوئی تھیں.... اور اتحاد سناتا چاندنی سے سرگوشیاں کرتا معلوم ہو رہا تھا۔  
”یہاں ایسی جگہیں بھی ہیں جہاں ہم کئی دنوں تک چھپے رہ سکتے ہیں!“ جابر خان نے کہا۔  
”بیس تو پھر ٹھیک ہے تم جگد کی نشاندہی کر کے چھپ جاؤ۔ میں واپس چلا جاؤں گا.... اور کل صبح باضابطہ کارروائی شروع ہونے پر میں تم لوگوں کو دہاں سے نکال لے جاؤں گا!“ عمران نے کہا۔ پھر اس نے ٹرانس میٹر پر سرحدی چوکی سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش شروع کر دی تھی۔

توہڑی دیر بعد کسی کی آواز سنائی دی تھی اور عمران نے انچارج سے گفتگو کرنے کی خواہش ظاہر کی تھی۔ ساتھ ہی انتر سر و سزا نیلی جیسیں کا حوالہ بھی دیا تھا۔ انچارج سے رابطہ قائم ہونے میں بھی کچھ وقت صرف ہوا تھا اور پھر عمران نے اُسے مختصر انتیا تھا کہ اُس کاں کا مقصد کیا ہے۔ ساتھ ہی اُسے لائچہ عمل سے بھی آگاہ کیا تھا۔ انچارج نے کہا تھا کہ وہ صبح ہونے سے پہلے ہی کہکشاں پہنچ سکتا ہے کیونکہ سرحدی چوکی کا فاصلہ دہاں سے صرف تیرہ میل ہے اور راستہ بھی پریق نہیں ہے... عمران نے ایک بار پھر بتایا تھا کہ اُسے کیا کرنا ہے.... ٹرانس میٹر کا سوچ آف کر کے اُس نے جابر خان سے کہا۔ ”تمہیں زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑے گا!“

”میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ تم کوئی سرکاری جاسوس نکلو گے۔“ زینونے کہا۔

”ستکات کھائے تو آدمی بادشاہ تک بن سکتا ہے.... سرکاری جاسوس کیا چیز ہے!“

”بہر حال تم نے چوکی کے انچارج کو جو تجویز بتائی ہے اُس سے اچاک خان قرا توغا کا ہارت فلیور بھی ہو سکتا ہے....!“

”اُس کے کو دعا میں دو جس نے کاٹ کر یہاں بھجوایا تھا....!“

پھر اس نے انہیں دیں چھوڑا تھا اور خود واپس آگیا تھا.... جوزف کو اس کے کمرے میں بیچ کر سو جانے کی کوشش کرنے لگا تھا۔ سو بھی گیا تھا لیکن جاگا تھا اور وہ پیٹے جانے کی آواز پر.... بالکل اسی طرح پیٹا جا رہا تھا کہ اگر اندر سے نہ کھولا گیا تو توڑ دیا جائے گا!“

عمران نے انہے کر دروازہ کھولا.... صبح ہو رہی تھی سامنے دو مسلیخ فوجی کھڑے نظر آئے اور

اُن کے ساتھ خان کا بھی ایک سپاہی تھا۔ جوزف کو بھی جگایا گیا اور وہ دونوں اس طرح دیوان خاص کی طرف ہائکے جانے لگے جیسے اُن سے کوئی بہت بڑا جرم سرزد ہو گیا ہو۔

خان اپنی زرگار کری پر بیٹھا ہوا نظر آیا۔ قریب ہی ایک کیپٹن بھی موجود تھا.... چھ مسلیخ فوجی ایک طرف کھڑے ہوئے تھے۔

”یہی ہے وہ شعبدہ بازار جس کی آپ کو تلاش ہے....!“ خان نے کیپٹن سے کہا۔ ”اس کی گاڑی بھی موجود ہے جس پر پہلے فوج کا نشان تھا اور اب فلم استوڈیو کا مونو گرام نظر آ رہا ہے....!“ پھر عمران سے بولا۔ ”اب بتاؤ سرددوں تم کیوں آئے تھے یہاں!“

”جابر خان کی رہائی کے لئے!“ عمران نے سرد لبجھ میں کہا ”اور اُس سے وہ لفافہ حاصل کرنے کے لئے جس کے حصول کے لئے تم نے اُس بچارے کی دو انگلیاں کٹوادی ہیں!“

”یہ کیا بکواس ہے....!“ خان غریا۔

”وہ لفافہ میں نے حاصل کر لیا ہے خان....!“ نفشوں کے ساتھ ہی اُن سے متعلق تمہارے ہی ہاتھ کی ایک تحریر بھی ہے!“

”مک..... کیا مطلب.....!“

”اُس تحریر کی موجودگی میں تم کسی طرح بھی نہیں بیٹھ سکتے.... اور یہ بھی بتا دوں کہ جابر خان اور اُس کی بیٹی رہائی پاپکے ہیں ورنہ کاغذات کیوں نکر میرے ہاتھ لگتے!“

”یہ بکواس کر رہا ہے....!“ خان نے کیپٹن کی طرف دیکھ کر کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا۔

”یہ بالکل درست کہہ رہے ہیں خان.... میں ان کے بارے میں ہیڈ کوارٹر سے تصدیق کرنے کے بعد ہی یہاں آیا ہوں اور ان کے کسی کام میں مداخلت کرنے کا اختیار مجھے نہیں ہے!“

”اوہ..... اوہ.....!“ خان مٹھیاں بکھنچ کر رہا گیا۔

”اب جابر خان کی جگہ تمہارے اذیت خانے میں داراب قید ہے۔!“ عمران نے کہا اور کیپٹن سے کہا۔ ”خان کو حرast میں لے کر فوری طور پر قرا توغا سے ہٹا دیا جائے!“

”بہت بہتر جتاب....!“

”یہ نہیں ہو سکتا....!“ خان اٹھتا ہوا بولا۔ کیپٹن نے فوجیوں کو اشارہ کیا تھا اور وہ نصف دائرے کی شکل میں آگے بڑھ آئے تھے!

”عزت سے چلے چلے...!“ کیپن نے خان سے کہا۔ ”فی الحال اسی میں آپ کی بہتری ہے!“  
”سب جھوٹ ہے....!“ خان حلق چاڑ کر دہاڑ۔  
”دو فوجیوں کو میرے ساتھ کجھے!“ عمران نے کیپن سے کہا۔ ”میں ان دونوں مظلوموں  
کو خان کی خدمت میں پیش کئے دیتا ہوں۔!“  
”جیسی آپ کی مرضی....!“ کیپن بولا۔

عمران و دوپاہیوں کے ساتھ اُس دیرانے میں آیا تھا جہاں وہ دونوں چھپے ہوئے تھے۔!  
”خدا کا شکر ہے....!“ زین کا نقی ہوئی سی آواز میں بولی۔ ”تم بالآخر کامیاب ہو گے۔!  
جاابر خان کی حالت غیر ہو رہی تھی.... اُس کے دونوں ہاتھ متورم تھے.... اُفجی اُسے  
سہارا دے کر لے چلے۔!  
”کیا تم کوئی بہت بڑے افسر ہو....!“ زین نے عمران سے پوچھا۔  
”لیں ایسا ہی افسر ہوں کہ کٹ کاٹ لیا کرتے ہیں۔!  
”پھر کبھی آؤ گے ہماری طرف....!“ زین کے لبھ میں حرست تھی۔  
”دعا کرتی رہنا کہ پھر کتا کاٹ لے۔!  
”بار بار کتے کی بات کر کے مجھے غصہ نہ دلاو....!“ وہ جھنجلا کر بولی۔

تحوڑی دیر بعد وہ دیوان خاص میں پہنچے تھے۔ لیکن خان انہیں دیکھ نہ سکا کیوں اب وہ اپنی  
کرسی پر بیہوں پڑا تھا اور اُس کی گردان ایک طرف ڈھلک گئی۔  
”یہ کیا ہوا....!“ عمران نے کیپن سے پوچھا۔  
”بیٹھے بیٹھے تشنجی کیفیت طاری ہوئی تھی.... اور پھر بیہوں ہو گئے۔!  
”غصب ناکی اور احساس بے بی مل کر کس حال کو پہنچادیتے ہیں۔!  
پھر زین اور جابر خان کی طرف دیکھ کر کہا۔  
”ان دونوں کو ہیڈ کوارٹر پہنچانا ہو گا اس کیس کے شاہد ہیں۔!  
کیپن نے خان قزاوقا کی طرف دیکھا تھا۔  
”جتنی خاموشی سے ملک ہوا سے بھی لے جاؤ....! عمارت سے کوئی فرد باہر نہ نکلنے پائے  
ورنہ دشواری میں پڑ جاؤ گے۔!  
“

”میں سمجھتا ہوں۔!“  
”ان کے خلاف ثبوت میں بذاتِ خود اندر سر و سر کے ڈائریکٹر جزل تک پہنچاؤں گا۔!  
”بہت بہتر جناب....!  
زینو ہجرت سے آنکھیں چھاڑے عمران کو دیکھتی رہی تھی لیکن اب عمران اُس کی طرف  
متوجہ نہیں تھا۔  
پھر داراب کو بھی تھہ خانے سے نکلا گیا۔... فوجیوں کو دیکھ کر وہ چوڑا تھا۔  
”کھیل ختم ہو چکا ہے داراب....! اب تم حکومت کے قیدی ہو۔!  
وہ کچھ نہ بولا۔ قہر آلوں نظرتوں سے عمران کی طرف دیکھتا رہا تھا۔  
”زینو کے بارے میں تمہیں جو اطلاع میں نے دی تھی...!“ عمران اُس کی آنکھوں میں  
دیکھتا ہوا بولا۔ ”محض حکمت عملی تھی.... وہ تو تم سے اس حد تک متفرق ہے کہ موقع ملنے پر خود ہی  
تمہیں گولی کا نشانہ بداریتی۔!  
”تم سب جہنم میں جاؤ....!“ وہ حلق چاڑ کر دہاڑا تھا۔  
روانگی سے قبل زینو نے عمران سے ملنے کی خواہش ظاہر کی تھی اور اُسے مہماں خانے میں  
پہنچا دیا گیا تھا۔  
”میں آپ کی شکر گزار ہوں جناب عالی....!  
”اُس نے رقت آمیز لبھے میں کہا۔  
”اڑے واہ.... یہ آپ اور جناب کیوں شروع کر دی۔!  
”میں تصور بھی نہیں کر سکتی تھی کہ آپ اتنے بڑے آفسر ہیں، اپنے اختیارات سے خان  
قزاوقا کی قسم کا بھی فیصلہ کر سکتے ہیں۔!  
”نہیں زینو دوست....!  
”عمران مسکرا کر بولا۔ ”میں ایک بہت بڑی مشین کا ایک معمولی سا  
پرزو ہوں۔!  
”شکریہ....! آپ نے مجھے دوست کہا ہے....! اسے ہمیشہ یاد رکھئے گا اور میں تو شائد  
مرتے دم تک آپ کو نہ بھلا سکوں۔!  
عمران کچھ نہ بولا۔ وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھی تھی اور عمران کی پیشانی کو بوسہ دے کر لیکھت  
واپسی کے لئے مزگی تھی۔

عمران ہونقوں کی طرح منہ چھاڑے بیٹھا رہا۔

زینو مڑ کر دیکھے بغیر باہر نکلی چلی گئی تھی.... اُس کے بعد جوزف کمرے میں داخل ہوا تھا۔  
”کیا ہوا بآس....!“ وہ بوکھلا کر بولا۔

”اوی....!“ عمران چونک پڑا۔

”مطلوب.... یہ کہ طبیعت تو ٹھیک ہے....؟“

”ہاں.... اس وقت میری پیشانی پر لقص اور خلوص کے پھول کھل رہے ہیں.... کاش تھیا  
نے بھی کبھی اس طرح میری پیشانی کو بوسہ دیا ہوتا۔!“  
جوزف متینر انہ انداز میں اُسے دیکھا رہ گیا تھا۔!

﴿ ختم شد ﴾